میرانیس کی شاعری میں رنگوں کا استعمال
اہتمام:
نبیل حسین نبیل
ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

تعریف کروں کیا تری احمد کے نواسے
نسبت ہے تری ذات کو محبوبِ خدا سے

حسرت تھی رسولانِ گرامی کو بھی جس کی
ہے مرتبہ تجھ کو وہ ملا ذاتِ خدا سے

اے وہ کہ ترے ہاتھ میں کوثر کے پیالے
اے وہ کہ ترے دست میں تسنیم کے کاسے

اے وہ کہ ترے نام سے اعزازِ شہادت
فردوس میں جاتا ہے تو مستانہ ادا سے

جو ہو نہ سکا تھا دمِ عیسیٰ سے شفایاب
پائی ہے شفا اس نے تری خاکِ شفا سے

علامہ ضمیر اختر نقوی

نبیلؔ
۱۴ مئی ۲۰۲۰ء۔ اسلام آباد

اہتمام (پی ڈی ایف) ______

نبیل حسین نبیلؔ

میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال

"فکرِ انیسؔ کی ترجمانی رنگوں کی زبانی"

ضمیر اختر نقوی

تاریخ اشاعت ------------- ۱۹۹۹ء

کتابت ----------------- محمد سعید

سرورق ------------ اصغر حسین عابدی

قیمت ------------------ ۳۰۰ روپے

کتاب ملنے کا پتہ

مرکزِ علوم اسلامیہ

فلیٹ نمبر-آئی ۴، نعمان ٹیرس، فیز ۳، یونیورسٹی روڈ،

گلشن اقبال بلاک ۱۱، کراچی۔ فون نمبر: ۸۱۱۲۸۶۸

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ، لاہور نمبر ۱،

خراسان بک ڈپو، سولجر بازار، کراچی۔

نبیل حسین نبیل
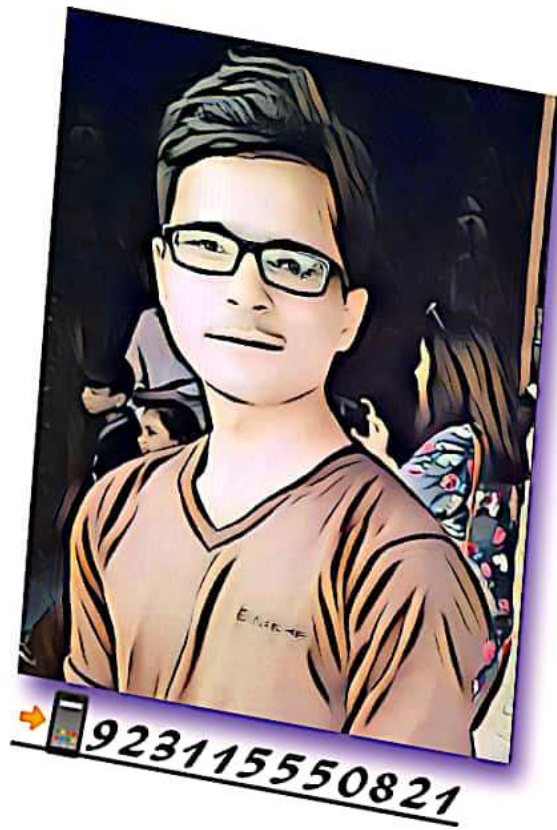
اسلام آباد

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ (سورۂ نحل آیت ۱۳)

"اور جو کچھ تمہارے لئے اس زمین کے اندر مختلف رنگوں میں پیدا کیا ہے اس میں بھی تذکرہ کرنے والی قوم کے لئے اللہ کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

انتساب

۲۰۰۲ء کے نام ——— !

چار (۴) برس کے بعد جب میر انیس

کا دو سو (۲۰۰) سالہ جشنِ ولادت

منایا جائے گا ——— !!

نذرِ سیّد ہاشم رضا مدظلہٗ العالی

"ضمیر اختر نقوی ایک مختلف طرزِ فکر رکھنے والے مقرّر ہیں جنہوں نے اپنی خوش کلامی و رنگین بیانی کے باوصف میر انیسؔ کے مرثیوں میں قوتِ متخیلّہ کی حامل خصوصیات کو اُجاگر کیا، اُنہوں نے میر انیسؔ کے یہاں پائی جانے والی رنگوں کی ایک انوکھی تصویر کو منکشف کیا اور کہا کہ یہ مناظر اور یہ اُلفتِ الوان میر انیسؔ کے یہاں خوش اسلوبی اور باقاعدگی سے نظر آتے ہیں۔"

—— انتظار حسین

دنیا کے عظیم شعرا زمان و مکان کی حدود سے نکل کر ہر عہد کے ترجمان بن جاتے ہیں اور یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ ہر عہد اپنے عظیم شاعر کو از سرِ نو دریافت کرتا ہے۔ یہ کلیہ عظیم شاعر میر انیسؔ کے باب میں بھی صادق آتا ہے۔ انیسؔ شناسی کے نئے نئے گوشے برابر سامنے آرہے ہیں۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی کو انیسؔ شناسی سے شغف نہیں، عشق ہے۔ ان کے زرخیز اور خلّاق ذہن میں میر انیسؔ کے حوالے سے نادر و بے مثل افکار و خیالات۔ جنم لیتے رہتے ہیں، زیرِ نظر کتاب میں انہوں نے رنگوں اور الوان کے حوالے سے میر انیسؔ کے مراثی کا جائزہ لیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ رنگ اور اس کی ماہیت اور انسانی معاشرے اور ذوقِ جمال پر اثرات کو تہذیب، جمالیات، نفسیات کے علاوہ سائنسی نقاطِ نظر سے بھی دیکھا گیا ہے۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی کی ایک منفرد اور عالمانہ کاوش کی داد کس طرح دی جائے۔ اس موضوع پر تو ایک مقالہ لکھنا بھی شاید دشوار ہوتا۔ چہ جائے کہ ضمیر اختر صاحب نے ایک ضخیم کتاب تحریر کر دی جو بلاشبہ انیسؔ شناسی کے تازہ ترین گوشوں میں ایک عہد آفریں اضافہ ہے۔

——— پروفیسر سحر انصاری

فہرست مضامین

نذرِ انیسؔ

کلامِ میر انیسؔ کا مطالعہ عوام وخواص نے حتیٰ کہ مرثیے کے شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس عظیم کلام کا حق تھا، میر انیسؔ کے مرثیوں میں غم والم کا عنصر تقریباً ۲۵ فیصد ہے۔ باقی ۷۵ فیصد کلام حمد، نعت، منقبت، مدح، قصیدہ، مثنوی، غزل اس کے ماورا عمرانیات، حیوانات، نباتات، جمادات، سیاسیات، جمالیات، فلکیات، جغرافیہ، تاریخ فلسفہ، منطق، علم کلام، علم الوان اور خصوصاً حدیث، قرآن اور تفسیرِ قرآن، علوم جنگ اور تمام موضوعات کی تفصیلات وجزئیات بھی موجود ہیں ۔ میر انیسؔ کے کلام کو سمجھنے کے لئے تمام علوم کا مطالعہ ضروری ہے اور شاید بعض ناقدین میر انیسؔ کی شاعری پر لکھنے سے اسی لئے گھبراتے ہیں، غزل میں عشقیہ فکر وفن کی باتوں پر لکھنا آسان ہے کہ محدود موضوعات ہوتے ہیں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مضمون لکھ دیئے جاتے ہیں۔

ہمارے علمائے ادب ابھی اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ میر انیسؔ بڑے شاعر ہیں یا اقبالؔ، حالانکہ سامنے کی بات ہے کہ اقبالؔ کی شاعری کا موضوع محدود ہے، صرف مسلمان ان کا موضوع ہے، اقبالؔ ایک محدود دائرے سے آگے نہیں بڑھتے جبکہ میر انیسؔ کی شاعری کا موضوع آفاقی ہے ان کا موضوع انسان ہے، قرآن کا موضوع بھی انسان ہے اور سچ پوچھئے تو میر انیسؔ کی شاعری میں قرآن کا خشک وتر، موجود ہے، اقبالؔ کی صرف

آواز عرش تک پہنچتی ہے، میر انیسؔ خود عرش تک پہنچے ہوئے ہیں۔

میر انیسؔ پر ابھی بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، "موازنہ انیسؔ و دبیرؔ" کی اشاعت کے بعد سے آج تک نوّے برس میں انیسیات کے عظیم ذخیرے میں اکثریت ان ناقدین کی ہے جنہوں نے شبلی نعمانی کے طرز پر کلام انیسؔ کو پرکھا ہے، میر انیسؔ کی شاعری میں جدید زاویئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے، کلام انیسؔ میں نئے نئے گوشے تلاش کرنے والوں میں جو نام آتے ہیں اُن میں امداد امام اثرؔ، مسعود حسن رضوی ادیبؔ، پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، وقار عظیم، مرتضیٰ حسین فاضلؔ، شان الحق حقّی، ڈاکٹر صفدر حسین، وزیر آغا، انور سدید، انتظار حسین، ڈاکٹر نیّر مسعود، شمس الرحمٰن فاروقی، سلیم احمد، پدم شری علی جواد زیدی، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر اسد اریب، ظ، انصاری، وحید اختر، نائب حسین نقوی، ڈاکٹر شارب ردولوی، مجیب رضوی، شہید صفی پوری۔

میر انیسؔ کی وفات کو ایک سو تیئیس (۱۲۳) برس گزر چکے ہیں اور اب ہم میر انیسؔ کی ولادت کا دو سو سالہ جشن منانے کی تیاری کر رہے ہیں، اس عرصے میں اُردو کے ہر نقاد اور ادیب نے میر انیسؔ پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے، محمد حسین آزادؔ، الطاف حسین حالیؔ، شبلی نعمانی، نظم طبا طبائی، عبدالحلیم شررؔ، چکبستؔ، رتن ناتھ سرشارؔ، لالہ سری رام، نوبت رائے نظرؔ، سر سپرو، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، سر عبدالقادر، حامد حسن قادری، عبدالباری آسی، نیاز فتحپوری، عبدالسلام ندوی، عزیزؔ لکھنوی، یاس یگانہ چنگیزی، فدا علی خنجرؔ، محمد یحییٰ تنہاؔ، محی الدین قادری زورؔ، تاجورؔ نجیب آبادی، خواجہ غلام السیدین، اختر علی تلہری، علی عباس حسینی، آلِ احمد سرورؔ، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، پروفیسر حسن عسکری، سردار جعفری، نور الحسن، جعفر علی خاں اثرؔ، ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شاہد احمد دہلوی، عابد علی عابدؔ، ڈاکٹر اعجاز حسین، سید ہاشم رضا، سید یوسف حسین شائق، سجاد باقر رضوی، ناظر حسین زیدی، فضل فتحپوری، الیاس عشقی، محمد علی صدیقی، امیر امام حر، ضیا الحسن موسوی، سید جعفر طاہر، ڈاکٹر مسیح الزماں، ڈاکٹر سید محمد عقیل، ڈاکٹر اعجاز نقوی، کسریٰ منہاس، وحید الحسن ہاشمی، عبدالقوی دسنوی، سید سخی حسن نقوی، پروفیسر مرتضیٰ حسین رضوی، شیخ ممتاز حسین جونپوری، صالحہ عابد حسین، پروفیسر مجتبیٰ حسین

کلیم الدین احمد، پروفیسر طاہر فاروقی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، سحر انصاری، ڈاکٹر فدا حسین، سید غلام امام، سید قدرت نقوی، سید نینی، سخاوت مرزا، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، مخمور اکبرآبادی، رضا مظہری۔ ڈاکٹر سبط حسن رضوی، کوثر نیازی، محمود فاروقی، پروفیسر صفی حیدر دانش، ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، سب یک زبان و یک رائے ہیں ہر ایک نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میر انیس کے اندر وہ غیر معمولی جوہر شاعری ہے جو انہیں صفِ اول کے بہترین اردو شاعروں میں ممتاز جگہ دیتا ہے، تاہم زیادہ تعداد اُن ادیبوں اور ناقدین کی ہے جن کی نگاہ میں میر انیس اُردو ادب کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔

اُردو زبان کے مشہور و معروف شُعرا بھی میر انیس کے مدّاح ہیں اور ان کی فنکارانہ تخلیقی قوت کا اعتراف کرتے ہیں اُن میں ناسخ، آتش، غالب، امیر مینائی۔ اسیر لکھنوی، ثاقب لکھنوی، عزیز لکھنوی، جوش ملیح آبادی۔ نجم آفندی، سید آلِ رضا، نسیم امروہوی، جمیل مظہری، احسان دانش، رئیس امروہوی، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، مہذب لکھنوی، نشور واحدی، شمیم کرہانی، عرش ملسیانی، بسمل سعیدی، سب ہی ممتاز شعراء شامل ہیں جنہوں نے نظم و نثر میں میر انیس کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

علماء و مجتہدین شاعر اور شاعری کی کم ہی تعریف کرتے ہیں لیکن میر انیس کی عظمت کے یہ حضرات بھی قائل نظر آتے ہیں، مولوی فیض الحسن، مفتی میر محمد عباس، مولوی غلام حسین کنتوری، مولوی حامد حسین موسوی (صاحبِ عبقات)، مولوی ناصر الملت سید ناصر حسین، مولوی نجم الملت سید نجم الحسن، مولانا سبطِ حسن، مولانا ابو الکلام آزاد، مولوی خیرات احمد، مولانا کلب حسین، مولانا علی نقی، ہاشم میاں فرنگی محلی، مولانا ابن حسن نونہروی، مولانا سید ظفر حسن امروہوی، مولانا ابن حسن جارچوی، علامہ رشید ترابی، مولانا سید محمد دہلوی، مولانا رضی الدین، مولانا آغا مہدی، مولانا محمد مصطفےٰ جوہر، مولانا محسن نواب رضوی، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، مولانا ضیاء القادری وغیرہ سب اعتراف کرتے ہیں کہ میر انیس شاعرِ اعظم ہیں۔

ماہرِ تعلیم حضرات مثلاً خواجہ غلام السیدین، سر راس مسعود، جی الانہ، ڈاکٹر محمود حسین،

(وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی)، ڈاکٹر صفدر حسین، ڈاکٹر منظر کاظمی، پروفیسر کرار حسین، امرناتھ جھا، ڈاکٹر سید ذوالفقار حسین، سب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ درسیات میں میر انیسؔ کا کلام طلبا میں اخلاقی قدروں کو بڑھاتا ہے۔

میر انیسؔ کی حیات، حالاتِ زندگی اور کلام پر تحقیقی کام کرنے والوں میں امجد علی اشہری، احسن لکھنوی، امیر احمد علوی، شادؔ عظیم آبادی، منور علی علوی، ناظر کاکوروی، شجاعت سندیلوی، آغا محمد باقر، سفارش حسین رضوی، محمد حسین احسان، ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، نادمؔ ستیاپوری، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر فضل امام اور راقم الحروف (سید ضمیر اختر نقوی) کے نام شامل ہیں۔

ہندو ادیبوں اور شاعروں نے جس قدر میر انیسؔ کو نظرِ استحسان سے دیکھا ہے میں سمجھتا ہوں اُردو کے کسی شاعر کو یہ بات نہیں نصیب ہوئی، نوبت رائے نظرؔ، مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، سرسپرو، سروجنی نائیڈو، پنڈت سندر نرائن، چکبستؔ، رام بابو سکسینہ، لالہ سری رام، راجندر ناتھ شیداؔ، راج بہادر گوڑ، گوپی ناتھ امنؔ، ڈاکٹر گیان چند جین، وغیرہ نے میر انیسؔ پر بہترین مضامین لکھے ہیں۔

عہدِ حاضر کے ناول نگاروں میں دو ممتاز نام سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین دونوں کے ناولوں، ناولٹ اور افسانوں میں میر انیسؔ کا جا بجا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ قدیم ناول نگاروں میں مرزا رسوا نے بھی اپنی ناولوں میں میر انیسؔ کا ذکر کیا ہے عصمت چغتائی نے ایک ضخیم ناول "ایک قطرۂ خوں" میر انیسؔ کے مرثیوں کو مرکزی خیال بنا کر لکھ دیا اسی طرح صالحہ عابد حسین نے ناول "سہاگن" لکھا ہے جس میں کلام انیسؔ اُن کا مرکزی خیال ہے۔

اب کسی عام چھوٹے موٹے ادیب یا ناقد سے یہ تقاضہ کہ آپ نے میر انیسؔ پر کوئی مضمون، مقالہ یا کتاب کیوں نہیں لکھی؟ یہ کہنا عبث ہے اور عام ناقدین کو میر انیسؔ کی شاعری پر مضمون لکھنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے، میر انیسؔ خود لکھتے ہیں:۔

تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف

کب اہلِ سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

میر انیسؔ صدی ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء کے درمیان معروف رسائل و جرائد نے خصوصی نمبر

شائع کئے اور ان تمام اداروں کے ساتھ راقم الحروف کا تعاون شامل رہا، جناب فضلِ قدیر نے "ماہِ نو" کا ضخیم اور بہترین انیسؔ نمبر شائع کیا، مشفق خواجہ صاحب نے سہ ماہی "اُردو" کا انیسؔ نمبر انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شائع کیا، نسیم درّانی صاحب نے "سیپ"، کا ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے "نگار" کا شان الحق حقی صاحب نے سہ ماہی "اُردو نامہ" کا، صادق عرفانی صاحب نے "شیعہ لاہور" کا کوثر پانی پتی۔ نے "پیامِ عمل" کا، ابراہیم جلیس نے "عوامی عدالت" کا انیسؔ نمبر شائع کیا۔ اِن خصوصی اشاعتوں میں میر انیسؔ پر نئے نئے مضامین کا اضافہ ہوا اور مطالعۂ انیسؔ کے امکانات خوب سے خوب تر ہو گئے۔ ہندوستان و پاکستان کی یونیورسٹیوں نے بھی خصوصی مجلّے میر انیسؔ پر شائع کئے پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو نے "خیابانِ انیسؔ" شائع کیا، "آج کل" دہلی، سرفراز لکھنؤ، غالب کلب پٹنہ، دبستان انیسؔ راولپنڈی، شیعہ کالج بھوپال، انیسؔ اکیڈمی حیدر آباد دکن نے بھی خصوصی انیسؔ نمبر شائع کئے۔ نقوش لاہور کوئی معیاری انیسؔ نمبر نہ شائع کر سکا۔

مشہور و معروف روزناموں نے اپنے ادبی صفحوں کے انیسؔ خصوصی ایڈیشن شائع کئے جن میں رنگین تصاویر اور رنگین حاشیوں سے دیدہ زیبی بڑھ گئی تھی شفیع عقیل صاحب مسلسل چھ برس تک روزنامہ "جنگ" کا انیسؔ ایڈیشن ۱۰ دسمبر کو شائع کرتے رہے، شفیع عقیل صاحب کا کہنا ہے کہ میں بچپن سے انیسؔ کا کلام پڑھ رہا ہوں اور میر انیسؔ میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔

روزنامہ "ڈان"، کراچی (انگریزی)، روزنامہ "سن"، کراچی (انگریزی) روزنامہ مارننگ نیوز کراچی (انگریزی)، روزنامہ ڈیلی نیوز کراچی (انگریزی)، اُردو روزناموں میں مساوات (ایڈیٹر شوکت صدیقی)، نوائے وقت، مشرق، حریت نے خصوصی میر انیسؔ ایڈیشن شائع کئے، اِن خصوصی اشاعتوں میں عبدالرؤف عروجؔ، قمر نقوی مرحوم، حیدر امام صاحب کی خدمات قابلِ قدر ہیں، لکھنؤ کے "قومی آواز"، نے بھی بہت اچھا خصوصی انیسؔ ایڈیشن شائع کیا۔ روزنامۂ جنگ کے ایک ایڈیشن میں مشفقؔ خواجہ صاحب نے میر خلیقؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ بھی شائع کر دیا۔

میر انیسؔ کے فکر و فن پر ریڈیو پاکستان کی کارکردگی ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے،

سید ذوالفقار علی بخاری عاشقِ میر انیس تھے وہ میر انیس کا کلام پڑھ کر مجمع کو مسحور کر دیتے تھے۔ ریڈیو پر وہ خود میر انیس کا کلام پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے تھے کہ وہ کلام انیس تحت خوانی میں پیش کریں انھیں کی خواہش کے احترام میں ہر سال میں دو تین پروگرام میں میر انیس کے مرثیے پڑھتا تھا اُن کی وفات کے بعد پھر میں ریڈیو پاکستان کبھی نہیں گیا۔ البتہ ٹیلی ویژن میر انیس کے سلسلے میں ہمیشہ تعصبات کا شکار رہا، چند چھوٹے چھوٹے پروگرام اکثر میر انیس پر ہوئے لیکن وہ معیاری پروگرام نہیں کہے جا سکتے۔

میر انیس کے ضمن نظم کے ادراک کے لئے عمیق نگاہوں اور علمی، ادبی، مذہبی و لغوی معلومات کی بھی ضرورت ہے، اُردو ادب میں میر انیس کا مرتبہ و مقام متعین ہو چکا ہے۔ اُن کے مرتبے کو گھٹا کر اُن پر کوئی سطحی مقالہ لکھنے والا تنگ نظری کے ساتھ جو کچھ کہے گا وہ اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کرے گا۔ شبلی اور حالی نے کھل کر کہا ہے کہ اُردو زبان کو عالمی زبانوں کے سامنے رکھنا ہے تو میر انیس کا کلام پیش کرنا ناگزیر ہوگا۔ اس منزل پر میر، غالب اور اقبال بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آج عالمی زبانوں کی سطح پر جو اُردو پہنچی ہے وہ صرف میر انیس کی وجہ سے، عالمی سطح پر کولمبیا یونیورسٹی، ورجینیا یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی میں بھی میر انیس پر ادبی تحقیقی سطح پر کام ہوا ہے۔ عالمی سطح پر خصوصاً انگلستان (یورپ) میں میر انیس کی عظمت کی تحقیقی شناخت کا مسئلہ نہ صرف اُن کے دور میں بلکہ اُن کے بعد آنے والے ادوار میں بھی آب و تاب کے ساتھ قائم رہا۔ اُن کی حیات کے چند دنوں کے بعد سے اب تک اُن کی شاعری کی مدح سرائی ہو رہی ہے۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء کو میر انیس کا انتقال ہوا اور ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء کے اخبارات اُسی مہینے میں فرانس پہنچ گئے۔ گارساں دتاسی فرانسیسی دانشور اُنھیں اخبار کے تراشوں سے اپنا مقالا تیار کرتا ہے اور اپنے طلبار کو کلاس روم میں پڑھ کر سُناتا ہے۔

گارساں دتاسی (Garcin De Tassy) ۱۷۹۴ء کو جنوبی فرانس کی مشہور بندرگاہ "مرسی ایلیا" میں پیدا ہوا تھا۔ ۲۰ سال کی عمر تک اس نے عربی، فارسی اور ترکی کی تعلیم حاصل کی، انگلستان جاکر اُردو سیکھی ۱۸۲۸ء میں وہ اُردو کا پروفیسر ہو گیا۔ پیرس یونیورسٹی فرانس میں اُس نے اتنی شہرت حاصل کی کہ یورپ کے اور ممالک اور خصوصاً انگلستان سے

طلباء آتے اور اس کی شاگردی میں اُردو کی تعلیم حاصل کرتے، چوراسی سال کی عمر میں بھی وہ پابندی سے اپنا تدریسی کام انجام دیا کرتا تھا۔ ۱۸۲۱ء میں ایک عربی کتاب کا ترجمہ کرنے کے صلے میں فرانس کے بادشاہ نے اسے اعزاز سے نوازا، روس، جرمنی، آسٹریلیا، اٹلی، سویڈن کی علمی اکاڈمیوں اور امریکن اور بنگال سوسائٹی نے اُسے اپنا اعزازی رکن بنایا پرتگال اور سویڈن کی حکومتوں نے اُسے اعزازی تمغے دئیے، انگریزوں نے بھی سی ایس آئی (ستارۂ ہند کا کمانڈر) کا خطاب دیا، گارساں دتاسی کی کتاب "تاریخ ادبیات ہند" تیار ہوئی تو اس کی پہلی جلد فرانسیسی زبان میں ملکہ وکٹوریہ نے اپنے نام سے معنون کر کے چھپوائی' گارساں دتاسی نے یونیورسٹی کے درسی خطبات میں متعدد مقامات پر میر انیس کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے اور وہ یورپ کے طلبا کو تلقین کرتا ہے کہ وہ خصوصی طور پر میر انیس کی شاعری کا مطالعہ کریں۔ گارساں دتاسی میر انیس کا ہم عصر ہے اور تقریباً ہم عمر بھی۔ فرانس میں بیٹھ کر وہ میر انیس کی وفات کے چند دنوں کے بعد میر انیس کی شاعرانہ عظمت تحریر کرتا ہے اس لئے اس کی رائے بہت اہمیت کی حامل ہے،" مقالاتِ گارساں دتاسی" کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے، گارساں دتاسی اپنے مقالے" ہندوستانی زبان و ادب ۱۸۷۴ء میں' مولانا محمد حسین آزاد کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

> " محمد حسین آزاد دو باتوں کے خواہش مند ہیں ایک تو یہ کہ اُردو مروجہ تشبیہات واستعارات سے پاک ہو جائے اور انگریزی اسلوب اختیار کرلے۔ دوسری بات یہ کہ شعرائے اُردو عشقیہ مضامین باندھنا چھوڑ دیں اور زبان محض مناظرِ قدرت اور مضامینِ حقیقت ادا کرے"

گارساں دتاسی۔ محمد حسین آزاد کی دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

> " میرا جواب یہ ہے کہ اُردو شاعری محض حُسن وعشق پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہر قسم اور ہر نوع کے مضامین بڑے خاص اور دلکش انداز سے ادا کئے گئے ہیں مثال کے طور پر میر انیس اور مرزا دبیر کی شاعری کو لیجئے ان کے کلام میں فصاحت، خیالاتِ عالیہ، حرکت وحیات، احساس وتاثر، تشبیہ واستعارات

کا تحمل، مختصر یہ کہ شاعری کے جملہ محاسن ہیں یا نہیں؟ کیا ان کے کلام میں
ان نامناسب مضامین کی ذرا بھی جھلک ہے جن کے مولانا محمد حسین صاحب
شاکی ہیں؟ اگر وہ ان دو شعراء کے کلام کو حاصل کر کے غور سے پڑھیں تو معلوم
ہوگا کہ یہ شاعری ان تمام نقائص سے بری ہے جن کے وہ شاکی ہیں اور
اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کی اُنہیں خواہش ہے اگر مولوی
صاحب کو شاعری کا ذرا بھی شوق ہے تو وہ سرکاری اداروں (یونیورسٹی اور
کالجوں میں) ان دونوں شاعروں (میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ) کے کلام کی تدریس
کا مشورہ دیں"۔

("مقالات گارساں دتاسی" جلد دوم صفحہ ۲)

مولانا محمد حسین آزادؔ نے یہ تقریر" انجمن پنجاب لاہور" کے جلسے میں کی تھی ۱۸۷۴ء میں
میر انیسؔ کا انتقال ہوا اور اسی سال انجمن پنجاب لاہور قائم ہوئی۔ میر انیسؔ کے انقلابی
اثرات کی وجہ سے آزادؔ اور حالیؔ نے یہاں کے مشاعروں میں مناظرِ فطرت کی شاعری پر زور
دیا۔ جدید شاعری کا آغاز میر انیسؔ کی وفات سے چند مہینے پہلے ہوا اور ہزاروں میل دُور بیٹھ
کر ایک فرانسیسی مستشرق، مولانا آزادؔ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ میر انیسؔ کا کلام غور سے پڑھیں
انجمن پنجاب کے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں وہ تمام خصوصیات میر انیسؔ کے کلام میں موجود ہیں ان
باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیسؔ کے اثرات کتنے گہرے تھے کہ آزادؔ، شبلیؔ، حالیؔ، سرورؔ،
چکبستؔ اور اقبالؔ سبھی نے میر انیسؔ کے کلام کا عرفان حاصل کیا اور اُن کے مرثیوں سے
خوب خوب خوشہ چینی کی۔

شبلیؔ و حالیؔ و آزادؔ کی منزل ہیں انیسؔ
جستجو نام ہے اُردو کا تو حاصل ہیں انیسؔ

۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء بروز جمعرات میر انیسؔ کی وفات ہوئی تقریباً ایک مہینے کے بعد جنوری ۱۸۷۵ء
کے خطبے میں میر انیسؔ کی وفات کے موقع پہ گارساں دتاسی لکھتا ہے:۔
" شاعرِ بے ہمتا میر ببر علی انیسؔ تقریباً اسّی سال کی عمر میں

دسمبر ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ میں اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے، میں نے اپنے ۱۸۷۳ء کے مقالے میں ان کا ذکر کیا تھا۔ ان کے دو بھائی انس اور مونس بھی شاعر ہیں۔

مثنوی سحر البیان کے نامور مصنف میر حسن کے وہ پوتے تھے، ہمعصر ہندوستانی انیس کو اُردو زبان کا اگلوں پچھلوں میں سب سے ممتاز شاعر مانتے ہیں۔ پنجابی (اخبار) اُن کے انتقال پر لکھتا ہے:۔

"افسوس کہ آسمانِ کمالات کا سُورج ڈوب گیا، کیونکہ سلطنت فصاحت کا شہنشاہ آج ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا سحبانِ عصر، طوطیِ ہندوستان، استاد بلاغت نشان میر ببر علی انیس جو لکھنؤ کے مایۂ نازش اور ہندوستان کے لئے باعثِ فخر تھے آٹھ روز کی علالت کے بعد گزشتہ جمعرات (۱۰ دسمبر) کو ہم سے بچھڑ گئے اور باغِ رضوان کی طرف پرواز کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس اہلِ قلم کے سے باکمال لوگ کہاں ملتے ہیں؟ افسوس، افسوس اس اندوہناک حادثے سے باشندگانِ لکھنؤ کو ایسا صدمہ پہنچا ہے کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ملتے جدھر دیکھو چہروں پر افسردگی طاری تھی۔"

پنجابی (اخبار) کے ۲۶ جنوری اور ۲ فروری ۱۸۷۵ء کے پرچوں میں اس سانحے پر کئی نوحے (تعزیتی نظمیں) اور سولہ تاریخی بیتیں (قطعاتِ تاریخ) شائع ہوئی ہیں۔

اخبار "مرقع تہذیب" (۱۵ جنوری ۱۹۷۵ء) بھی اس واقعۂ جاں کاہ کے متعلق لکھتا ہے۔ "لکھنؤ میں دو شاعر رہتے تھے، ایک چل بسا، دوسرا ابھی بقیدِ حیات ہے، سارے اہلِ ہند، خاص کر باشندگانِ لکھنؤ مرزا دبیر کو آفتاب اور انیس کو مہتاب سمجھتے تھے۔ افسوس کہ اب یہ چاند ڈوب گیا ہے پھر کبھی نہ جگمگائے گا۔ اگرچہ مرزا دبیر، میر انیس کے ہم عصر اور حریف تھے اور

ابھی زندہ بھی ہیں لیکن ماہتاب کے غروب ہونے سے ابرہائے تاریک کا ایسا ہجوم ہوا ہے کہ یہ آفتاب بھی اُن میں ڈھک کر رہ گیا ہے۔

انیسؔ و دبیرؔ کو مرثیے کے میدان میں وہی رُتبہ حاصل ہے جو آتشؔ و ناسخؔ کو غزل کی صف میں۔ اگرچہ اوّل الذکر کا انداز و اسلوب جدا جدا تھا۔ آخر الذکر دو کا بھی وہی حال ہے۔ آتشؔ کی منظر آرائی میں محاورات کی صحت و باقاعدگی کے باعث روح وجد کرنے لگتی ہے اور خیالات کی گہرائی کے اعتبار سے بے مثل ہیں، ناسخؔ کی زبان پُر تکلف اور غیر مانوس تھی لیکن اُن کے تخیل کی بلندی اور خوش گواری بھلائی نہیں جا سکتی۔

میر انیسؔ نے مرثیے میں آتشؔ کا اور دبیرؔ نے عالمانہ و فلسفیانہ راستہ اختیار کیا اگر آتشؔ و ناسخؔ نے وجود الٰہی اور توحید کے معتقدات کی تائید میں اپنے مفروضہ محبوب کے کاکلِ سیاہ کی ستائش کی ہے تو انیسؔ و دبیرؔ نے اس پیاسے مسافر امام حسینؑ کے حالات بیان کئے ہیں جب آپ کربلا کے ہولناک اور بدبخت میدان میں تشریف فرما ہوئے۔ ان شاعروں نے ان تفصیلات کے اختصار کی کوئی کوشش نہیں کی جب دوستوں سے بچھڑ کر آپ کربلا آئے تو رات کو کیا عجائبات پیش آئے اور ان کو کس طرح جائے سجدہ پر نماز گذاری کی حالت میں آپ کا سر تن سے جدا کیا گیا اور آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے رشتہ داروں اور دوستوں کا قتلِ عام عمل میں آیا۔ اس یادگار اور دل خراش دن کے واقعات ایسے ہیں کہ پتھر پر پیش آئیں تو وہ موم کی طرح پگھل جائے انھیں واقعات کا منظر ان دونوں شاعروں نے اس قدر کمال سے کھینچا ہے گویا کہ کوئی فوٹو گرافر ہو جو اُن کی تصویر کھینچے، چونکہ فطرت نے ہر انسانی کردار میں ایک خصوصی ذوق ودیعت کر رکھا ہے، اس لئے اگر کوئی اہلِ قلم کسی ایسی چیز سے دوچار ہوتا ہے جو اُسے پسند ہو تو وہ اس کا کامیاب تذکرہ کرتا ہے۔ انیسؔ کی شاعری اُسی اساس پر قائم ہے۔ اہلِ ذوقہ

ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کی نظموں کو "انیسیہ" کا نام دیتے ہیں جس طرح دبیر کے مداح اپنے ممدوح کے کلام کو "دبیریہ" سے مخاطب کرتے ہیں۔"

(مقالاتِ گارساں دتاسی صفحہ ۲۴۳ تا صفحہ ۲۴۵)

گارساں دتاسی مرزا دبیر کے انتقال کی تفصیلات بھی بیان کرتا ہے، وہ لکھتا ہے:-

"انیس کے انتقال کے وقت دبیر زندہ تھے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا لیکن کچھ عرصے بعد وہ بھی رحلت فرما گئے" (صفحہ ۲۴۶)

میر انیس اور مرزا دبیر کی باہم اُلفتوں کا ذکر کرتے ہوئے گارساں دتاسی لکھتا ہے:-

"مرزا دبیر کو میر انیس کے بعد دنیا کا رہنا پسند نہ آیا اور اسی غم میں گھل گھل کر ختم ہو گئے" (صفحہ ۲۴۷)

گارساں دتاسی دونوں شاعروں کا مرتبہ اُردو ادب میں متعین کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"جب اُن کے مرثیے پڑھے جاتے ہیں تو کون ایسا سنگ دل ہے جو اُن کو سُن کر آنسو نہ بہائے۔ اگر عربوں نے فصاحت میں امراؤ القیس کو خدائے سخن اور متنبّی کو پیغمبرِ سخن مانا تو ہندوستان میں دبیر اور انیس کو اُن سے بیٹا کیوں سمجھا جائے؟ اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہی ہوگی" (صفحہ ۲۹۱)

۱۸۷۷ء کے خطبے میں گارساں دتاسی اپنے طلبا کو بتاتا ہے کہ دونوں شاعروں کے مرثیے لکھنؤ میں شائع ہو گئے ہیں:-

"ہندوستان کے دیسی اخباروں (اودھ اخبار ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ء) نے اعلان کیا ہے کہ مرزا دبیر کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں لکھنؤ سے شائع ہوا ہے، اسی طرح میر انیس کے مرثیے بھی شائع ہونے کی اطلاع چھپی ہے۔"

(صفحہ ۳۵۸)

یورپ کے مستشرقین کی انگریزی کتابوں میں میر انیس کا نام عزت و تکریم سے درج ملتا ہے، سَتّو سال کے عرصے میں یورپ میں جتنا میر انیس کا کلام پڑھا اور سُنا گیا ہے یہ بات کسی اُردو

شاعر کو نصیب نہیں ہوئی ہے اگر کسی یورپین ادیب کو میر انیس کے چند اشعار بھی یاد ہیں تو وہ اپنے حافظے پر فخر کرتا ہے ،۔

یورپ کے مشہور ادیب گراہم بیلی (Graham Bailey.) نے آکسفورڈ پریس کی "ہیریٹیج آف انڈیا سیریز" کے لئے ۱۹۲۹ء میں انگریزی زبان میں "دی ہسٹری آف اُردو لٹریچر (Ahistory Of Urdu Literature,) لکھی تھی، میر انیسؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے گراہم بیلی رقم طراز ہے :۔

"انیسؔ کی شاعری اپنے فطری پن کی وجہ سے دبیرؔ کے کلام سے اعلیٰ ہے، آج کا تنقیدی شعور انیسؔ، غالبؔ اور میرؔ کو اُردو کا عظیم ترین شاعر شمار کرتا ہے۔ شاعری انیسؔ کو ورثہ میں ملی تھی۔ اُن کے پردادا ضاحکؔ، دادا میر حسنؔ اور باپ خلیقؔ سب ہی شاعر تھے۔ اسی طرح انیسؔ کے صاحبزادے نفیسؔ بھائی مونسؔ اور پوتے جلیسؔ اور پرپوتے عارفؔ نے بھی اس ورثہ میں حصہ پایا تھا لیکن انیسؔ ان سب میں عظیم ترین ہیں۔ ان کے پردادا دوسرے درجہ پر اور بھائی مونسؔ تیسرے درجہ پر ہیں۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں بے شمار الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لیکن ان کا اسلوب آسان، عام فہم اور رواں ہے۔ ان کا خاندان بامحاورہ اور خالص زبان کے استعمال کے لئے مشہور ہے۔ انیسؔ کو زبردست قدرتِ بیان حاصل تھی۔ ان کی قادر البیانی اس وقت پورے جوش پر ہوتی ہے جب وہ انسانی جذبات مثلاً غم اور شجاعت کا بیان کرتے ہیں یا مناظرِ فطرت کا مرقع اور جنگ کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ وہ جن چیزوں کا بیان کرتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان کے عینی شاہد ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ان کیفیات کو اپنے ممدوحین کے الفاظ میں بیان کر رہے ہوں۔ ان کے مرثیوں کے چار دیوان شائع ہو چکے ہیں جو پچاس ہزار ابیات کے ستّر مرثیوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے کلام کے اسلوب کا اندازہ واقعاتِ کربلا

سے کیا جا سکتا ہے جو پانچ ہزار سے چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔ اور
جس میں اُن کے مرثیوں کے ٹکڑوں کو اس طرح یکجا کر دیا گیا ہے جس سے
واقعاتِ کربلا کی پوری داستان ہمارے سامنے آجاتی ہے"۔

(ہسٹری آف اُردو لٹریچر صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲)

عہدِ حاضر میں امریکہ کے دانشوروں میں میرانیسؔ کے مطالعہ کا ذوق وشوق بڑھا ہے۔ امریکی اسکالر اور افسانہ نگار رچرڈ کیورین جس نے جارج ٹاؤن یونیورسٹی واشنگٹن امریکہ سے انتھروپالوجی میں "اُردو ثقافت اور تہذیب" کے موضوع پر ۲۸ سال کی عمر میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے وہ بھی میرانیسؔ کا مدّاح ہے۔ رچرڈ کیورین کی خواہش ہے کہ جنوبی ایشیا کے لوگ بھی اپنے لئے کوئی فلسفہ مرتب کریں اور مسلمانوں کی فکر بھی پروموٹ ہونی چاہیئے۔ رچرڈ کیورین نے ۱۹۷۲ء میں کراچی اور لاہور میں قیام کے دوران اُردو زبان سیکھی، اس کا کہنا ہے کہ انسان سے انسان کا رشتہ ثقافتی پہچان کے ذریعے ہی مضبوط ہو سکتا ہے۔ رچرڈ کا خیال ہے کہ جو لوگ آرٹ اور کلچر کی فیلڈ میں ہیں وہ بیوروکریسی سے نالاں رہتے ہیں، بیوروکریسی انتھروپالوجی کی دشمن ہے حالانکہ انتھروپالوجی عالمی سطح پر انسان اور اس کے رہن سہن کی اہمیت کو واضح کرتی ہے، رچرڈ کو فرانسیسی، ہسپانوی، اُردو، پنجابی، سنسکرت، ہندی اور انگریزی زبانیں آتی ہیں، اُس نے متعدد اُردو کی کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ اُس نے اُردو میں بہت سے افسانے بھی لکھے ہیں، اُردو شعراء میں رچرڈ نے سودا اور علامہ اقبال کے علاوہ میرانیسؔ کے مرثیوں کا بطورِ خاص مطالعہ کیا ہے۔ رچرڈ کا کہنا ہے کہ امریکہ میں آج کل جو ادب مقبول ہے اس میں دو چیزیں ہیں۔ ناول بیچنے کے لئے اور اُسے مقبول بنانے کے لئے زیادہ تر رجحان جنس اور جاسوسی کی طرف ہے یا پھر تشدد اور تعیّش ہے۔ زیادہ تر خودغرضی کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ لیکن سنجیدہ ادب بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے، رچرڈ کو میرانیسؔ کے مرثیوں سے اسی لئے محبت ہے کہ وہ سنجیدہ ادب بنیادی انسانی رشتوں کی پہچان اور تجزیہ کو کہتا ہے، اس کے خیال میں ہر چیز سمبل ہے، زبان، لفظ، کائنات، انسان میرانیسؔ کی

شاعری میں بھی زبان، لفظ، کائنات، انسان وغیرہ کے سمبل موجود ہیں، میرانیس جنوبی ایشیا کی سب سے خوبصورت تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔

انگلستان میں آج بھی میرانیس کی شاعری بہت مقبول ہے ڈاکٹر پروفیسر ڈیوڈ میتھوز

(David Matthews, جو اسکول آف اورنٹیل افریکن اسٹڈیز

School Of Oriental And African Studies.

لندن یونیورسٹی میں اُردو کے اُستاد ہیں۔ اُنہوں نے سنہ ۱۹۹۴ء میں میرانیس کے شاہکار مرثیے

"جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے"

کا انگریزی منظوم ترجمہ کیا اور مع وقیع مقدمہ کے ساتھ

The Battle Of Karbala A Marsiya Of Anis,

کے نام سے کتاب شائع ہوئی۔

ڈیوڈ میتھوز نے میرانیس کے اُن ناقدین پر کڑی تنقید کی ہے جو مغرب کے زیرِ اثر میرانیس کی خوبصورت منظر نگاری پر اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ کربلا میں پھول اور پھولوں پر شبنم کے قطرے کہاں سے آگئے۔ ڈیوڈ میتھوز کا خیال ہے کہ انگریزی میں اس طرح کی شاعری کا وجود ہی نہیں اور یورپین دانشور ابھی اُردو شاعری کی باریکیوں کو سمجھ نہیں سکے اس لئے یورپ کے ناقدین سے متاثر ہو کر میرانیس کی شاعری کو سمجھنے کی کوشش ناقابلِ اعتبار ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"مرثیہ کا سب سے غور طلب عنصر جو ایک مغربی قاری کو متاثر کرتا ہے وہ ہے اس میں موجود حقیقت کا فقدان اور غیر فطری تضاد، انیس وہ صحرا جہاں اُن کے ممدوح پیاس اور گرمی میں مبتلا تھے اس کو سبزہ زار لکھنے میں کوئی دشواری نہیں محسوس کرتے، اور سبزہ زار بھی ایسا کہ جہاں گھنے اور سایہ دار درخت لگے ہوں، جہاں بُلبلیں نغمہ سرا ہیں اور پھولوں پر شبنم نظر آرہی ہے، کچھ جدید اُردو ناقدین جو اپنے ادب کی اُن خامیوں کا مغرب سے مقابلہ کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے مشرقی ذوقِ غلو پر افسوس کا اظہار

کرتے ہوئے اپنے یورپی معلمین کی تنقید سے متاثر ہو کر اپنے ادب پر تنقیدی رائے ہی قائم کی ہے، یورپی ناقدین کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اب تک اُردو زبان کی خوبصورتی اور ہمہ گیری سے تعارف نہیں حاصل کر سکے، یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیئے کہ ان باتوں نے انیسؔ کے سامعین کو مایوس کرنے کے بجائے ان کے حظ و فرحت میں اضافہ کیا ہے اور یہی غیر فطری تخیل و غیر حقیقی تضاد آج کسی بھی شاعر کے فن کی بلند پائیگی کا معیار بن گئی ہے اور بغیر کسی شک و شبہ کے یہ بحث بھی کی جا سکتی ہے کہ حسینؑ جیسی عظیم و روحانی شخصیت کی موجودگی نے کربلا کے ریگستان کو خوبصورت باغِ جنت میں تبدیل کر دیا تھا۔“

بہرحال میر انیسؔ کی شاعری پر مغربی مفکرین کے افکار کو سراہتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عالمی سطح پر میر انیسؔ کی مقبولیت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ میر انیسؔ کی شاعری لامحدود امکانات سے معمور ہے۔ ”میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال“ میں تازہ مطالعہ کے دوران شدت سے یہ احساس ہوا کہ میر انیسؔ کی اقلیم سخن نے مہر کے پرتو کو اپنی قلمرو میں سمیٹ لیا ہے۔ سورج سارے رنگ کے جلوے لئے میر انیسؔ کی زمینِ شاعری پر اُتر آیا ہے۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں طلوعِ آفتاب کے مناظر جاہ و جلال کے ساتھ موجود ہیں لیکن غروبِ آفتاب کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ یہ عاشور کی صبح کا آفتاب ہے:۔

طالع جو ہوا مہر جہاں تاب افق سے
گُل رنگ ہوا روئے فلک رنگِ شفق سے

دوسری محرّم کو جب امام حسینؑ کربلا کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو کربلا کا سورج امام حسینؑ کے حُسن میں محو ہو کر رہ جاتا ہے:۔

سر جُھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حُسنِ حسینِ حسیں ہوا

میر انیس کا احساسِ جمال نہایت قوی تھا، سورج ہی نہیں خود میر انیس حُسنِ حسینؑ سے بیخود ہو گئے تھے اور صرف انیس ہی نہیں دُنیا کی نگاہیں حسینی سیرت کے حُسن سے آج تک چکا چوند ہیں۔ وقتِ عصر جب غروبِ آفتاب کا وقت آیا تو آفتاب کا نام و نشان نہیں تھا

آندھی اُٹھی کہ سارا جہاں ہو گیا سیاہ

دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں

چلائے ملائک کہ قیامت ہوئی برپا — گھبرا کے درختوں سے اڑے طائرِ صحرا
آندھی ہوئی اک غرب کی جانب سے ہویدا — تھرّانے لگے کوہ اُبلنے لگے دریا!
تیرہ ہوا دن اڑنے لگی خاک جہاں میں
غل ہائے حسینا کا اُٹھا کون و مکاں میں

ایسی سیاہی میں بھی میر انیس نے آفتاب کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ہے لیکن یہ زھرؑا کا آفتاب ہے، حسینؑ کا سر نیزے پر بلند کیا گیا ہے :-

دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر

میر انیس کے اشعار لحہ لحہ بدلتے رنگوں، روشنیوں اور سایوں کے انوکھے مناظر کی تخلیق کرتے ہیں میر انیس کا ایک بند ہے جس میں ۲۹ رنگ ہیں۔

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در — سنگ و معادن و صدف و قطرۂ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر — رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک میں انس میں غلمان و حور ہیں
کہہ دیں یہ سب کہ ابنِ علیؑ بے قصور ہیں!

میر انیس کو جتنی بار پڑھیئے وہ ایک نئی شان سے ہمارے سامنے آتے ہیں، اور اسی ھر آن نئی شان کی وجہ سے وہ ہر صدی کے عظیم شاعر قرار پاتے ہیں۔

"ٹالسٹائے کے نزدیک فن کا اصل مدعا یہ ہے کہ فن کار کو جو تجربہ یا مشاہدہ ہوا ہے اُسے اپنے اندر اجاگر کرے، پھر لفظوں، آوازوں، لکیروں اور رنگوں کے ذریعے ناظر و سامع تک اس طرح پہنچا دے کہ جو کیفیت یہ تجربہ حاصل کرنے پر فن کار کے دل پر گزری تھی دیکھنے یا سُننے والے پر بھی بالکل وہی گزر جائے"۔

ٹالسٹائے کے نظریہ کی روشنی میں یہ بات میر انیس پر صادق آتی ہے، صبح عاشورہ کی سرسبزی، پھول اور پتے، پھولوں پر شبنم کے قطرے، چمن، باغ، گلزار اور بہار کا بیان میر انیس اس لئے کرتے ہیں تاکہ جب عصر کے وقت کربلا میں چمن رسُول تاراج ہوگا بہار کی جگہ خزاں کا سایہ ہوگا اس وقت کے مناظر میں رقّت اور سوز و گداز میں اضافہ ہو جائے گا

روزِ عاشور لُٹا دشت میں سرسبز چمن
خاک میں مل گئے کیا کیا گُلِ رعنائے حسینؑ

زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھُول بکھرے ہیں
شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

سبز تھی سُرخ ہوئی ہاتھ میں نوشہ کے انیس
خوش ہوئی ایسی کہ پھولے نہ سمائی مہندی

"سارتر نے لفظ کی بالادستی پر کئی جگہ زور دیا ہے اس کے نزدیک الفاظ میں زندگی برقی رو کی طرح دوڑ رہی ہے، شاعری میں الفاظ اشیا بن جاتے ہیں اور تخلیق میں اس انداز سے جوڑے جاتے ہیں جس طرح مصوّر رنگوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے"۔

میر انیس نے "بہار اور خزاں" کے رنگوں سے جو تصویریں بنائی ہیں اُن میں لفظوں کی جادوگری کے علاوہ رنگوں کی آمیزش نے حُسن دوبالا کر دیا ہے:۔

زمیں دار سیراب ہیں کربلا کے　　اذیت امامِ زماں کھینچتے ہیں

ادھر خشک ہے فاطمہؑ کی زراعت	وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھینچتے ہیں
ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل	وہ گُل اب جفائے خزاں کھینچتے ہیں

بقول شہید صفی پوری :۔

"انیسؔ کے قلم کی سحر کاری کا راز یہ بھی ہے کہ شاعر کا قلم ان کے ارادہ کے ساتھ ہی مصور کا موقلم بن جاتا ہے اور الفاظ ایسے تعجب خیز خطوط کھینچ کر اُن میں رنگ آمیزی شروع کر دیتے ہیں کہ جس کے آگے مصور کے مرقع کے رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔" (انیسؔ کی شاعری ص۸۷)

میر انیسؔ مجرد تصورات کو متشکل تصویر بنا کر دکھا دیتے ہیں شجاعت مجرّد ہے، لیکن میر انیسؔ کے قلم سے یہاں رنگین تصویر بن گئی ہے :۔

"حضرت عباسؑ"

ڈورے جو سُرخ سُرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اُردو شاعری میں رنگوں کا استعمال

اُردو شاعری میں رنگوں کا استعمال قلی قطب شاہ کے عہد سے پایا جاتا ہے، قلی قطب شاہ کو فنِ مصوری سے بھی لگاؤ تھا اُن کے عہد میں مصوری کے دکنی دبستان نے بڑی ترقی کی تھی۔ پرسی براؤن (Percy Brown,) نے اپنی کتاب "انڈین پینٹنگ" (Indian Painting,) میں لکھا ہے کہ "دکنی مصوروں نے سبز رنگ سے مختلف کام لئے ہیں اور اس کی مدد سے اپنی تصویروں کو نئے تاثر (Effect,) سے روشناس کیا ہے۔" دہلی قلم" میں سبز رنگ اس طرح استعمال نہیں کیا گیا جس طرح کہ دکن کے مصوروں نے کیا ہے۔"[1]

قلی قطب شاہ کے جمالیاتی ذوق کا عکس اُن کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے، اُن کی شاعری میں بے شمار رنگ ہیں،

یاقوت اور نیلم سے سُرخ اور نیلا رنگ :-

" نکلے ہیں ایک کھان تھے یاقوت و نیلم بے نظیر "

سبز رنگ :-

" کیا ہے حُسن سبزہ سبز سے بن کے رو کھا کوں"

گلابی اور لال رنگ :-

" گلابی نافتا ہیں چولی لعل رنگ تس میں"

---

[1] " انڈین پینٹنگ " پرسی براؤن ص۲۶

موتی رنگ :۔

"موتی رنگ کا نیم تنی پہنے توں"

قلی قطب شاہ جشنِ عید میلاد النبیؐ شاہانہ تزک و احتشام سے مناتے تھے، سبز اور سُرخ کپڑوں میں ملبوس غلام کورنش بجالاتے :۔

"ہرے لال ہرداں کے ہر یک ملوکاں"

لال رنگ سے حوض بھر دیئے جاتے :۔

"بدخشی لعل حوض خانے میں بھرمد"

جشنِ نوروز، بسنت بہار اور برسات کا میلہ بڑے دھوم سے منائے جاتے، ظاہر ہے اِن تہواروں میں رنگوں کی بہتات ہوتی ہے، قلی قطب شاہ کو یہ رنگ متاثر کرتے تھے، وہ شاعری میں ان رنگوں کی مصوری لفظوں سے کرتے تھے۔ شفقی رنگ کے لئے وہ کہتے ہیں "آسمان پر یہ شفق نہیں بلکہ دشمنوں کا قتلِ عام ہوا ہے یہ سُرخ خون اُچھل رہا ہے :۔

کنارے آسماں کے نہیں شفق رنگ

دندیاں مارے گئے اچھلیا رگت لال

نظم برسات میں شفق کی خوش رنگی اور قوسِ قزح کے سات رنگوں کی جو مرقع کشی قلی قطب شاہ نے کی ہے وہ اُردو شاعری میں منظر نگاری کی پہلی کوشش ہے، اپنے باغات کے پھلوں کے رنگ اس طرح بتائے ہیں کہ "بھونرے کو تِل کہا ہے، انگوروں کے خوشے ثریا اور سنبلہ کی طرح ہیں، اناروں کے دانوں کے متعلق کہا ہے جیسے تھیلیوں میں یاقوت ہوں، کھجوروں کے خوشے مرجان کے پنجوں کی طرح ہیں، سپاریوں کے لال خوشے دن اور رات کی طرح سیاہ و سفید ہیں، ناریل کے پھل زمرد کے مرتبانوں کی طرح اور جامن کے پھل سالم نیلم کی طرح نظر آتے ہیں، قلی قطب شاہ نے تشبیہات میں جن چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب ان کے اندر ہیں اور سب لوگوں نے بھی ان میں سے ہر اشیاء کو بذاتِ خود دیکھا ہے۔ اسی لئے ہر چیز کا رنگ نگاہوں میں واضح

ہوجاتا ہے۔"[۲] سُرخ، سبز، نیلا اور سنہرا رنگ اور اُن کے مختلف شیڈ (Shade.) نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

قطب شاہی سلطنت کا سرکاری رنگ "آسمانی" تھا، قلی قطب شاہ نے اپنے شاہی نشان کو "فلک رنگ" اور "گگن رنگ" لکھا ہے، اس کے علاوہ دوسرے (سبز رنگ) کا خصوصی ذکر کرتے ہیں :-

ہریا شیشہ ہریا پیالا ہریا کشونت ہریا جو بن
ہریا جوانی، ہریالی میں ندیاں موتیاں کی ہاراں کر

قلی قطب شاہ کے دربار میں موسم برسات کا جشن منایا جاتا تو شاہی محلات میں سبز مخمل کا فرش بچھا دیا جاتا اور سبز لباس زیب تن کئے جاتے :-

"صدراں زمردی رنگ ہرا ک محل بچھاؤ"

قلی قطب شاہ بیر بہوٹی جیسے سُرخ رنگ کے رسیا ہیں اور اشعار میں اس رنگ کا استعمال کرتے ہیں۔

"حرت مانگ بہوٹیاں لعل موتیاں لیک دھاراں کر"

"رنگ بیر بہوٹی کسوت کیریاں ہیں پاتراں سب"

قلی قطب شاہ کو رنگوں کی پرکھ ہے اُنہوں نے ذاتی مشاہدات سے رنگوں کے نقشے پیش کئے ہیں۔

شمالی ہند میں بھی شعراء نے مثنوی قصیدے اور غزل میں رنگوں کی طرف توجہ کی ہے اور انہوں نے رنگوں کا مصورانہ استعمال کیا ہے، شمالی ہند کے ابتدائی شعراء میں فائز دہلوی کا شمار ہوتا ہے، یہ ولی کے ہم عصر تھے اور بقول پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب

---

[۲] اُردو شاعری میں منظر نگاری۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی۔ طبع نسیم بکڈپو لکھنؤ ۱۹۶۸ء۔

شمالی ہند کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ فائز دہلوی نے بسنت کے موسم میں ہولی کی رنگ رلیوں کا ذکر کیا ہے اور یہ ہولی ایک باغ میں منائی جارہی ہے اُن کے اشعار میں کیسری رنگ، سُرخ رنگ، زرد رنگ، آتشی رنگ، گُلِ جعفری رنگ (زرد، پیلا) کی مصوری موجود ہے :۔

آج ہے روزِ بسنت اے دوستاں — سرو قد ہیں بوستاں کے درمیاں
سب کے تن میں ہے لباسِ کیسری — کرتے ہیں صد برگ سوں سب ہمسری
خوبرو سب بن رہے ہیں لال، زرد — باغ کا بازار ہے اس وقت سرد
چاند جیسا ہے شفق بھیتر عیاں — چہرہ سب کا از گلال آتش فشاں
ہر چھبیلی از لباس کیسری — تازہ کرتی ہے بہارِ جعفری
از عبیر و کیسر اور گلال — ابر چھایا ہے سفید و زرد لال

فائز دہلوی کی غزلوں میں بھی رنگوں کا استعمال ملتا ہے۔ سُرخ اور سبز رنگ کا استعمال اس طرح کیا ہے :۔

یاقوت کو لاوے نہیں خاطر میں کبھی وہ — جس کی نظر اے یار پڑے تیری حنا پر

کیا خوب ترے سر پہ لگے چیرۂ سالو — کیا زیب دیوے بسمہ تری سبز قبا پر

اودے اور زرد رنگ کا استعمال :۔

اوڑھنی اُودی پر کناری زرد — گرد شب کے سورج کی دھاری ہے

ولی کی شاعری میں بھی رنگوں کی مصوری پائی جاتی ہے، سمندر کی وسیع سطح پر سُورج کی بے تاب کرنوں کے تڑپنے اور لہروں میں سنہرے رنگ کی آمیزش کی عکاسی ولی نے نہایت عمدہ کی ہے :۔

"سُورج سن آپ اس کی جگ میں کانپا" — "سمندر موج زن رگ رگ میں کانپا"

دکنی کی غزلوں میں بھی رنگوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے، سبز رنگ کی بہار :-

لباس اپنا کیا وہ گلبدن سبز ہوا سر تا قدم مثل چمن سبز
عجب چھب سوں کھڑا ہے وہ پری رو سرا اوپر چیرا بر میں پیرہن سبز

اور یہ سُرخ رنگ ہے :-

کیا ہے دفع مرے دردِ سر کوں رونے نے ہوا ہے حق میں مرے خون دیدہ صندل سُرخ
شفق نہ بوجھ کہ مجھ آہ آتشیں نے دکنی فلک کو جا کے کیا ہے برنگ منقل سُرخ

صندلی رنگ :-

ہوا ہے رشک چمپئی کی کلی کوں نظر کر تجھ قبائے صندلی کوں

سفید رنگ :-

ظلمات میں یہ غم کے ملے گا تجھ آبِ خضر دامن تلے ہے رات کے روز سفید یہاں

زرد رنگ :-

ہر چند رنگ زردی حاصل ہے عاشقوں کوں لیکن شگفتہ رو ہیں گُل جعفری کے مانند

مرزا محمد رفیع سوداؔ کی شاعری دہلی سے لکھنؤ تک مشہور اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ اُن کا بچپن اطمینان و فراغت سے گزرا اس لئے اُن کا اپنی ذات پر اعتبار مستحکم ہوا۔ دونوں کی محفلوں نے معاشرتی زندگی میں دلچسپی پیدا کی، ذہانت اور فطرت میں شوخی خداداد تھی۔ اُن کی زندگی لطف، فرحت اور شوخی سے مزیّن تھی، اُن کے مشاہدات عالمگیر تھے۔ میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں سوداؔ کو خوش خلق، خوش خو، گرم جوش، یار باش اور شگفتہ رو لکھا ہے۔ گردیزی اور دوسرے تذکرہ نگار بھی سوداؔ کے اخلاق، خلوص اور خوش گفتاری کے قائل ہیں۔ سوداؔ نے اپنی غزلوں میں عروسِ معنی، رنگینیٔ معنی، شاہدِ معنی، معنیٔ رنگین، حسنِ معنی جیسی تراکیب کے ذریعے اپنی جمالیاتی فکر کو واضح کر دیا ہے۔ اُن کی جمالیاتی حِس اتنی تیز ہے کہ وہ رنگ، روشنی، بہار، گلزار، صبح، شادابی، شُعلہ، سُرخی، آئینہ جیسے لفظوں سے فطرت کے رنگ لے کر اشعار میں مصوّری کرتے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں سُرخ، آبی،

سنہرا (طلائی)، صندلی، حنائی، چمپئی، شفقی، سفید، گلابی، نیلا، سبز، شمعی، بادامی، سیاہ، زعفرانی، کبودی رنگ اپنی بہار دکھاتے ہیں، یہ وہ طرزِ اظہار ہے جو بعد کے زمانے میں متعدد شعراء کے یہاں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوا ہے۔ سفید اور سبز کی ردیف میں مکمل غزلیں دیوان میں موجود ہیں۔ سودا کی غزلوں میں رنگوں کا استعمال دیدہ زیب ہے:۔

برابری کا ترے گُل نے جب خیال کیا
صبا نے مار تھپیڑا منھ اُس کا لال کیا
"سُرخ"

کہتا ہے آئینہ کہ سمجھ تربیت کی قدر
جن نے کیا ہے سنگ کو ہم رنگ آب کا
"آبی"

جلوہ ہر ایک ذرّہ میں ہے آفتاب کا
"سنہرا"

عشق میں آجاوے مہوّس دیکھے وہ چہرہ اگر
اس طلائی رنگ سا کب ہو طلائے کیمیا
"طلائی"

بکیں گو صندلیں رنگ آ کے بازارِ محبت میں
گنوا کر نقد دل اپنا نہ یہ تو دردِ سر لے جا
"صندلی"

کہتی ہے میرے قتل کو یہ بے وفا حنا
"حنائی"

جن نے نہ دیکھی ہو شفقِ صبح کی بہار
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
"سُرخ"

چاہیے تجھ چشم کے آگے ہو جو بادام سفید — "سفید"

آغاز خط کا ہے ترے عارض پہ معجزہ
شعلے کے یاں کلہ سے ہوا ہے گیاہ سفید — 〃

چاندنی دیکھے جو وہ کر کے در و بام سفید
ماہ بھی بزم میں اس کی ہو بھر اک جام سفید — 〃

لعل حل کردہ ہے جوں ظرف بلوریں کے بیچ
پیرہن پہنے ہے جس دم وہ گل اندام سفید — "گلابی"

کہتے ہیں نیلم جسے نہا فی الحقیقت ہیں وہ لعل
ہو گیا ہے رشک سے تجھ لب کے رنگ اس کا کبود — "نیلا"

گل زمیں سے جو نکلتا ہے برنگ شعلہ — "سُرخ"

یاقوت نہیں ہے وہ ترے لعل سے اے شوخ
جا ڈوبی ہے یہ آب میں ہو کر خجل آتش — "آتشی"

سر پہ اپنے کس لئے یہ تاج زر رکھتی ہے شمع — "شمعی"

فقیر اب جانیئے سودا ہوا ہے کس کی آنکھوں پر
سنا ہے آج یوں کپڑے رنگے ہیں اُن نے بادامی — "بادامی"

تہہ تیرے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش
رہتا ہے سدا چاک گریبانِ سحر بھی
"سیاہ"

ہے ماتم اس چمن میں نہیں خندۂ طرب
ہے کسوتِ کبود گلِ زعفراں تلک
"نیلا"

سودا نے ایک شعر میں قرآن کی آیت صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً " رنگ تو خدا ہی کا رنگ ہے اور خدا کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہوگا" کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے:۔

کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ
سب رنگ میں ہے تو پہ ترا سب سے بری رنگ

میر تقی میر کی غزلوں میں رنگوں کا استعمال زیادہ نہیں ہے، ہمارے بعض ناقدین نے میر تقی میر کی شخصیت کو بدھ مذہب کے ایک رہنما کی طرح پیش کیا ہے جو ہمیشہ مراقبے میں رہتا ہے اور عالمِ خیال ہی میں گیان اور نروان کی تمام منزلیں طے کرتا رہتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے میر تقی میر نے مظاہرِ فطرت کو پڑھا ہے، اُن کی قدرتِ احساس اور مشاہدے کی صلاحیت بہت زیادہ ہے، اُنہوں نے اپنے گرد خارجی ماحول کا مطالعہ کیا ہے:۔

جوں سبزہ چل چمن میں لبِ جو، پہ سیر کر
عمرِ عزیز جاتی ہے آبِ رواں کی طرح

صبح چمن کا جلوہ مہندی بتوں میں دیکھا
صندل بھری جبیں ہیں ہونٹوں کی لالیاں ہیں
ان گل رخوں کی قامت لہکے ہے یوں ہوا میں
جس رنگ سے لچکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں

غالب نے میر تقی میر کے دیوان کے لئے کہا تھا۔

میرؔ کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

کشمیر کی وادی جس میں آسمانی رنگ سے لے کر زعفرانی رنگ تک بے شمار رنگوں کے منظر نامے موجود ہیں اسی طرح میر تقی میر کے دیوان میں بھی سُرخ، سبز، گلابی، نیلا، زرد، زعفرانی، کاہی، گلنار، سیاہ، مہتابی، بسنتی، عُنّابی، آتشی، چمپئی، حنائی، شفقی، آبی، رنگوں کے انوکھے مناظر نظر آتے ہیں۔ قدرتی مناظر کے یہ رنگ میر تقی میر کسی مصوّر کی طرح تصویروں میں ابھارتے ہیں۔

بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلیں ہیں گلابی سے
نہالِ سبز جو میں ہیں گلستاں میں شرابی سے

صد رنگِ بہاراں میں اب کی جو کھلے ہیں گل
یہ لطف نہ ہو ایسی رنگینی ہوا کی ہے

سرو لب جو، لالہ و گل، نسرین و سمن ہیں شگوفے بھی
دیکھو جدھر ایک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا

چلتے ہو تو چمن کو چلئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:۔

"اکثر لکھنے والوں نے اُن کی داخلیت پر اتنا زور دیا کہ بیرونی دُنیا سے میر کو جو تعلق تھا وہ نظر انداز ہو گیا"۔[۱]

---

[۱] کلیاتِ میر صفحہ ۶، کریمی پریس الہ آباد سنہ ۱۹۰۲ء

میر تقی میرؔ کے اس دعوئ پر ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے :-

جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سخن پر
صد رنگ مری موج ہے، میں طبعِ رواں ہوں

میر تقی میرؔ کی شاعری میں سُرخ رنگ کا تناسب دوسرے رنگوں سے زیادہ ہے :-

دعویٰ کیا تھا گل نے ترے رُخ سے باغ میں ۔۔۔ سیلی لگی صبا کی سو منھ لال ہو گیا

گُل برگ کا یہ رنگ ہے، مرجان کا ایسا ڈھنگ ہے ۔۔۔ دیکھو نہ جھمکے ہے پڑا وہ ہونٹ لعلِ ناب سا

یہ عیش گہہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے ۔۔۔ ہر گُل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا

بیڑے کھاتا ہے تو آتا ہے نظر پان کا رنگ ۔۔۔ کس قدر ہائے رے وہ جلدِ گلو نازک ہے

چاک دل ہے انار کے سے رنگ ۔۔۔ چشم پُر خوں فگار کے سے رنگ

ہے میرے جوشِ تنکِ مادم کا رنگ سُرخ ۔۔۔ ریزش سے اس کی تختہ ہے سینے کا سنگ سُرخ

اگرچہ لعلِ بدخشاں میں رنگ ڈھنگ ہے شوخ ۔۔۔ یہ تیرے دونوں لبوں کا بھی کیا ہی رنگ ہے شوخ

کیا جھمکتا ہے ہائے رنگ قبول ۔۔۔ جیسے مُکھڑا گلاب کا سا پھول

ہر اشک مرا ہے دُرِ شہوار سے بہتر ۔۔۔ ہر لختِ جگر رشکِ عقیقِ یمنی ہے

سُرخ رنگ کے بعد میر تقی میرؔ کی غزلوں میں زرد رنگ کا تناسب پایا جاتا ہے :۔

سینے میں شوق میرؔ کے سب درد ہو گیا　　دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منھ زرد ہو گیا

چمن بھی ترا عاشق زار تھا　　گلِ سُرخ اک زرد رخسار تھا

رہتا تھا ابتدائے محبت میں منھ سفید　　اب زرد سب ہوا ہوں یہ ہے انتہا کا رنگ

گزرتی ہے کیا میرؔ دل پر ترے　　تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد زرد

عشق کی ہے بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا　　رنگ بدن میت کے رنگوں جیسے جی ہی پہ زرد ہوا

بسنتی قبا پر تری مر گیا ہے　　کفن میرؔ کو دیجیو زعفرانی

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رُخِ زرد پر مرے　　کہتا ہے میرؔ رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں　　اس عشق میں ہوا ہے کیا حال میرؔ تیرا

کیا میرؔ تھا یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا　　نم ناک چشم، خشک لب اور رنگ زرد سا

شفقی رنگ :۔

ہے ابر کی چادر شفقی جوش سے گل کے　　میخانے کے ہاں دیکھیے یہ رنگ ہوا کا

حنائی رنگ :۔

مٹھی میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا　　اڑتا نہیں ہے طائر رنگ حنا ہنوز

گلابی :-

دل پر خوں کی اک گلابی سے ——— عمر بھر ہم رہے شرابی سے

نیلا :-

ٹھہرے نہ چرخ نیلی پہ انجم کی چشم شوخ ——— اس قصر میں لگا جو ہے کیا لاجورد ہے

زعفرانی :-

فقر پر بھی تھا میر کے اک رنگ ——— کفنی پہنی سو زعفرانی تھی

سبز :-

اب خاک تو ہماری سب سبز ہو چلی ہے ——— کب منھ ادھر کرے گا وہ آہوئے رمیدہ

کاہی اور کہربائی :-

برنگ کہربائی شمع اس کا رنگ جھمکے ہے ——— دماغ سیر اُس کو کب ہے میرے رنگ کاہی کا

سیاہ :-

تاب ہی میں رہے ہے اُس کی زلف ——— افعیٔ پیچ دار کے سے رنگ

مہتابی :-

آگے ایسا نکھرا نکھرا کاہے کو میں پھرتا تھا ——— جب سے آنکھ لگی اس مہ کے رنگ مرا مہتابی ہے

چمنی رنگ (سبز) :-

بلبل کی کفِ خاک بھی اب ہوگی پریشان ——— جامے کا ترے رنگ ستم گر چمنی ہے

عُنّابی (سیاہی مائل سُرخ) :-

خوں بستہ کیوں نہ پلکیں ہر لحظہ رہیں میری ——— جاتے نہیں آنکھوں سے لب یار کے عُنّابی

آتشی رنگ :-

آتش رنگ گُل سے کیا کہیے ——— برق تھی آشیان پر آئی

رنگ ارمنی (گیرو) :-

کیسی سُرخ و سفید نکلی تھی ——— مے مگر دخترِ ارمنی کی تھی

رنگ برنگے پھول :۔
یک معنیٔ شگفتہ سو رنگ بندھ گئے ہیں — الوانِ گُل ہیں ہر سو اب کی بہار سے بھی

چمپئی :۔
دارفتہ ہے گلستاں اس ردئے چمپئی کا — ہے فصل گل پہ گل کا اب وہ مزا نہیں کچھ

سُرخ اور سُنہرا :۔
شعلوں کی ڈانک گویا لعلوں تلے دھرے ہیں — چہروں کے رنگ ہم نے دیکھے ہیں کیا جھمکتے

آبی :۔
کل میر جویاں آیا، طور اس کا بہت بھایا — وہ خشک لبی تس پر جامہ گلے میں آبی

میر تقی میر نے ایک شعر میں قرآن کی آیت صِبْغَةَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ رنگ تو خدا ہی کا رنگ ہے اور خدا کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو گا کو نہایت اچھے انداز میں پیش کیا ہے :۔

گل و رنگ و بہار پردے ہیں
ہر عیاں میں ہے وہ نہاں ٹک سوچ

نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں رنگوں کی بہتات ہے لیکن مصوری برائے نام، وہ صرف رنگوں کے نام گنواتے ہیں، اُن کے رنگوں سے کوئی تصویر نہیں ابھرتی، نظیر اکبرآبادی کی طرح جوش ملیح آبادی نے بھی بے مقصد رنگوں کے نام گنوائے ہیں، "فرہنگِ الوان کی تدوین میں نظیر اکبرآبادی اور جوش ملیح آبادی کے اشعار سے مدد مل سکتی ہے ورنہ تمام اشعار بے روح ہیں، رنگ ہیں لیکن کوئی تصویر نہیں بنتی۔

طلائی :۔ در و دیوار سے چمکے تھا پڑا آب طلا

پستئی :۔ کیا چمپئی، کیا پستئی کیا اخضر و احمر

دھانی :۔ دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی

روپہلا :۔ سنہری تاش کا لہنگا، روپہلے گوٹ کی انگیا

سبز موتی کا بُندہ :۔ سبز پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کا

سُرخ :۔ نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگِ سُرخ نظیر

سُرمئی، اگرئی :۔ کچھ اگرئی و سرمئی اور عنبریں و خال

سفید :۔ نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے

سوسنی :۔ جس گل بدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے

سیاہ و سفید :۔ جب سیاہی پہ سفیدی چڑھی تب خبر ہوئی

رنگِ گل شفتالو (گہرے گلابی پھول) :۔
اور موتیا شفتالو زر سیم کا ماشا ہے

شفق فام :۔ تو دامن نگہ کا شفق فام ہو گا

عقیق یمنی :۔ دنداں ہیں گہر ہونٹ عقیق یمنی ہے

کِشمشی :۔ کیا سوسنی کیا کِشمشی کیا ابیض و اصفر (اصفر یعنی زرد)

گلابی :۔ چہرے کو تو گلابی یا گُل انار رنگ لا

اُودا رنگ :۔ اور جس پہ سُرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے

گلنار :۔ سُنہری، سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی

زعفرانی :۔ اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
گلنار یا گلابی یا زرد، سُرخ دھانی

بسنتی :۔ پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں

زرد :۔ تنوں کے زرد پیراہن میں عطر چمپا جب مہکا

مہندی رنگ :۔ کہ باطن میں ہوئی ہے سُرخ ظاہر میں ہری مہندی

کاہی :۔ سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں سُرخ اور سفید کاہی

لال رنگ :۔ بوندوں میں بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

نظیر اکبر آبادی کی نظم "زرد اور سفید کی لڑائی" ہولی کی نظم ہے لیکن دونوں رنگ

پوری نظم میں کہیں تلاش کے بعد بھی نظر نہیں آتے۔ نظیرؔ اکبر آبادی رنگ کے ناموں سے واقف ہیں لیکن مصورانہ شعورِ الوان نہیں رکھتے۔

نظیرؔ اکبر آبادی کی مذہبی شاعری میں بے پناہ شعور اور ادراک کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے تذکرے میں سبز رنگ کا استعمال قابلِ تعریف ہے:۔

اور وہ ہے جس سے ہرا باغ امامت کا چمن
سبز پوشِ چمن جنتِ فردوس حسن
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن
یاد کر مومنو اُس کا وہ ہرا پیرہن
سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ

رنگوں کا حسین استعمال ہم کو میر حسنؔ کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ ان کی لاجواب غزلوں میں انسانی چہروں کے رنگ کی مصوری ایسی ہے کہ دنیا کی کسی زبان میں ایسی مثالیں تلاش کے بعد بھی دستیاب نہیں ہیں۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ:
وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (سورہ روم آیت ۲۲)

"اُس کی قدرت کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں واقف کاروں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں"۔

یہی گفتگو قرآنِ مجید میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان ہوئی ہے:۔
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (سورۂ فاطر آیت ۲۸)

"اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چارپایوں کی بھی رنگتیں طرح طرح کی ہیں اور علماء ان نشانیوں کو سمجھتے ہیں اور خوف خدا کرتے ہیں۔"

شعرا نے انسانی چہروں کو شاعری کا موضوع بنایا ہے، میر حسن کے اشعار میں جدّت وندرت کی کارفرمائی نظر آتی ہے :-

زلفوں کے بعد دیکھئے چہرے کا اس کے رنگ
کھلتا ہے شب سے زیادہ وہ گلفام وقت صبح

خلق کا خون کر رہا ہے شوخ
رنگ چہرے کا تیرے کیا ہے شوخ

ماتھے پہ دلبروں کے افشاں نہیں چنی یہ
تحریر ہے طلائی، قرآں کی سورتوں پر

سانولے رنگ سے بھا گو حسن کیا اس میں تمہارا جاتا ہے
ایسے دُھندلکے بیچ مسافر مفت میں مارا جاتا ہے

کل نام خدا ایسا رنگ اس کا جھمکتا تھا
خورشید بھی دیکھ اس کو آنکھ اپنی جھپکتا تھا

چہرے کا عجب عالم تھا زرد دوشالے میں
ہیرا سا چمکتا تھا کندن سا دمکتا تھا

خط رخسار بھی تیرا ہے عجب، مورِ سیاہ
منہ پہ لاتا ہے سلیمان کے لشکر اپنا

گُل کو کیا رُو ہے جو ہو سامنے چہرے کے ترے
شمع نے رنگ نکالا ہے تو جل کر اپنا

کچھ نہ سمجھے سیاہ اور سفید
دل دیا سانورے سلونے کو

ملگجے کپڑوں میں یوں ہے جلوہ گر اس کا بدن
دھوپ جیسے شام کی ہو یا سحر کی چاندنی

میر حسن کی غزلوں میں سُرخ، سیاہ، طاؤسی رنگ، عباسی رنگ، رنگِ عباس کا رنگ، آتشی رنگ، زرد، سفید، گلابی، حنائی، شفقی رنگ، تصویروں میں ماہرانہ فنکاری سے بھرے گئے ہیں:۔

سُرخ

لعل و یاقوت ایسے کب ہیں سُرخ　　جیسے اُس شوخ کے وہ لب ہیں سُرخ
اشکِ خونی سے عندلیبوں کے　　در و دیوار باغ سب ہیں سُرخ
خونِ دل بھر رہے کہ یا نہ رہے　　دیکھ لے چشم میری اب ہیں سُرخ
قتل کس کو کیا ہے شوخ نگاہ!　　آج آنکھیں تری غضب ہیں سُرخ
دل حسن خون ہو گیا کہ جگر
آج آنسو یہ کس سبب ہیں سُرخ

طاؤسی رنگ

کچھ گرد میں ہیں آج کے سو رنگ کے جلوے　　برباد ہوئی ہے کہیں خاکسترِ طاؤس

عباسی رنگ

اس نے خلعت پہن کے عباسی　　کتنے ہی سیدوں کا خون کیا

آتشی رنگ

مے آتش و رنگ آتش و یاقوت لب آتش　　عاشق کے جلانے کو وہ رکھتا ہے سب آتش

سیاہ

ہجر کی شب نہ دیکھی ہو جس نے　　وہ حسن دیکھے زلف یار کا رنگ

سبز اور سُرخ

دل ہی نہ کھلے اپنا تو کیجئے کیا ورنہ　　سبزا ہے گلستاں ہے گلزار ہے لالہ ہے

زرد

کیوں رنگ سُرخ تیرا اب زرد ہو گیا ہے　　تو ہی مگر ہمارا ہمدرد ہو گیا ہے

سفید

ایک شب تو پھر بھی آ جا آنکھیں بس ہو گئیں سفید	کب تک دیکھا کریں اجڑے نگر کی چاندنی

سُرخ

ہے سُرخ میرے خون سے جو تیری نگارِ تیغ	مانندِ شاخِ گل کے رکھے ہے بہارِ تیغ

آئینہ رنگ

نظر کر وحدت و کثرت بہم شامل ہر شیشے میں	اگر شیشہ ہے محفل میں تو یہ محفل ہر شیشے میں

گلابی

خدا جانے لہو آنکھوں سے کس کس کی بہائے گا	ترا آئینہ گلابی اور تیرا ہار نرگس کا

حنائی

دل جس طرح سے خون ہوا تیری یاد میں	کا ہے کو اس طرح سے ہوئی ہے حنا لہو

سُرخ

کیا جانے آفتاب کو کیا ہے مرض کہ صبح	نکلے ہے آسماں سے اُگلتا ہوا لہو

سیاہ

زلفِ عرق فشاں حسن اس شوخ کی مجھے	کالی گھٹا کی طرح برستی نظر پڑی

زرد

سرسوں آنکھوں میں کیوں نہ پھولے اب	زرد اوڑھے وہ شال جاتا ہے

شفقی رنگ

رونے میں خونِ دل کی صورت ہزار دیکھی	برسات میں شفق کی کیا کیا بہار دیکھی

نوروز اُس وقت ہوتا ہے جب بُرجِ حمل میں تحویلِ آفتاب ہو جائے اور ہلالِ محرم کی مصوری میر حسن نے نیلے آسمان کے پس منظر میں پیش کی ہے:۔

بیضۂ نوروز و قندیلِ محرم ہے فلک	شادی و غم کے قلم سے اس پہ رنگ آمیز ہے

ذرے ذرے میں، دیکھ، ہیں موجود	وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں

یہودیوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ جو شخص اُن کے مذہب میں داخل ہوتا اُسے زرد رنگ کے پانی سے غسل دیتے تھے اور اس غسل کے معنی اُن کے ہاں یہ تھے کہ گویا اُس کے گناہ دُھل گئے اور اُس نے زندگی کا نیا رنگ اختیار کر لیا۔ یہی چیز بعد میں عیسائیوں نے اختیار کر لی، اس رسم کا اصطلاحی نام اُن کے ہاں "اصطباغ" (بپتسمہ) ہے اور یہ "اصطباغ"، نہ صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اُن کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں، بلکہ بچوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ" (سورۂ بقرہ آیت ۱۳۸)

کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ آیت کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ گویا قرآن کا اعلان ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے؟ اللہ کا رنگ اختیار کرو، جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے چڑھتا ہے۔

میر حسن کا یہ شعر" صبغۃ اللہ" اللہ کے رنگ کی وضاحت میں لاجواب ہے۔

پانی کی طرح پایا ہے ہر رنگ میں تجھے
یک رنگ تجھ سا کون ہے پھر رنگ ہے وسیع

میر حسن کی مثنویوں میں خصوصاً" آصف الدولہ کی شادی" اور "سحر البیان" میں رنگین مصوری لاجواب ہے، مندرجہ ذیل شعر ضرب المثل ہو کر زبان زد خلائق ہو گیا ہے:

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

میر انیس رنگوں کے استعمال میں کسی حد تک اپنے دادا میر حسن سے متاثر ہوئے ہیں۔

میر حسن کے ہم عصروں میں انشا اور مصحفی نے اپنی غزلوں میں رنگوں کا امتزاج دکھایا ہے لیکن تصنع اور آورد کے سوا کچھ نہیں۔ ان شعرا نے رنگوں کے استعمال میں مشاہدات

سے کام نہیں لیا۔

انشاء اللہ خاں انشا کے شعر یہ ہیں:۔

زرد رنگ

آتے نظر ہیں دشت و جبل زرد ہر طرف
ہے اب کی سال ہے اے دوستاں بسنت

سُرخ

موسم ہولی میں دیکھا ہم نے کیا ہی لطف واہ
رنگ سے تیرا ہوا جب طرۂ شبرنگ سُرخ

سبز

خط ترا نو رستہ دیکھ اے مار شوخ و شنگ سبز
زہر کھا اپنا زمرد نے کیا ہے رنگ سبز

دھانی رنگ

اپنی آنکھوں میں تراوٹ آگئی یکبار گی
دیکھ کر یہ لہلہی پوشاک دھانی آپ کی

زرد اور سُرخ

دو گلابی لا کے ساقی نے کہا انشا کو رات
زعفرانی میرا حصہ ارغوانی آپ کی

سُرخ و سفید

ہاں اے شفق صبح تری دیکھ کے رنگت
شنجرف کی سوجھی مجھے کافور کی سوجھی

رنگین بادل

کچھ لکہ ہائے ابر سفید و سیاہ و سُرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

غیر منقوط

ملا رگا کہ سر کوہسار لال ہوا
عروس لالہ کو طاؤس وار حال ہوا

سبز اور سُرخ

حسنؑ حسینؑ کی خاطر سے بخش دیوے گا
گنا ہگاروں کو قصر زمرد و یاقوت

انشا کے اس شعر کے رنگ میں امیرؔ کا ایک شعر ہے:۔

جنت میں قصر لعل و زمرد ملے امیرؔ
اس وجہ سے کہ عشق حسینؑ و حسنؑ رہا

مصحفی کے قصیدوں اور مثنویوں میں رنگوں کا استعمال ملتا ہے لیکن سب تصنع اور آورد کے سوا کچھ بھی نہیں غزلوں کے چند اشعار سے ان کے رنگوں کا معیار دیکھا جا سکتا ہے:

سُرخ رنگ

ہے آبِ تیغ کا تری قاتل جو رنگ سُرخ　　　شاید کہ تو نے اس کو چٹایا تھا سنگ سُرخ

شفقی رنگ

گردوں پہ یہ شفق نہیں دیکھا تو مصحفی!　　　خونِ شہاں سے سُرخ ہے رنگ اس بساط کا

گُل رنگ

مت بھول بہارِ رخِ گل رنگ پہ اتنا　　　یاں رنگ کی گردش ہی میں موسم ہے خزاں کا

لالہ رنگ

میانِ باغ وچمن لالہ ہو نکل آیا　　　چھپا سکی نہ زمیں خونِ کشتگاں کا رنگ

گلابی رنگ

نہ کیونکہ پھول کی پتی کا ہو نقاب کا رنگ　　　کہ اُس کے حُسن میں ہے تختۂ گلاب کا رنگ

پڑا ہے اس میں ترے حسن نیم رنگ کا عکس　　　اسی سبب تو گلابی ہے آفتاب کا رنگ

پھیکا رنگ

مجھ کو اتنا بے نمک بھی حُسن بھاتا ہی نہیں　　　کیا کہوں پھیکا ہے کتنا قوم عیسائی کا رنگ

مصحفی کی طرح ناسخ کو بھی عیسائیوں کا پھیکا رنگ پسند نہیں ہے:۔

حُسن کو چاہیئے انداز و ادا، ناز و نمک
لطف کیا گر ہوئی گوروں کی طرح کھال سفید

غزل گو شعرا میں ایک ناسخ ہی ایسے شاعر ہیں جن کا پورا کلیات رنگوں سے مزین ہے، مصحفی نے اپنی شاعری کے لئے کہا تھا

جن مقاموں میں رنگ کم ہے بھرا
دے ذرا اور بھی تو رنگ ملا

لیکن یہ شعر ناسخ کی شاعری پر صادق آتا ہے ، ناسخ نے شمع، چراغ، شعلہ ، آفتاب ، ماہتاب، چاندنی، دھوپ ، زر، سونا، چاندی، پانی، موج، شیشہ، آئینہ، چراغاں، لالۂ احمر، شراب، سمن، نسرین، نسترن، گلاب، سوسن، چمیلی، سنبل، نرگس، مے احمر، ارغوان، زعفران، یاقوت، نیلم سے سُرخ، سبز، زرد، سفید، سیاہ، گلابی، سے بے شمار رنگ بنائے ہیں اور مصوری کا کمال دکھایا ہے چند مثالیں :۔

سُرخ رنگ

ہے دگرگوں حال محبوبوں کا تجھ پر پیشتر ۔۔۔ گر ہزاروں زرد ہیں گل تو کوئی دو چار سُرخ
سیرِ گلشن میں ہوا ثابت گلوں کو دیکھ کر ۔۔۔ ہے بجا دنیا میں روئے مردم زردار سُرخ

شفق سمجھا ہے اس کو ایک عالم وائے بیدردی ۔۔۔ فلک پر گر بگولا جا لگا خاکِ شہیداں کا

سبز رنگ

لاریب ہیں یہ گلشنِ فردوس کے شجر ۔۔۔ سیّد نہ کیوں لباس کریں اختیار سبز
پست و بلندِ عالمِ بالا کو ایک ہے ۔۔۔ کرتا ہے کوہ و دشت کو ابرِ بہار سبز
ہیں گل عذار ماہِ محرّم میں سبز پوش ۔۔۔ گویا کہ پھول سُرخ ہیں اور شاخسار سبز
یک رنگ ہر سفید و سیہ ہے بہار میں ۔۔۔ گویا ہے رنگ ابلق لیل و نہار سبز

اس پری رو کا محرّم میں نہیں ملبوس سبز ۔۔۔ ہے بدن تو شمع کافوری، قبا فانوس سبز

باغِ بہشت اور بھی سرسبز ہو گیا ۔۔۔ مسموم جب یہاں سے امام حسنؑ گئے

زرد رنگ

رنگِ بہار زرد ہوا تیرے سامنے ۔۔۔ باغِ جہاں میں غیر گل زعفراں نہیں

دیکھی جو تری قبا بسنتی ۔۔۔ پھاڑا گیندے نے پیرہن زرد
غصّے سے وہ گل جو لال ہوگا ۔۔۔ ہو جائے گی ساری انجمن زرد

ہو گیا زرد، پڑی جس پہ حسینوں کی نظر — یہ عجب گل ہیں کہ تاثیرِ خزاں رکھتے ہیں

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی — عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی

نیلا رنگ

سب گل بدن ہوئے ہیں محرم میں نیلا پوش — سوسن کے شور سے ہے گلوں کا چمن کبود
شاید گزر کرے یونہی وہ رشکِ آفتاب — مثلِ فلک رنگاؤں میں بیت الحزن کبود
دیرِ خراب آج سے ماتم کدہ نہیں — ہے ابتدا سے خیمۂ چرخِ کہن کبود
اشنان کشن جی نے کیا ہے جو مدتوں — اب تک اسی اثر سے ہے رنگِ جمن کبود

سفید رنگ

یار آیا تو ہوئے دیدۂ ناکام سفید — جیسے ہوں آمدِ سلطاں میں در و بام سفید
سرخ پوش آئے نظر شوخ یہ ہے رنگِ بدن — پہنے پوشاک جو وہ سرو گل اندام سفید
غرۂ کر حسن دو روزہ پہ نہ اے سیم اندام — رنگ سب رنگوں میں ہوتا ہے بہت خام سفید

ہے دلیلِ مرگِ انساں واقعی موئے سفید — کوہکن کی موت تھی انجام جوئے شیر کا

رات دن پیرِ فلک کی ہے دورنگی ظاہر — زرد پرتوِ خور، ماہ کی تنویر سفید

کفن کی جب سفیدی دیکھتا ہوں کنجِ مرقد میں — تو عالم یاد آتا ہے شبِ مہتاب ہجراں کا

سیاہ رنگ

دن سیہ، رات سیہ، ماہ سیہ، سال سیہ — دل سیہ، بخت سیہ، نامۂ اعمال سیاہ
ایک میں اور ہیں یہ چار بلائیں کالی — خطِ سبز، زلف سیہ، چشم سیہ، خال سیاہ

واہ ہیں کیا ہی ترے ابروئے خم دار سیاہ — ایسی ہرگز نہ ولایت کی ہو تلوار سیاہ
اس گل اندام سے لالہ کو بھلا کیا نسبت — خال اک آدھ یہاں داغ وہاں چار سیاہ

سبزی ہے گُل ہیں گھری ہے دونوں پر کالی گھٹا
رنگِ خط ہے سبز، چہرہ سُرخ ہے گیسو سیاہ

آسمانی رنگ

آفتاب کا کہنا ہے شراب کو زیبا
کس لئے کہ شیشے کا رنگ آسمانی ہے

آج اوڑھا ہے ڈوپٹہ آسمانی یار نے
میرے سر کو بھی بلائے آسمانی چاہیئے

ناسخ کے پسندیدہ رنگ

ہونٹ اودے، سبز خط، آنکھیں سیاہ
چہرے کا سُرخ و سفید اے یار رنگ
ہم کو سارے گلشنِ آفاق میں
بس پسند آئے یہی دو چار رنگ

ہوتے ہیں تیرے آگے گل سُرخ یاسمن
گھٹتا ہے مارے شرم کے بے اختیار رنگ
یاد آگئیں شباب کی رنگیں مزاجیاں
جب شام کو شفق کا ہوا آشکار رنگ
سُرخ و سفید رُخ ہے سیہ چشم خطِ سبز
آتے ہیں ایک گل میں نظر مجھ کو چار رنگ
آنکھیں جو روتے روتے مری لال ہو گئیں
ہنس کر وہ بولے واہ ہے کیا آب دار رنگ
اے رشک سرو رکھتے ہیں مانند فاختہ
خاکستری لباس کا ہم خاکسار رنگ
گہ سُرخ، گاہ زرد کبھی ہے سفید آہ
پاتا نہیں کوئی مرے منہ پر قرار رنگ

شمعی رنگ

اشک مالا موتیوں کا، دود کلغی، شعلہ تاج
رکھتی ہے تختِ لگن میں شوکتِ شاہانہ شمع
کیوں نہ میں تشبیہ دوں زلفوں کو دودِ شمع کی
شمع کا شعلہ ہے چہرہ، قامتِ جانانہ شمع

گیسوئے شبرنگ و خطِ سبز و روئے آتشیں
ہے شبِ تاریک اور فانوسِ منیا رنگ و شمع

گلابی رنگ

آب و آتش ہم ہیں دیکھ طلسم
آتشی خود لباس آبی ہے
جامِ مے کیوں بہ رنگ گل نہ ہنسے
دستِ ساقی میں اب گلابی ہے

سبز اور سُرخ

جو کوئی نکلا وطن سے خوں ہوا اس کا جگر　　　سبز ہے جب تک کہ ہے مرجاں کا مسکن آب میں

ناسخ نے رنگوں کی مصوری میں رنگوں کی ثقافتی اہمیت اور روحانی دنیا میں رنگوں کی عظمت کا بھی اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں "سیدوں کا لباس سبز ہوتا ہے، اور جنت کا لباس بھی سبز ہوگا" (قرآن سورۂ کہف آیت ۳۱ اور سورۂ دہر آیت ۲۱ میں ہے کہ اہلِ جنت کا لباس سبز ہوگا)، ہر پست و بلند پر ابرِ بہار برستا ہے (قرآن میں سورۂ حج کی آیت ۶۳ میں ہے کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو پانی برسنے کے بعد زمین سرسبز ہو جاتی ہے) محرم میں سبز کپڑے پہننے کا رواج تھا۔ وقت کی رفتار سبز ہے، شمع کے سر پر نورانی تاج ہے شمع کے فانوس پر مینا کاری بھی کی جاتی تھی، گناہگاروں کا نامۂ اعمال سیاہ ہوگا، چار سیاہ چیزوں میں حُسن ہے زلف، خط، آنکھ اور خال۔ ولایتی تلوار کا رنگ سیاہ ہوتا تھا لالہ کے سُرخ پھول میں چار داغ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں، برسات میں لکھنؤ کے باغوں میں کالی گھٹا کا منظر بہت خوبصورت ہوتا تھا، سفید رنگ موت کی علامت بھی ہے، دُنیا میں سُرخ پھولوں کی بہ نسبت زرد پھولوں کی بہتات ہے، دولت مند کے چہرے پر سُرخی ہوتی ہے اور مُفلس کا چہرہ زرد ہوتا ہے، کسی بڑی شخصیت کی آمد سے پہلے گھر کے در و دیوار پر سفیدی پھیری جاتی تھی، سفید رنگ تمام رنگوں کی بہ نسبت جلدی میلا ہو جاتا ہے، خاکستری (خاکی رنگ)، کا لباس خاکساری کا رنگ تھا، بسنت میں زرد لباس زیبِ تن کیا جاتا تھا، نیلا رنگ غم کی علامت سمجھا جاتا تھا محرم میں سیاہ لباس کے علاوہ گہرا نیلا سیاہی مائل لباس بھی پہنا جاتا تھا، دریائے گنگا کا پانی نیلا ہے شاید کرشن جی کے نہانے کی وجہ سے کہ وہ سانولے رنگ کے تھے، آسمانی رنگ کا دوپٹہ اوڑھنے سے ناگہانی مصیبت آجاتی تھی، مرجان جب تک سمندر میں ہوتا ہے سبز ہوتا ہے خشک ہونے کے بعد سُرخ ہو جاتا ہے گویا سبز کا باطن سُرخ ہے (مثلاً مہندی)، شراب کی صراحی کا شیشہ نیلے رنگ کا ہوتا تھا۔ سورج کی روشنی زرد اور چاند کی روشنی سفید ہوتی ہے۔ (قرآن میں سورج کی روشنی

کو ضیاء (سنہرا) اور چاند کی روشنی کو نور (سفید) کہا گیا ہے۔

رنگوں کا ظاہر ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ رنگین اشیا کو دیکھنے سے انسان کو مسرت حاصل ہوتی ہے، اس مسرت میں بے پناہ قوتِ افادیت بھی موجود ہے۔ رنگوں کے جلوے مناظرِ فطرت میں بکھرے ہوئے ہیں ہمارے اُردو شعرا اپنے مقصد کے مطابق ان میں سے کچھ کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنے تخیل کی مدد سے انھیں بہتر سے بہتر سانچے میں ڈھال کر استعارے کی مدد سے پیش کر دیتے ہیں، غالبؔ بھی اُردو شاعروں میں ایک ایسے مصوّر ہیں جن کے دیوان میں رنگین تصویریں حُسن سادگی کے ساتھ موجود ہیں۔

رنگوں میں بذاتِ خود وہ اوصاف پائے جاتے ہیں جو شاعر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، غالبؔ اپنی غزلوں میں زیادہ تر سُرخ رنگ کے استعاروں سے کام لیتے ہیں، اُن کے پسندیدہ استعارے یہ ہیں۔

آتش افشانی، آتش کدہ، آتشِ گُل، آئینہ برگِ گل، ابرِ شفق آلود، التہاب، بادۂ گلفام، پرِ بلبل گلنار، تسبیح مرجان، جلوۂ گل، جوشِ گُل، جوئے خوں، خونچکاں کفن، انگشتِ حنائی، موجِ شفق، موجۂ خوں، قطرۂ خوں۔ غالبؔ کی مصوری میں سُرخ رنگ کا استعمال دیکھئے۔

سُرخ رنگ

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل　　　خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل　　　کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

بیاں کیا کیجئے بیدادِ کاوشہائے مژگاں کا　　　کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبِ جو　　　یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

چار موج اُٹھتی ہیں طوفانِ طرب سے ہر سو　　　موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود یاد آیا — کہ فرقت میں تری آتش برستی ہے گلستاں پر

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا — ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا — اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گُل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی — خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گُل

ہے رنگِ لالہ و گُل و نسریں جدا جدا — ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

حالانکہ ہے یہ سیلیٔ خارا سے لالہ رنگ — غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

ایک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ — خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گل چیں ہے

موقوف کیجیے یہ تکلف نگاریاں — ہوتا ہے ورنہ شعلۂ رنگِ حنا بلند

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب — اس رہگزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

گل غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے — اے آگہی، فریبِ تماشا کہاں نہیں!

غالبؔ نے رنگوں کے انتخاب سے اپنی دلی کیفیات کا اظہار کیا ہے، رنگوں کا یہ استعمال ہمیں متاثر کرتا ہے اور رنگوں کے ذریعہ ابلاغِ ذات کی مقصدیت بھی واضح ہو جاتی ہے، غالبؔ کا یہ شعر دیکھئے:۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالبؔ
چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

غالبؔ کہتے ہیں باغ میں رنگ برنگ کے پھولوں کو کھلا ہوا دیکھ کر یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ چشم حقیقت بیں کو ہر رنگ میں وا ہو جانا چاہیئے، یعنی رنگوں سے لطف اندوز ہونا چاہیئے' انسان کو چاہیئے کہ باغِ جہاں میں ہر رنگ کا لطف اُٹھائے تاکہ صانع حقیقی کو پہچان سکے، ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر رنگ کے سیر و تماشے سے اچھا بُرا نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے۔ غالبؔ نے" ہر رنگ" (قرآن میں رنگ کے ساتھ مختلف کا لفظ استعمال ہوا ہے مُختلفٌ الوانہٗ) کا جلوہ یہاں بھی دکھایا ہے:۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

شمع کی لو میں سات رنگ مختلف اوقات میں نظر آتے ہیں، سُرخ، سبز، زرد، نیلا، نارنجی، اُودا اور آسمانی۔

حسنِ فطرت میں جلال و جمال دونوں رُخ موجود ہیں، جن چیزوں میں شان و شکوہ، جبروت و عظمت یا وجاہت و ہیبت پائی جاتی ہے اُسے جلال کا نام دیا جاتا ہے مثلاً آفتاب، آبشار، سمندر اس کی مثال ہیں، جن چیزوں میں لطافت و نزاکت پائی جاتی ہے اُسے جمال کا نام دیا جاتا ہے جیسے لالہ و گل، شبنم یا سبزہ زار، لیکن کبھی کبھی جلال میں جمال اور جمال میں جلال بھی پایا جاتا ہے، آفتاب میں جلال ہے وقتِ صبح اس میں گلابی رنگ کی آمیزش سے جمال نظر آنے لگتا ہے، یہ پہلو میر انیسؔ اور غالبؔ کے علاوہ کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا، میر انیسؔ آفتاب کا جمال اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

میر انیس نے آفتاب کا جلال اس طرح پیش کیا ہے:۔

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہانتاب

آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے

نکلا ہے چیر کر شب یلدا کو آفتاب

آمد ہوئی جو خسروِ زرّیں کلاہ کی

غالب نے بھی طلوعِ آفتاب میں جلال و جمال کے پہلو دیکھے ہیں، آفتاب کا سُرخ رنگ انھیں متاثر کرتا ہے " نگارِ آتشیں رُخ " اور بادۂ گلرنگ کا ساغر" کہہ کر آفتاب کی سُرخی کو واضح کیا ہے، سُرخی میں سُنہرے پن کی جھلک " جامِ زر" سے واضح کی ہے:۔

طلوعِ آفتاب

صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اک نگارِ آتشیں رخ سر کھُلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھُلا
لا کے ساقی نے صبوحی کے لئے — رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھُلا

غالب کی شاعری میں سُرخ کی بہ نسبت سبز رنگ بہت کم استعمال ہوا ہے، سبز رنگ کیلئے وہ بعدِ رنگِ گلستاں، جوہرِ آئینہ، تاک، جامِ زمرّد، زنگار، سبزۂ خط، آئینۂ سبز، سبزۂ کہسار، چمنِ زنگار کے استعارے استعمال کرتے ہیں:۔

سبز رنگ

سبزۂ خط سے ترے کاکلِ سرکش نہ دبی — یہ زمرّد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

غالبؔ کی نظر میں آئینہ سبز ہے، آئینہ کا جوہر کا رنگ سبز ہوتا ہے اور وہ سبز رنگ کو طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں:۔

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا

آئینہ، طوطی اور سبز رنگ کے موضوع پر فارسی اور اردو میں بے شمار اشعار موجود ہیں آبرو کا شعر ہے:

عارض کے آئینے پر تمنا کے سبزۂ خط
طوطی اگر جو دیکھے گلزار بھول جاوے

غالبؔ کو "سیاہ رنگ" بھی پسند ہے، وہ نقشِ سویدا، سرمایۂ دود، آرائشِ خم کاکل، بلبل قفس رنگ، دودِ چراغ، سیاہی، افعی، داغِ پلنگ، جیسے استعاروں سے سیاہ رنگ کی

عکاسی کرتے ہیں، غالب کی شاعری میں سیاہ رنگ غم و آلام، پریشانی، مصیبت و اندوہ کی علامت ہے:۔

سیاہ رنگ

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے ہجراں کی

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی ہوا جامِ زمرد بھی مجھے، داغِ پلنگ آخر

چیتے کے جسم پر سیاہ دھبوں (داغِ پلنگ) کو غالب نے سبب وحشت و پریشانی قرار دیا ہے، اسی طرح بلبل کے سیاہ رنگ کا استعارہ قفس کے سیاہ رنگ سے کیا ہے:۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفس رنگ

ایک آدھ مثالیں غالب کی غزلوں میں زرد، نیلا اور سفید رنگ کی موجود ہیں۔

زرد رنگ

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس رنگ کا زرد، پہ کہاں بو باس

نیلا رنگ

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

سفید رنگ

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

فیروزی رنگ کا استعمال میر انیسؔ اور غالبؔ کے علاوہ کسی اور شاعر کے ہاں نظر نہیں آیا، میر انیسؔ فیروزی رنگ سے متاثر ہوئے ہیں:۔

دُرِ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب فیروزی میں پیاس کی شدّت کی لعلِ لب

افزائشِ جوہر تھے عیاں حُسنِ اثر تھے فیروزے کے پتّے تھے جواہر کے شجر تھے

ہو جاتا ہے دھوکا فلکِ نیلوفری پر فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر

غالبؔ نے صرف ایک جگہ فیروزی رنگ کا ذکر کیا ہے، وہ "فیروزہ کی تسبیح" سے متاثر ہوئے ہیں:۔

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

غالبؔ نے آئینہ سیما، برنگ پنبہ، بلوریں جام، بیضۂ قمری، بیضۂ آسا سے سفید رنگ اور جام زر، پرتو خورشید، پرتو خور، پرفشانی شمع، تاج زریں، تارِ شعاع سے سنہرے رنگ بنائے ہیں۔ جس طرح سودا چھینٹ (پھول دار سوتی کپڑا) سے متاثر ہوئے ہیں غالبؔ بھی پر نیاں (پھول دار ریشمی کپڑا) سے متاثر ہوئے ہیں۔

قلی قطب شاہ سے غالبؔ تک اُردو شاعری میں رنگوں کا استعمال کا تفصیلی

جائزہ پیش کیا گیا، جب آپ میر انیسؔ کے یہاں رنگوں کا استعمال دیکھیں گے آپ خود یہ فیصلہ کریں گے کہ یہ سارے شعرا میر انیسؔ کے مشاہدے، نفسیات، سائنس، حکمت اور مصوری کے مقابل کم رتبہ نظر آتے ہیں۔

میر انیسؔ ہر صدی کے عظیم شاعر ہیں یہ بات ہر شاعر کو کہاں نصیب ہے!

اُردو مرثیے میں رنگوں کا استعمال

مرثیہ اُردو شاعری کا اہم ترین جز ہے، غیر تقلیدی اور جدید صنفِ سخن، اُردو شاعروں کی ایجاد اور آفاقی شاعری میں اُردو زبان کا ایک زندہ و پائندہ حُسن و جمالیات کا ایسا شاہکار ہے جو ہزار ہا رنگ برنگی تصویروں سے آراستہ ہے اور ہر تصویر مصوری کا کمال، ذوقِ سماعت کے لئے بہترین رزق ہے کہ اس میں شہیدوں کا تذکرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری میں مرثیہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی اور صنفِ سخن کو نہیں ہو سکی۔

شجاعت علی سندیلوی لکھتے ہیں:۔

"یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ حسرت و غم کی داستان، عیش و طرب کے نغموں سے زیادہ پسند کرتی ہے اس لئے مرثیہ کا تعلق ہر شخص سے قلبی اور بنیادی ہے، اس قلبی اور بنیادی تعلق کے ساتھ مرثیہ میں مذہبی رنگ اور عقیدت پیدا ہو جانے سے اس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے"۔[1]

میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، میاں دلگیرؔ اور مرزا فصیحؔ کے عہد میں مرثیے کی بنیادیں مستحکم ہوئیں، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے اسے معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔

میر ضمیرؔ کے حالاتِ زندگی میں مصحفیؔ نے لکھا ہے۔ "جب مشقِ سخن میں انتہا کو پہنچے تو مرثیہ گوئی میں نام پیدا کیا۔" (ریاض الفصحا)۔ میر ضمیرؔ کے مرثیے نولکشور پریس نے شائع کر دیئے تھے پھر بھی سیکڑوں مرثیے اب تک غیر مطبوعہ ہیں ہمارے کتب خانہ میں ان کے غیر مطبوعہ مرثیوں کی دو قلمی جلدیں موجود ہیں۔ بہت سے مرثیے میری کتاب

---

[1] تعارف مرثیہ ص۸: شجاعت علی سندیلوی۔ ادارۂ انیس اردو الہ آباد ۱۹۵۹ء

"تاریخِ مرثیہ نگاری" میں شامل ہیں۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ ڈاکٹر اکبر حیدری نے ضمیرؔ، دبیرؔ، مشرقؔ، سعیدؔ اور نصیر الدین حیدر کے بہت سے مرثیے میر خلیقؔ کے نام سے شائع کر دیئے ہیں۔ میر غلام علی فیض آبادی نے آج سے ایک سو بیس[۱] برس پہلے "ذخیرۂ ثواب" نامی کتاب میں میر انیسؔ اور میر مونسؔ کے مرثیے میر خلیقؔ کے نام سے شائع کر دیئے تھے، ایک سو بیس[۱۲] برس بعد ڈاکٹر اکبر حیدری نے اُن کی روایت کو دھراتے ہوئے میر خلیقؔ کی جلد میں دوسرے مرثیہ نگاروں کے مرثیے شائع کر دیئے، افسوس وہ ایسا نہ کرتے اُنہوں نے خلیقؔ کی مرثیہ گوئی کو دوبارہ مشکوک بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری زحمت فرما کر علی گڑھ یونیورسٹی چلے جاتے اور ذخیرۂ مسعود حسن ادیب مرحوم سے میر خلیقؔ کے چند مرثیے فوٹو اسٹیٹ لے آتے وہ شائع کر دیتے یا راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے سے میر خلیقؔ کے مرثیے حاصل کر لیتے وہاں میر خلیقؔ کے دو سو[۱۳] مرثیے غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ ان مرثیوں میں سے ستر مرثیوں کی فوٹو اسٹیٹ نصیر رضا صاحب سلطان بہادر روڈ لکھنؤ کے پاس موجود ہیں۔ یہ تمام مرثیے میرے دیکھے ہوئے ہیں۔

کیا آپ کو اس پر حیرت نہیں ہے کہ میر ضمیرؔ کا مشہور مرثیہ جو عرصہ دراز سے تحقیقی و تنقیدی کتابوں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

"کس نور کی مجلس میں مری جلوہ گری ہے"

میر خلیقؔ کے نام سے ڈاکٹر اکبر حیدری نے شائع کر دیا ہے۔

میر ضمیرؔ اور میر خلیقؔ جدا گانہ رجحان کے شاعر تھے دونوں کا رنگ پہچاننا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے مولانا محمد حسین لکھتے ہیں:۔

میر ضمیرؔ استعدادِ علمی اور زورِ طبع کے بازوؤں سے بہت بلند پرواز کرتے تھے اور پورے اُترتے تھے۔ میر خلیقؔ مرثیت کے کوچے سے اتفاقاً ہی قدم آگے بڑھاتے تھے۔ وہ مضمون آفرینی کی ہوس کم کرتے تھے اور ہمیشہ محاورہ اور لطفِ زبان کو خیالات درد انگیز کے ساتھ ترکیب دے کر مطلب حاصل کرتے تھے۔ اور یہ جوہر اس آئینہ کا کافی اور خاندانی وصف تھا۔ ان کا

کلام بہ نسبت سبحان اللہ واہ واہ کے نالہ و آہ کا زیادہ طلب گار تھا۔[1]

میر ضمیر کے مرثیوں میں رعایتِ لفظی و مناسبات لفظی و معنوی کا شکوہ اور خیال میں معنی آفرینی عام طور پر ملتی ہے، وہ واقعات کی مصوری کا دعوی کرتے ہیں، خد و خال کی تصویر کو رنگینیٔ مضمون سے مزین کر دیتے ہیں، ایک مصور کے فن سے اپنے فن کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

رنگینیٔ مضموں کی کہاں جلوہ گری ہے ۔۔۔ سو رنگ سے تصویر مصور نے بھری ہے

مضمون آفرینی اور خیال پیمائی میں وہ جمالیات کا مظاہرہ کرتے ہیں:۔

جب چرخ کا وہ طائرِ زریں نظر آیا ۔۔۔ زاغِ سیہ شب نے نشیمن کو اٹھایا

مرغابیٔ انجم نے جو اک پرتوہ پایا ۔۔۔ غوطہ وہیں اس قلزم اخضر میں لگایا

پر آ جو گئے طائرِ بیضہ کی چمک پر

گم ہونے لگا بیضۂ مہتاب فلک پر

غالب نے بعد میں اسی رنگ میں شہرت حاصل کی۔

میر ضمیر یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ:۔

نقاش میں یہ صنعتِ تصویر نہیں ہے

تصویر دکھاتا ہوں یہ تقریر نہیں ہے

حسنِ فطرت کی سچی تصویر میں وہ اس طرح رنگ بھرتے ہیں:۔

گھٹنا مہ و انجم کی تجلی کا وہ کم کم ۔۔۔ وہ نور کا تڑکا ادھر اور صبح کا عالم

میر ضمیر جمالیاتی شاعر ہیں، وہ پہلے مرثیہ نگار ہیں جن کے مرثیوں میں رنگوں کا استعمال بھرپور مصوری کے ساتھ ملتا ہے۔ سرخ رنگ نمایاں ہے اور سب سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ نیلا، زرد، سنہرا، سفید، سیاہ، سبز اور عباسی رنگ نظر آتا ہے۔

سرخ رنگ

کیا لالۂ خودرو نے کیا دشت کو رنگیں ۔۔۔ تھا دامنِ صحرا صفتِ دامنِ گلچیں

---

[1] آب حیات: مولانا محمد حسین آزاد ص ۳۴۸ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

بے شبہ کسی گُل کی قبا خوں سے بھری ہے　　آلودۂ خوں موجِ نسیمِ سحری ہے

شمشیر جو تھی رنگ میں الماس کی تمثال　　مرجان کی تھی شاخ کہ بس خوں سے ہوئی لال

گلگوں سرِ ہر سورہ ہے شنجرف سے تسطیر　　یعنی کہ یوں ہی غرق بہ خوں تھا تنِ شبیرؑ
سُرخی سے ہے ہر آیہ رقم جائے سیاہی　　ہر آیہ بھی اس خوں کی دیوے گا گواہی

عارض کو میں کیونکر لکھوں یہ سیب نہیں ہے　　ہے سیب بھی ایسا جسے آسیب نہیں ہے

نوشہ کے زیبِ جسم جو خلعت ہے سُرخ رنگ　　پہنا ہے آج اس پہ زرہ کو برائے جنگ
دریائے خوں کا دام قضا میں پھنسا نہنگ　　گویا شفق کو شام نے بر میں لیا ہے تنگ

دیکھو بچشمِ غور ذرا اس بہار کو
سنبل نے چھا لیا ہے چمنِ لالہ زار کو

سبز رنگ

اُٹھایا حضرتِ عباسؑ نے جو سبز نشاں　　لگے لرزنے سب اہلِ زمیں و اہلِ زماں

اُدھر کی فوج میں چمکے نشان رنگا رنگ　　پھریرے اُن کے نظر آئے جو گل اور رنگ
علم رسولِؐ خدا کا کھُلا بعرصۂ جنگ　　زمیں میں دوڑ گئی روشنی کئی فرسنگ

علم کا سبز پھریرا جو لہر کھاتا تھا
فلک پہ پنجۂ خورشید تھرتھراتا تھا

حضرت علی اکبرؑ

سبزۂ خط نظر آتا ہے رُخِ گلگوں پر　　کانِ یاقوت سے نکلا ہے زمرد باہر
یہ زمرد نہیں اس حُسن کے گنجینے میں　　عکس گویا پرِ طوطی کا ہے آئینے میں

حضرت قاسمؑ

باندھا ہے سر پہ سبز عمامہ با فتخار — دکھلا رہا ہے یہ حَسنی رنگ کی بہار
اور بر میں سُرخ خلعتِ شادی ہے آشکار — اور سبز سُرخ رنگ کا سُن تو مآلِ کار

مطلب یہ ہے بتولؑ کے اس نورِ عین کا
میں جامعِ شرف ہوں حسنؑ اور حسینؑ کا

سیاہ رنگ

طولانی تھی وہ رات بسانِ شبِ بیمار — یا تھی شبِ یلدا، شبِ دیجور، شبِ تار

قبضہ میں ہے ہر اک کے کمانِ سیاہ رنگ

اُترا پھر آسمان سے اک ہودجِ سیاہ

سیاہ اور سفید

ہے گیسوئے مسلسل شب میں رُخِ سحر — دکھلا رہی ہے لطف لباسِ سفید پر

سبز اور سفید

نفیس رن میں وہ پوشاک تھی کہ صلِّ علا — کسی کا سبز عمامہ کہیں سفید قبا

طلائی اور سُرخ

تھا خطِ شعاعی سے طلائی ورقِ صبح — جوں جدولِ شنجرف بہارِ شفقِ صبح

نیلا اور سنہرا

آراستہ تختِ فلکِ نیلوفری تھا — فرقِ شہِ خاور پہ دھرا تاجِ زری تھا

زرد

خوں بہہ گیا ہے سب نہیں ملنے کی تاب ہے — رخسار زرد مثلِ گُلِ آفتاب ہے

طلائی

قرآں سے مساوی ہے شرف آلِ عبا کا — یاں لوحِ طلا ہے وہاں گنبد ہے طلا کا

عباسی رنگ

سایہ گل عارض کا چمن میں جو پڑا تھا　　پیدا گل عباس اُسی دن سے ہوا تھا

مہندی رنگ

وہ اس کے ہاتھ میں مہندی قضا لگائے گی　　کہ جس کی سُرخی کبھی ہاتھ سے نہ جائے گی

مرزا فصیح کی مرثیہ گوئی کے لئے مصحفیؔ نے لکھا ہے کہ "انہوں نے مرثیہ گوئی میں شہرت حاصل کی اور علم عروض و قافیہ پر بھی دستگاہ رکھتے ہیں (ریاض الفصحا) مرزا فصیح کے مرثیوں کی ایک مطبوعہ جلد اور چند مثنویاں، ایک قلمی مرثیوں کی غیر مطبوعہ جلد ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مرزا فصیح کی حیات اور شاعری پر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب "تاریخ مرثیہ نگاری" اور "دبستانِ ناسخ" میں لکھا ہے۔

مرزا فصیح کے مرثیوں میں ماورائے سوزوگداز، چہرہ، بہار، جنگ، سراپا، تلوار کی تعریف اور توصیف اسپ وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے مرثیوں میں فصاحت اور روانی پائی جاتی ہے۔ اُن کی قوتِ مشاہدہ تیز اور حسنِ فطرت پر گہری نظر ہے۔ اُن کے مرثیے جمالیاتی شاعری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مرزا فصیح اپنی عمر کے آخری حصے میں مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے تھے، اس زمانہ میں ان کا مسکن "شعب ابی طالبؑ" تھا۔ انہوں نے ایک سلام خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر کہا تھا ظاہر ہے محرم میں خانۂ کعبہ کا سیاہ پردہ ایک تاثر قائم کرتا ہوگا۔ وہ سیاہ رنگ کا خصوصی ذکر کرتے ہیں

سلام لکھتا ہوں حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے
سر اپنا کعبہ کے سنگِ در پہ سیاہ پردہ پٹک رہا ہے

مرزا فصیح کی شاعری میں الفتِ الوان اور رنگوں کے استعمال کا گہرا شعور پایا جاتا ہے، انہوں نے ایک پورا سلام "رنگ" کی ردیف میں تصنیف کیا ہے، جس میں سبز رنگ، گلنار رنگ، آسمانی رنگ، سُرخ رنگ، زرد رنگ، نیلا رنگ، دھنک رنگ، ارغوانی رنگ، زعفرانی رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ، سنہرا رنگ، خاکی رنگ تقریباً چودہ پندرہ رنگوں سے مستوری کی ہے :-

سلامی سبز تھا شبیرؑ کے نشاں کا رنگ　　گل انار علمدار جاں فشاں کا رنگ

زمین آلِ پیمبرؐ کے خون سے سُرخ ہوئی　　کبود کیوں نہ ہو اس غم سے آسماں کا رنگ

غبار زرد اُڑا کربلا میں روزِ ورود　　چمن پہ فاطمہؑ کی چھا گیا خزاں کا رنگ

مجبو دیکھی ہے سوسن کی پنکھڑی سوکھی　　یہ تشنگی سے سکینہؑ کی تھا زباں کا رنگ

گلے پہ تیر کی پیکاں لگی جو اصغرؑ کے　　لہو سے لال تھا سوفار سا دہان کا رنگ

ملک پکارے کہ اے حرملہ تو ہے شیطاں　　برنگ قوسِ قزح ہے تری کماں کا رنگ

ہوئے تھے عابد بیمار تپ سے ایسے نحیف　　کہ پوست سے نظر آتا تھا استخواں کا رنگ

ہرا ہرا علمِ شاہ دیکھ کر بن میں　　ہوا ہے شرم سے فق سروِ بوستاں کا رنگ

ملی جو رخصتِ میداں تو خوش ہوا نوشاہ　　عیاں ہوا رخِ زیبا سے ارغواں کا رنگ

دولھن کا چہرہ ہوا مارے غم کے ایسا زرد　　کہ جس کے آگے ہو شرمندہ زعفراں کا رنگ

شگفتہ پھول ہو لالہ کا ڈنڈہا جیسے　　یہ شہربانو کے تھا چشمِ خوں چکاں کا رنگ

ابوترابؑ کے فرزند خاک پر سوئے　　پسند انھوں نے کیا اپنے خانداں کا رنگ

سفید رنگ تھا عابد کا تندرستی میں　　پہ ایک حال پہ رہتا نہیں جہاں کا رنگ

اٹھا جو درد جگر میں تو ہو گیا منھ سبز　　چڑھی جو تپ تو ہوا زرد ناتواں کا رنگ

جو تازیانہ لگا ہو گیا بدن نیلا　　جو غیرت آئی ہوا سُرخ اُس جواں کا رنگ

سفر میں جبکہ پڑی دھوپ اور سموم چلی　　ہوا سیاہ اسیروں کے ساربان کا رنگ

اسیر روتے رہے بھوکے پیاسے تیجے تک　　نہ دیکھی آب کی صورت نہ دیکھا ناں کا رنگ

ہوئی جو راہ منور قدم سے عابدؑ کے　　اڑا فلک پہ خجالت سے کہکشاں کا رنگ

چمن میں جیسے زرِ گل کرے خزاں تاراج　　لٹا عراق میں یثرب کے کارواں کا رنگ

ملا فصیحؔ مجھے رتبہ در سے آقا کے
کہ میرے چہرے پہ ہے خاک آستاں کا رنگ

مرزا فصیحؔ کی بنائی تصویروں میں سُرخ رنگ بہت گہرا ہے۔

سُرخ رنگ

رومال اپنا لال کیا حر کے خون سے — آتی تھی بوئے عطر بہادر کے خون سے

نقشہ مرے قاسم کا ہے یا نقشِ فنا ہے — یہ ہاتھ بھرے خوں میں ہیں یہ رنگِ حنا ہے

گلگوں ہوا ہے رنگِ بیابانِ کربلا — گویا کہ بحرِ خوں تھا وہ میدانِ کربلا

لہو میں تیغ جوہر دار کے جوہر چمکتے تھے — پھولی شفق تو سرخ ہوا روئے آسماں

ہے ہے علم کیوں سُرخ ہے پٹکا لہو سے لال ہے

ماتھے پہ خوں بھرا ہوا چاند پہ جیسے ہو شفق

"آل" ایک درخت ہے جس کی جڑ سے سُرخ رنگ نکلتا ہے، ترکی زبان میں "آل" سُرخ رنگ کو کہتے ہیں، مرزا فصیح کا یہ شعر دیکھئے :-

منہ ہے اتنا غبار میں پر لال لال ہے — یارب یہ رنگ آل ہے یا رنگِ آل ہے

مرزا فصیح کے ایک مرثیے میں پورا بند سُرخ رنگ کی مصوری کا کمال ہے :-

جب کربلا میں صبحِ شہادت ہوئی عیاں — پھولی شفق تو سُرخ ہوا روئے آسماں

عکسِ شفق سے خیمے نظر آئے خوں چکاں — اور سرخ پوش سب نظر آتے تھے نوجواں

کہتے تھے سر کٹاتے ہیں اب کیا درنگ ہے

چہرے پہ غازیوں کے شہادت کا رنگ ہے

سبز رنگ

سرسبز مثلِ سرو، وہ میدانِ شان ہے — ساتھ اس علم کے دیکھو تو کیا کیا جوان ہے

سر ہو سناں کی نوک پہ تن جلتی ریت پر — سرسبز سُرخ رو ہوں شہادت کے کھیت پر

وہ بولڑ کا نظر آتا ہے وہی قاسمؑ ہے — علم سبز لئے ماہ بنی ہاشم ہے

نشان سبز شہؑ دیں ہے سرو باغِ مراد — اور اس نشاں کا حامل ہے غیرتِ شمشاد

سفید رنگ

کفن گلے میں پہن کر وہ سرفروش آیا — بصورتِ گُلِ شبُّو سفید پوش آیا

کفن میں لپٹا ہوا ہے قاسمؑ نہ لال سہرا نہ زرد گنگنا ہے
سفید تحت الحنک بندھی ہے سفید شملہ لٹک رہا ہے

سنہرا رنگ

پانی لے آیا نہر سے غازی کا تہرا دیکھنا — کیسا چمکتا ہے پڑا پرچم سنہرا دیکھنا

تارا سا چمکا دور سے پرچم طلائی دھوپ میں — خوش ہو کے دوڑی تشنہ لب سایہ کو آئی دھوپ میں

وہ لوگ جادہ فردوس کو نہ بھولے تھے — جو سرِ سناں پہ تھے سورج مکھی سے پھولے تھے

مرزا فصیح مختلف رنگوں کے (Contrast) سے امتزاجی مصوری کا کمال دکھاتے ہیں، مریخ سُرخ ہے اور کشت دخون کا سیارہ ہے، زُحل کا رنگ سیاہ ہے جو غم و آلام کا سیارہ ہے :-

مریخ کی نگاہ ہے سادات کی طرف
رجعت زحل نے کی ہے خرابات کی طرف

سیاہ ، سُرخ ، سنہرا

صف آرائی ہوئی جب کربلا میں فوجِ شامی کی　　کھلے کالے علم اور بیرقیں چمکیں تمامی کی

اس وقت حضرت عونؑ و محمدؑ فرماتے ہیں :-

اجازت ہو تو یہ کالے پھریرے لال کر ڈالیں
سنہری بیرقیں کالے علم پامال کر ڈالیں

سبز اور سُرخ

حسینی علم کا پھریرا ہرا تھا　　علمدار کے پر لہو میں بھرا تھا

مرزا فصیح کے ایک بند میں زرد، نیلا، سُرخ، سیاہ اور سفید کے امتیازی رنگوں کی مصوری کی گئی ہے :-

رخ زرد گرد سے بھرا، نتھے بہت بڑھے ہوئے سر کے بال
بیڑی ایسی پاؤں میں بیڑیاں کہ اتر گئی تھی رگڑ سے کھال
تھی ہر اک ہاتھ میں ہتھکڑی، ہوئے جن سے پہنچے تھے پوست پال
کئی نیل پیٹھ پہ تھے عیاں کئی زخم سینے پہ لال لال
کئی سلسلوں سے حدید کے تن زار خوب کسا ہوا
نظر آیا طوقِ سیاہ میں وہ گلاب پھنسا ہوا

میر خلیق نے غزل گوئی میں شہرت پائی بعد میں مرثیہ گوئی کی طرف رجوع کیا، خلیق کی زبان محاورہ اور روزمرہ کے اعتبار سے لکھنؤ میں ایسی مستند سمجھی جاتی تھی کہ بقول مولانا محمد حسین آزاد ناسخ بھی اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ بھئی زبان سیکھنا ہے تو میر خلیق کے یہاں جایا کرو ۔" (آبِ حیات)

میر خلیق کے مرثیے پروفیسر مسعود حسن ادیب، ڈاکٹر مسیح الزماں، مولانا مرتضیٰ حسین فاضلؔ، ڈاکٹر سلمان حسین اور ڈاکٹر اکبر حیدری وغیرہ نے خاصی تعداد میں شائع کر دیئے ہیں، اب شبلی نعمانی کا دعویٰ کہ "خلیق کے مرثیے دستیاب نہیں" غلط ثابت ہو گیا ہے۔

ہمارے کتب خانہ میں میر خلیقؔ کے ستّو ابہترین قلمی مرثیے موجود ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں؛ ۱۹۷۴ء میں ہم نے میر خلیقؔ کے ۲۰ غیر مطبوعہ مرثیے مرتب کئے تھے جس کی فرہنگ اور مقدمہ بھی تیار ہے، مصروفیات کی وجہ سے اس کے چھپنے کی نوبت اب تک نہیں آئی، میر خلیقؔ کے بہت سے غیر مطبوعہ مرثیے ہماری کتاب "تاریخِ مرثیہ نگاری" میں شامل ہیں میر خلیقؔ کے تفصیلی حالات اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ ہماری کتاب "خاندانِ انیسؔ کے نامور شعراء" میں شامل ہے۔ میر خلیقؔ کے مرثیوں میں "چہرہ" نہیں ہوتا ایک تمہیدی بند کے بعد اصل مرثیہ شروع ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں لکھتے ہیں:-

"مجموعی حیثیت سے خلیقؔ کی مرثیہ گوئی رخصت اور بین کی شاعری ہے جس میں انھوں نے جذبات و احساسات کے اتار چڑھاؤ نمایاں کر کے غم و اندوہ کی تصویریں نمایاں کی ہیں"۔[1]

میر خلیقؔ کی توجہ زیادہ تر مرثیت پر رہتی ہے اس لئے اُن کے مرثیوں میں حسنِ فطرت اور جمالیاتی فضا قائم نہیں ہو سکی، اُن کی شاعری میں رنگوں کا استعمال موجود ہے لیکن ضمیرؔ اور فصیحؔ کی طرح حُسن ادا اور مصوّریٔ الفاظ کمال تک پہنچتے نظر نہیں آتے۔ اُن کے مرثیوں میں سُرخ رنگ، سبز رنگ، نیلا رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور گیروا رنگ کی تصاویر موجود ہیں۔

سُرخ رنگ

چہرہ گُلِ شاداب ہے قد سروِ رواں ہے
گل برگ لب لعل ہے غنچہ سا دہاں ہے

یا حل کیا شنجرف ہے سونے کے ورق میں
یا آگیا ہے پنجۂ خورشید شفق میں

تھا سُرخ جو پہنے ہوئے وہ بیاہ کا جوڑا
منھ چاند سا، دستار پہ لپٹا ہوا سہرا

دونوں لڑ کے تھے ولے فوجِ ستم دنگ ہوئی
تیغ وہ کی کہ زمیں خون سے گلرنگ ہوئی

---

[1] "اُردو مرثیے کا ارتقاء" صہ ۲۱۳ ڈاکٹر مسیح الزماں۔ کتاب نگر لکھنؤ ۱۹۶۸ء

جس دم نواحِ شہر سے آگے ہوئے رواں
نکلا شفق سے صبح کی خورشید آسماں

سوہے کپڑے جب پہنائے کہہ کے یہ اک آہ کی
اب تو ہو دولہن پھر آگے مرضی جو اللہ کی

رن میں فرزندوں نے زینبؑ کے وہ کی جنگ و جدال
اب تلک کوسوں تلک خون سے میدان ہے لال

سُرخ پہنے ہوئے موزے جو وہ جنگ آرا تھا
خوں کے دریا میں مگر اُس نے قدم مارا تھا

اتنے مارے گئے تھے ہاتھ سے اس غازی کے
ڈوب کر خوں میں حنائی ہوئے سُم تازی کے

حضرت علی اصغرؑ

صدقے ہو جاؤں میں اے ابنِ شہنشاہِ عرب
یاد آئیں گے بہت یہ مجھے یاقوت سے لب

جب شہؑ کے اقربا بھی ہوئے مستعدِ جنگ
تھے سُرخ آرزوئے شہادت میں اُن کے رنگ

اس وقت جو یہ سُرخ سی پوشاک ہے بر میں
یہ کپڑے تو تم نے کبھی پہنے تھے نہ گھر میں

سُرخ تھے صورتِ گُل جوشِ شجاعت سے لال
کاکل وہ سبزۂ خط سنبل و ریحان کی مثال

دندانِ سفید اور یہ لب پیشِ نظر ہیں
یا دُرج میں یاقوت کے دو سلک گہر ہیں

سبز رنگ

حسنؑ بھائی کا اُس نے زہر سے ٹکڑے جگر دیکھا
برنگِ سبز کرتے باغِ ہستی سے سفر دیکھا

یاں گود میں اپنا ہیں لئے غنچہ دہن ہوں کوئی غیر نہیں ہیں حسنؑ سبز کفن ہوں

حضرت قاسمؑ

عمامہ سبز تھا سر پر، گلے میں پیراہن جبیں پہ نور شجاعت کا حال زیرِ ذقن

حضرت علی اکبرؑ

کیا ہی خط نوخیز کے سبزے کا ہے عالم کس حُسن سے ہیں دوش پہ گیسوئے پُر خم

نیلا رنگ

بھائی پہ میرے ٹوٹ پڑا آسماں ہے نیلے ہیں ہونٹ پیاس سے سوکھی زباں ہے

تن کا نیلا ہے ہاتھ بھی اب تھرتھراتے ہیں پہنچوں سے نیلے ڈورے بھی اب اُترے جاتے ہیں

یہ مسیں بھیگ گئیں خون میں سب ہائے غضب سوسنی ہو گئے گلبرگ سے لب ہائے غضب

گیروا رنگ

تم نے مری بہنیا کی بھی آکر نہ خبر لی جوڑے کے بدل پہنے ہے وہ گیروی کفنی

زرد رنگ

چہرہ امام پاک کا پر گرد ہو گیا رکھتے ہی پاؤں رنگ زمین زرد ہو گیا

میر خلیق کے پوتے اور میر انیس کے فرزند میر نفیس نے زرد رنگ کی مصوری میں کمال دکھا دیا:

ہر مرتبہ زمیں سے جو اُٹھتی ہے گرد زرد خورشید زرد ہے فلکِ لاجورد زرد

دل زرد دُھوپ زرد، مقامِ نبرد زرد ڈر سے سیاہ کاروں کے چہرے تھے زرد زرد

ملتی ہے موت دیکھ کے منہ ہر جوان کا

جنگل بنا ہوا تھا، چمن زعفران کا

دلگیر کے تمام مرثیے رقت انگیز واقعات سے شروع ہوتے ہیں، تمہیدیں بہت کم ہیں اور جہاں ہیں وہاں بھی پہلے ہی بند میں گریز کے بعد اصل واقعہ شروع ہو جاتا ہے، ان کے مرثیوں کے چہروں میں وسعت نہ ہونے کی وجہ سے مناظرِ فطرت یا شاعرانہ تعلّی وغیرہ سے خالی ہیں۔

دلگیر نے مرثیے کی جدید ساخت کا بھی بہت کم ساتھ دیا تھا اس لئے چہرہ، رخصت، آمد، سراپا، رجز، رزم، تلوار اور گھوڑے کی تعریف کے مجموعی عناصر ان کے مرثیوں میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ گریہ و بکا، حصولِ ثواب، رقت انگیز جذبات نگاری اُنھیں زیادہ پسند تھی اس لئے جمالیات اور حُسنِ فطرت کے رنگ اُن کے یہاں نمایاں نہیں ہیں۔

دلگیر کی چار مطبوعہ جلدیں اور تین قلمی غیر مطبوعہ جلدیں ہمارے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ دلگیر کی حیات اور شاعری پر ہم نے اپنی کتاب "دبستانِ ناسخ" اور "تاریخِ مرثیہ نگاری" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دلگیر کے مرثیوں میں سُرخ رنگ، سیاہ رنگ، سفید رنگ، سبز رنگ، زرد رنگ کی کارفرمائی نظر آتی ہے لیکن ان کے مرثیوں میں رنگ نہ ہونے کے برابر ہے۔

سُرخ رنگ

رنگ میں لعلِ بدخشاں سے بھی جو ہو یہ فزوں ۔۔۔ خوش نما لگتی تھی اُن ہونٹوں پہ کیا سُرخیٔ خوں

خوں میں تر وہ نہیں آدنظر آتے ہیں ۔۔۔ شفق سُرخ میں دو ماہ نظر آتے ہیں

دانت تھے خوں بھرے ہونٹوں پہ چمکتے ایسے ۔۔۔ جیسے یاقوت کے خانوں میں ہو الماس جڑے

خوں کے یوں سیبِ زنخداں پہ لگے تھے دھبّے ۔۔۔ سُرخ گویا کہ وہ دو سیب تھے آدھے آدھے

کیا کہے شہ کی حالت کیا تھی ۔۔۔ پُر خوں عمامہ گلگوں قبا تھی

کیا بھول گئے جنگ دل و جان حسنؑ کی　　مسلخ کی طرح ساری زمیں سُرخ ہے رن کی

دیکھی آلودۂ خون بیٹے کی صورت جو تمام　　بین رو رو کے یہ کرنے لگی بانوئے امام
کیا بھلی لگتی یہ صورت ہے میں قربان گئی　　واہ کیا رنگ شہادت ہے میں قربان گئی

سیاہ رنگ

حرم کی ڈیوڑھی پہ سجادؑ ہیں خموش کھڑے　　بسانِ کعبہ ہیں عابدؑ سیاہ پوش کھڑے

تھے عماموں سے جو چہروں پہ نکالے گیسو　　لال رخساروں پہ لہراتے تھے کالے گیسو

لباس کالے ہیں ماتم زدوں کی صورت ہے

یہ سُن کر ابنِ حیدرؑ نے لہو آنکھوں سے برسایا　　سیہ ہودج سیہ محمل بنا کر سامنے لایا

کالی غم شبیرؑ میں رنگوائی ہے پوشاک

آ گئے دلگیر بیاں ماتم شبیرؑ نہ کر　　خامہ بھی اشک رونا ہے تحریر نہ کر

سفید رنگ

عیاں جس دم سفیدا ہو گیا صبح جدائی کا　　سحر ساں رنگ اُس دم فق ہوا زہراؑ کی جائی کا

زرد رنگ

سوکھے ہیں ہونٹ پیاس سے اور، رنگ زرد ہے

مہر کا اُس کے مقابل زرد چہرا ہو گیا

سبز اور سُرخ

سروِ رواں حسنؑ تھا تو تھا گلبدن حسینؑ
شبرؑ تو سبز پوش تھا خونیں کفن حسینؑ

سُنہرا

مثلِ خورشید کے پرچم کو چمکتے پایا

خاکستری رنگ

جب طبل جنگ کی ہوئی رن میں صدا بلند
شور نشور فوج عدو سے ہُوا بلند
ایسا غبار رن میں ہوا تا سما بلند
اک تازہ آسمان تھا بردئے ہَوا بلند
تھا آسماں کا وہی جو تھا زمیں کا رنگ
خاکستری ہوا فلکِ اوّلیں کا رنگ

مرزا دبیر کی شاعری میں رنگوں کا استعمال

مرزا دبیر ایک زندۂ جاوید شاعر ہیں جنہیں آج بھی اُسی ادب و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے جو ایک عظیم شاعر کو یاد کرنے کا حق ہے۔ ان کے کلام کی بیس[۲۰] جلدیں لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہیں۔ مرزا دبیر مضامین کے بادشاہ تھے۔ بیان پر زبردست قدرت رکھتے تھے۔ الفاظ اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ ان کے یہاں خیال کے عجیب عجیب مرقعے نظر آتے ہیں اور ان کی تلاش و جستجو کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ مرزا دبیر کا کلام فارسی کے بڑے بڑے شاعروں کے مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے، آج اُردو جو فارسی سے بڑی زبان بن چکی ہے۔ اس میں بڑا حصّہ مرزا دبیر کا ہے۔

مرزا دبیر کو حُسنِ فطرت سے لگاؤ ہے اور وہ جمالیات کے گرویدہ ہیں۔ اُن کی شاعری میں رنگین متحرک تصاویر کا انبار ہے۔ وہ رنگ اور رنگوں کی ماہیت سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں:-

دیکھا جلال میں جو گلِ مصطفےٰ کا رنگ
اڑنے لگا زمانے کی آب و ہوا کا رنگ

ہستی کے بوستاں میں چھایا فنا کا رنگ ہے چہرۂ حیات سے پیدا قضا کا رنگ

دریائے قہر سبطِ پیمبرؐ ہے جوش پر
طوفان کا شور ہے فلک نیلی پوش پر

سُرخ رنگ

پرتو فگن تھا چہرۂ سُرخ آفتاب کا صحن افق بنا ہوا تختہ گلاب کا

دکھلایا بحرِ نور کے مرجاں نے رنگ اور تیور کے طور اور تھے چیتوں کے ڈھنگ اور

کھولی شفق کی فصد تو رنگِ افق تھا فق گُل رنگ تھا صحیفۂ گردوں ورق ورق

بدلا ہوا جو سب نظر آیا جہاں کا رنگ خونِ شفق سے سُرخ ہوا آسماں کا رنگ

تھی گُل کی چھڑی، خون کے قطرے جو پڑے تھے آئینۂ شمشیر میں یاقوت جڑے تھے

جب خون میں ڈوبی ہوئی انبوہ سے نکلی تھا شور کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی[1]

گُل خاک سے اور لعل ہوئے سنگ سے پیدا اس مہر کا ہے فیض ہر اک رنگ سے پیدا

---

[1] یہ بیت مشہور مرثیے "وہ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے" میں ہے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے ماہنامہ "کتاب نما" مرزا دبیر نمبر میں صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ "یہ شعر مرزا دبیر کے کلام مطبوعہ یا غیر مطبوعہ میں نہیں ہے" مراثیِ دبیر جلد اول نو لکشور اور "جواہرِ دبیر" مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل، موازنۂ انیس و دبیر" شبلی نعمانی میں یہ بیت شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کی بے خبری پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

پیدا شفق صبح سے سب تھا یہ قرینہ
اب خون میں ڈوبے گا محمدؐ کا سفینہ

سُرخی یہ آسماں کی ہے اسرارِ کردگار
اک بے گنہ کے خون کا ہے رنگ آشکار

فوراً نچوڑتے ہی نیا اُس کا ڈھنگ تھا
حُلّہ نبیؐ کے لال کا یاقوت رنگ تھا

مریخ کا خنجر جو چلا ترکِ سحر پر
بن بن کے شفق خون چڑھا چرخ کے سر پہ

رگ رگ میں ملی نبضِ رواں گُل کے بدن کو
لالے نے کیا کھل کے سبک لعلِ یمن کو

پہنایا جامہ زیبوں کو اپنے لباسِ جنگ
پوشاک یوں بدن پہ کھلی جیسے گُل پہ رنگ

"انگلستان کا دانشور ہوگارتھ (م ۱۷۶۴ء) جو فلسفۂ جمالیات اور مصوری دونوں سے شغف رکھتا تھا، یہ دلچسپ بات کہتا ہے کہ فطرت کا حُسن اُس کی سادگی میں نہیں اس کی کجی و پیچیدگی میں ہے۔ لہریا دار لکیریں اس کے نزدیک زیادہ پُرکشش ہوتی ہیں اس طرح وہ مرصّع کاری کی اہمیت واضح کرتا ہے۔ مختلف رنگ اور مختلف رنگوں کا امتزاج بھی اُس کی رائے میں فطرت کے حُسن میں اضافہ کرتا ہے"[۱]

مرزا دبیر کی شاعری میں لہر یا دار رنگوں کا امتزاج قابلِ دید ہے، سُورج کے سات رنگ فطرت کی حُسن کاری میں مناظر کو پُرکشش بنا دیتے ہیں، مرزا دبیر کہتے ہیں:۔

کُہسار اوجِ نیّرِ قدرت سے دنگ تھے
کیا کیا شعاعِ مہر میں قدرت کے رنگ تھے

---

[۱] فلسفۂ جمال اور اُردو شاعری" صفحہ ۲۶ نور الحسن نقوی۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ

یہ شعاعیں فرات کے پانی کو رنگین بنا رہی تھیں، یہ مرزا دبیر کا مشاہدہ ہے، آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ برسات میں جب دھوپ نکلتی ہے پانی پر سبز اور سرخ عکس نظر آتے ہیں۔

کوئی حباب سُرخ تھا تو کوئی ہرا ہوا
پھولوں سے تھا فرات کا دامن بھرا ہوا

مرزا دبیر دھوپ کو سنہرا رنگ بنتے ہوئے دیکھ رہے ہیں :۔

پانی ہوئی جاتی ہے گھٹا ڈھالوں کی پھٹ کر
اک سونے کا نگ بن گئی ہے دھوپ سمٹ کر

حضرت عباسؑ کا علم سورج کی روشنی میں سنہرا رنگ بکھراتا ہوا "برقِ شرر ریز" بنا ہوا ہے :۔

پرچم وہ سنہرا صفتِ برقِ شرر ریز
ہر بار وہ پنجے کا لپکنا وہ ہوا تیز

برطانوی عالم جمالیات ایڈمنڈ برک (م : ۱۷۹۰ء) کہتا ہے :۔

"مصوری نقالی ہے اور شاعری اس سے ارفع"

جرمن ناقد و عالم جمالیات، لیسنگ (م : ۱۷۸۱ء) بھی اس طرح کی بات کہتا ہے :۔

"مصوری گونگی شاعری ہے اور شاعری منہ بولتی تصویر"

مرزا دبیر نے اپنی بنائی تصویروں میں جس طرح سفید رنگ استعمال کیا ہے یہ مصور کے اختیار میں نہیں، سچ پوچھیے تو مصور کی تصاویر میں ہم نے سفید رنگ کا صحیح استعمال کبھی دیکھا ہی نہیں مرزا دبیر کے فن کا کمال دیکھیے :۔

سفید رنگ

حضرت علی اصغرؑ

چادر نہ تھی، وہ چہرۂ پُر آب و تاب پر ٭ ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

چادر تھی یا کہ دھوپ تھی بانوؑ کے پھول پر ٭ یہ صبح کی سفیدی میں سورج تھا جلوہ گر

رو پوش زیرِ چادرِ مہتاب تھا قمر

بعض رنگ اس طرح اُڑتے ہیں کہ سفیدی نمایاں ہو جاتی ہے :-

گُل کا جو اڑا رنگ عجب ہوگئی تزئین
تھا دامن گل چیں صفتِ دامنِ نسرین

زرد اور سفید کا امتزاج بیضے کے علاوہ کہاں نظر آتا ہے :-

تھی حرصِ زر و سیم دل فوج میں قیدی
جس طرح سے اک بیضے میں زردی و سپیدی

نیلا اور سفید کا امتزاج خوشنما ہوتا ہے ، امریکہ کے جھنڈے میں دونوں رنگ دیکھے جا سکتے ہیں مرزا دبیر نے دونوں رنگوں کا استعمال بہت عمدگی سے کیا ہے :-

پھل تم نے کاٹا نیزہ کا ہم نے سپر کے پھول
یہ چاندنی کے پھول ہیں وہ نیلوفر کے پھول

سیاہ رنگ

مرزا دبیر کا ایک مرثیہ دفتر ماتم جلد سوم میں ہے جس میں ایک رنگریز کی روایت نظم کی ہے۔

مرثیہ کا مطلع ہے :-

" زندان میں چہلم جو ہوا اہلِ حرم کو " [۱]

قید خانۂ شام سے رہائی کے بعد حضرت سید سجاد نے ایک رنگریز کو بلوا کر کہا کہ ہم سب سوگ نشین ہیں ہمارے لباس سیاہ رنگ کے رنگ کرے آؤ ، رنگریز جب سیاہ لباس لے کر حاضر ہوا اس وقت کا ایک منظر یہ ہے :-

---

[۱] ڈاکٹر اکبر حیدری نے عادت کے مطابق مطبوعہ مرثیے کو غیر مطبوعہ ثابت کرکے "کتاب نما دلی" کے مرزا دبیر نمبر میں چھپوایا تھا جس میں بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کو ہر چیز غیر مطبوعہ ثابت کرنے میں بہت لطف آتا ہے۔

زینبؑ نے لباس اپنا اٹھا کر جو کیا چاک بالوں پہ ملی خاک جبیں پر بھی ملی خاک
منہ کر کے سوئے کرب و بلا بولی وہ غمناک بھیا ہیں پہنتی ہوں ترے سوگ کی پوشاک

تا حشر یہ کالی کفنی زیبِ بدن ہے
بس اب یہی پوشاک بھی اپنا کفن ہے

مرزا دبیرؔ "سفید اور سیاہ" کا contrast بھی پیش کرتے ہیں :-

دن رات کا ہے فرق سپید و سیاہ میں

مشرق کا سکہ مہر ہے مغرب کا ماہ ہے دن رات اختیارِ سفید و سیاہ ہے

سبز رنگ

مرزا دبیرؔ نے علم کی مصوری میں میر انیسؔ کی طرح سبز رنگ کو نہیں اُبھارا، اُن کے یہاں علم کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے لیکن تصویر میں رنگین عکاسی برائے نام ہے :-

سر پر علم کا سبز پھریرا کھُلا ہوا
کوثر کا رُخ کیے ہوئے سقّہ بنا ہوا

لہرا رہا ہے سبز پھریرا بہ آب و تاب پنجے پہ اس علم کے ہے قربان آفتاب

مرزا دبیرؔ کے یہاں کہیں کہیں سبز رنگ نظر آجاتا ہے مثلاً :-

اک سبز پردہ لاشۂ مسلمؑ پہ ہے کھنچا

مرزا دبیرؔ نے تلوار کی تعریف میں اس کے جوہر کے سبز رنگ کا ذکر کیا ہے لیکن میر انیسؔ نے جس طرح تلوار میں سبز رنگ پیش کیا ہے وہ بات مرزا دبیرؔ کے یہاں نظر نہیں آتی۔

مرزا دبیرؔ کا یہ بند دیکھیے :-

اہلِ ہنر میں سبزۂ جوہر کی تھی پکار — کیا بولتا تھا جنگ میں طوطیٔ ذوالفقار
رن لال اور ولایت اسلام سبزوار — صدقے کو آیا بلبل سدرہ ہزار بار
دل ہر ملک کا اس کے ہنر کھولنے لگا
طوطی کے ساتھ آئینہ بھی بولنے لگا

مرزا دبیر کا یہ بند پڑھ کر غالبؔ کا یہ شعر پڑھنے کو دل چاہتا ہے:۔
اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیٔ ناز
جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

غالبؔ کا مطالعہ کرنے والوں نے مرزا دبیرؔ کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ کوئی مشہور دانشور اب تک "موازنۂ دبیر و غالبؔ" لکھ چکا ہوتا، اور اگر کسی ادیب نے دونوں کا مطالعہ ایک ساتھ بھرپور انداز میں کر لیا تو ایک کتاب ایسی چھپ کر سامنے ضرور آئے گی کہ غالبؔ نے مرزا دبیرؔ سے کیا اکتساب کیا ہے۔

آئینہ رنگ

آئینہ ہے گھر زنگ کا یہ رنگ نہیں ہے
اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے

مرزا دبیرؔ کے یہاں زرد رنگ بھی کم ہے:۔
کس کے علم سے پنجۂ خورشید زرد ہے

خنجر کبھی نکلا تھا سو گرمی کے سبب سے — لرزہ، یرقاں، تپ شہ خاور کو ہے تب سے

زردار زرد ہو کے گُل اشرفی بنے — نصرانی خاک بن کے گِل ارمنی بنے

سبز اور سُرخ رنگ

عید کے دن جنت سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لئے لباس کا آنا، دونوں بچوں کا نانا رسولِ خدا سے رنگین لباس کی فرمائش کرنا، اس روایت کو مرزا دبیرؔ نے تفصیل سے

نظم کیا ہے۔ رنگوں کو مذہبی حیثیت اس روایت کی وجہ سے حاصل ہے۔

دونوں شہزادوں نے نانا سے فرمائش کہ ہم سفید نہیں بلکہ رنگین لباس زیب بدن کریں گے۔

ناگاہ کی نواسوں نے نانا سے التماس — رنگین جوڑے آج ہیں ہم جولیوں کے پاس

اور ہے سفید آپ کے فرزندوں کا لباس — یہ سُن کے غرقِ فکر ہوئے شاہِ حق شناس

خواہش جو رنگ کی ہوئی خیرالانامؐ کو

اُڑ اُڑ کے رنگ چہرے سے آیا سلام کو

جبریل مثلِ رنگ پریدہ فلک سے آئے — پیشِ نبیؐ خدا کا یہ رنگیں کلام لائے

جھک کر کہا حضورؐ ہیں کیوں اپنا سر جھکائے — جو رنگ کہیئے صانعِ قدرت ابھی دکھائے

حاکم ہو صبح و شام کے خورشید و ماہ کے

مالک ہو زرد و سُرخ و سفید و سیاہ کے

امام حسنؑ نے سبز رنگ پسند کیا اس لئے سبز رنگ کو امام حسنؑ سے نسبت ہے۔

پوچھا نبیؐ نے رنگ تو بولا وہ خوش کلام — نانا میں رنگ سبز کا خواہاں ہوں والسلام

تب پانی ڈالنے لگے جبریلؑ نیک نام — شہؐ نے دیا فشار تو وہ سبز تھا تمام

اس پیرہن سے قدرِ زبرجد سوا ہوئی

ہر تار پر بہارِ زمرّد فدا ہوئی

امام حسینؑ نے سُرخ رنگ کی فرمائش کی اس لئے سُرخ رنگ کو امام حسینؑ سے نسبت ہے۔

کی عرض جلد رنگیئے نہ دیر اب لگائیے — مڑ کر رسولِؐ حق نے کہا آگے آئیے

رنگتے ہیں ہم جمالِ مبارک دکھائیے — کس رنگ کا لباس ہو یہ تو بتائیے

ہنس کر کہا کہ آل کا درجہ بلند ہے

ہم کو تو سُرخ رنگ ازل سے پسند ہے

ابریق نے خمیدہ سر دست سر کیا — ظاہر وکیلِ حق نے پھر اپنا ہنر کیا

حُلّہ جنابِ شاہِ شہیداں کا نذر کیا　　قدرت کے آب و رنگ نے اپنا اثر کیا
فوراً نچوڑتے ہی بنا اس کا ڈھنگ تھا
حُلّہ نبیؐ کے لعل کا یاقوت رنگ تھا

مشغول شکر میں ہمہ تن پنجتنؑ ہوئے　　اور سبز پوش خضر کی صورت حسنؑ ہوئے
گلگوں قبا حسینؑ بوجہ حسن ہوئے　　بیساختہ رسولِ خدا خندہ زن ہوئے
بولے کہ خوب حُلّہ نور و ضیا دیئے
قدرت کے رنگ آج خدا نے دکھا دیئے

مرزا دبیرؔ کے ایک مرثیے میں جس کا مطلع ہے :-

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو

بند ۶۵ میں یہ شعر موجود ہے جس میں گلابی رنگ کا ذکر ہے :-

بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
جوڑا شہانہ اور گلابی عمامہ ہے

میرانیسؔ کے مشہور مرثیے میں :-

"جب نوجواں پسر شہؑ دیں سے جدا ہوا"

مشہور بند کی بیت دیکھیے :-

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی　　اللہ ری ضو جھپکتی تھی آنکھ آفتاب کی
تصویر تھی جنابِ رسالتمآبؐ کی　　پیری دکھا رہی تھی لطافت شباب کی

بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگین تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

میرے خیال میں میرانیسؔ کا مصرع غلطی سے دبیرؔ کے مرثیے میں مرتبین نے "دفترِ ماتم" شامل کر دیا ہے۔ دبیرؔ کے یہاں گلابی عمامہ کا ذکر صرف ایک مرتبہ ہے لیکن میرانیسؔ نے متعدد جگہ پر عمامے کا رنگ گلابی بتایا ہے مثلاً

وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ　　تعریف میں خود جس کی سرافگندہ ہو خامہ

میر انیسؔ کی رنگ شناسی

میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں (COLOUR) کا استعمال

"حیرت میں ہے بہزادِ بیاں صورتِ تصویر"

"طبع رنگیں ہو تو مشکل نہیں رنگ آمیزی"

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آکے پتنگ

رنگین تصویروں سے مزین ایک جدید رسالہ، شائقین فن یا پیشہ ور فوٹو گرافر کی رنگین فوٹو گرافی، رنگین پلاسٹک اور رنگین پیکٹ، رنگین فرنیچر اور پردے رنگین قالین، شادی بیاہ کے رنگین جوڑے، یہ سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ ہماری روزانہ زندگی میں رنگ کی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔ رنگ (colour) سے صرف ایک فنکار (Artist) ہی تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ طبیعیات، کیمیات، نفسیات کے ماہرین، انجینئر اور مالکانِ صنعت سب ہی اس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔" آج کل رنگ کی بھی سائنس ہے۔ رنگ ایسی چیز ہے جس کو ناپا جاسکتا ہے اور اعداد میں ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ رنگ ناپنے کی سائنس رنگ پیمائی کہلاتی ہے"۔ [1]

---

[1] "نوریات"۔ ایف ڈبلو سیرس پروفیسر علم طبیعیات ڈارٹ ماؤتھ کالج صفحہ ۵۲ (انگریزی)

امریکہ میں " نوری سوسائیٹی کی رنگ پیمائی کی کمیٹی" The Committee On Colorimetry Of Optical Society Of America

کا قیام اور دوسرے ملکوں میں رنگوں پر ریسرچ اس بات کا ثبوت ہے کہ موجودہ صدی کو اور آنے والی صدی کو رنگ کی صدی کہا جا سکتا ہے۔ جدھر بھی نظر پڑتی ہے رنگا رنگ چیزیں نظر آتی ہیں۔ رنگ انسان کے جذبات اور احساسات کو بہت لطیف طور پر اُجاگر کرتے ہیں۔ مگر اپنی نسبت کی وجہ سے کچھ رنگ خطرے، کچھ سکون، کچھ حزن و یاس اور کچھ مسرت کی علامت بنتے ہیں۔ رنگوں کی اپنی خاصیت ہوتی ہے۔ کچھ رنگ گرم اور کچھ سرد کہے جاتے ہیں۔ آگ اور سورج کی سُرخی حرارت اور گرمی سے مطابقت رکھتی ہے۔ خطوط اور سطح کے علاوہ چیزوں کا رنگ ان کو جاذبِ نظر اور خوبصورت بنانے کے لیے بڑا اہم ہوتا ہے۔"[2] خوبصورت قدرتی مناظر کا جن کو دیکھ کر منہ سے بے اختیار" سُبحان اللہ" نکلتا ہے، اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مجموعی طور پر ان مناظر میں رنگوں کی ہم آہنگی۔ رنگوں کا تناسب و توازن اور تسلسل کی کیفیات پائی جاتی ہیں[3]

قرآنِ مجید نے متعدد آیات میں کائنات کی رنگینیوں اور خوبصورت رنگین مناظر کے بارے میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ انسان جتنا بھی اس کائنات کی خلقت کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اُسے کائنات کی وسعتوں اور اس میں موجود نشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے جو خدا کی عظمت کا اقرار کرنے پر انسان کو مجبور کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید میں صاحبانِ بصیرت کو رنگوں (Colour) کے ادراک و فہم کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

وَ مَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۱۳)

" اور جو طرح طرح کے رنگ اور رنگوں کے مختلف شیڈ Shade اور رنگوں

---

[2]، [3] (Colour) انسائیکلوپیڈیا ص۲۱۵

کی چیزیں اللہ نے زمین میں تمہارے نفع کے واسطے پیدا کی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اُس میں بھی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے قدرتِ خدا کی بہت بڑی نشانی موجود ہے۔"

فزکس کے ماہرین نے رنگوں کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔
کچھ ماہرین کہتے ہیں بنیادی رنگ سات ہیں ۱ سُرخ (Red) ۲ نارنجی (Orange) ۳ زرد (Yellow) ۴ سبز (Green) ۵ نیلا (Blue) ۶ آسمانی (Indigo) ۷ بنفشی (اودا) (Violet)
نیوٹن نے سترھویں صدی عیسوی میں رنگوں کا یہ پیکر دریافت کیا تھا۔ انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ سورج کی روشنی کو جب ایک الوانِ منشوری (Prism.) سے گزارا گیا تو وہ رنگوں کی خوبصورت دھاریوں میں تقسیم ہوگئی، ایک اور ز نکو نا منشور (Prism.) اُن رنگوں کی دھاری کے سامنے رکھا گیا تو وہ رنگ دوبارہ سفید روشنی کی صورت میں یکجا ہوگئے۔ نیوٹن نے اس دھاری میں چھ رنگوں میں ایک اور رنگ آسمانی (Indigo) کا اضافہ کردیا، شاید نیوٹن کے ذہن میں یہ بات تھی کہ سات ایک طاقتور اور مبارک عدد ہے۔
نیوٹن کی تحقیق کے مطابق سُورج کا نور سات مختلف رنگوں سے مرکب ہے، انھیں سات رنگوں کے ملنے سے سفید رنگ وجود میں آتا ہے۔ سُورج کی شعاؤں کا جب تجزیہ کیا جائے تو یہی سات رنگ ظاہر ہوں گے اور بارش کے بعد فضا میں جب "قوسِ قزح" (دھنک) ظاہر ہوتی ہے تو اس میں ساتوں رنگ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ قرآن نے چودہ سو برس پہلے اسی نظریے کو یوں پیش کیا تھا۔
هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ۔ (سورۂ یونس آیت ۵)
ترجمہ:۔ اللہ نے سُورج کو سپید روشنی اور چاند کو مستعار نُور قرار دیا ہے۔
اس آیت میں سُورج کی روشنی کے لیئے لفظ "ضیآء" استعمال ہوا ہے۔ عربی میں "ضیآء" کے معنی سفید نُور و سفید روشنی کے ہیں جس میں سات رنگین قسم کی شعاؤں کا مرکب

موجود ہے۔ قرآن کی یہ آیت میر انیس کے ایک بند میں اپنے مکمل مفاہیم اور معنی کے ساتھ موجود ہے۔

خورشید کا وہ نور، سحر کا وہ سپیدا شرح جعل الشّمس ضیاءً تھی ہویدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا سرخی وہ شفق کی افق چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مکرر تھا
سو مہر امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا [۱]

نیوٹن نے Primarycolours. بنیادی رنگوں کی تعداد سات بتائی ہے لیکن ینگ اور ہیلم ہولٹز دو الگ الگ سائنسدانوں نے بنیادی رنگوں کی تعداد تین بتائی ہے۔ سُرخ، سبز، نیلا، ان سائنسدانوں کا خیال تھا کہ باقی رنگ ان تینوں رنگوں کی آمیزش سے وجود میں آتے ہیں۔ اس نظریے کو بھی مسترد کر دیا گیا کیونکہ ان سائنسدانوں نے سفید رنگ کو بنیادی رنگ تسلیم نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ سفید رنگ دراصل سُرخ، سبز اور نیلے رنگ کے باہمی امتزاج سے بنتا ہے۔[۲]

ایک اور سائنسداں ہیرنگ کا نظریہ ہے کہ بنیادی رنگ چار ہیں، سُرخ، نیلا پیلا اور سبز۔ دیگر رنگ ان کی آمیزش سے بنتے ہیں Primarycolours. بنیادی رنگوں کی آمیزش سے جو رنگ بنتے ہیں اُنھیں (Secondary) ثانوی یا فرعی رنگ کہتے ہیں۔ تمام رنگ سُرخ، نیلے، پیلے اور سبز سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان ماہرین کے نزدیک تقریباً ۲۵ ہزار رنگ جن کا مشاہدہ انسانی آنکھ کر سکتی ہے وہ ان تینوں بنیادی رنگوں کی باہمی آمیزش سے تیار کر لئے جاتے ہیں۔"[۳]

فزکس کے ماہرین نے سفید رنگ کا مسئلہ اب تک حل نہیں کیا ہے۔"اصولِ کافی" میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک ارشاد موجود ہے جس سے قرآن کے لفظ "ضیاءً" کی تفسیر ہو جاتی ہے۔

---

[۱] مرثیہ: جب پھاڑا جو گریبانِ شبِ آفت کی سحر نے
[۲] "بنیادی نفسیات" پروفیسر عاصم عمرانی صفحہ ۲۱۷
[۳] اصولِ نفسیات۔ ٹی ایم یوسف صفحہ ۱۲۸

"آپ نے فرمایا: اللہ نے عرش کو چار رنگوں میں خلق فرمایا ہے۔ نورِ احمر، نورِ اخضر، نورِ اصفر اور نورِ ابیض، یہی ملکوت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے اصفیا کو دکھاتا ہے۔ یہی اپنے خلیلؑ کو دکھلائے تھے جیساکہ فرماتا ہے، "ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھلائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے بنے رہیں۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا عرش سے مُراد مخلوق ہے جس کو اللہ نے چار انوار یعنی چار رنگوں سے پیدا کیا ہے، "سُرخ نور" جس سے سُرخی پیدا ہوئی اور "سبز نور" جس سے سبزی پیدا ہوئی اور "زرد نور" جس سے زردی پیدا ہوئی اور "سفید نور" جس سے سفیدی پیدا ہوئی اور یہ وہ علم ہے جس کو بار کیا گیا حاملانِ عرش پر۔" [1]

عربی علوم میں "علم الوان" بھی شامل ہے لیکن اس علم پر کتابیں لکھی گئی ہوں ناممکن ہے، عربی زبان کے علمار کو صرف ایک علم آتا ہے جسے "علم فقہ" کہا جاتا ہے جو ذہنوں میں خشکی اور دیگر علوم سے بیزاری پیدا کرتا ہے "علم الوان" پر کتابیں لکھی جائیں تو قرآن کی آیت جس میں "سُورج کی سفید روشنی" کا ذکر ہے اور حضرت علیؑ کے اس ارشاد پر جس میں آپ نے چار بنیادی رنگ بتائے ہیں سُرخ، سبز، زرد اور سفید، پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

رنگوں کی دُنیا اتنی حیرت انگیز اور دلچسپ ہے کہ اس سے اکتاہٹ اور بیزاری پیدا نہیں ہوتی، رنگ کی دُنیا کا ذرّہ ذرّہ کائنات کے حیرت انگیز کرشموں کی شہادت دے رہا ہے اور معاشرت کی دُنیا میں رنگ سے زیادہ کوئی حربہ کارگر نہیں ہو سکتا قدرت کی عظیم الشّان اسکیم میں رنگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے غور کیجئے تو ہر رنگ میں بے شمار قوتیں پنہاں ہیں اور ہر رنگ اپنی زبانِ حال سے دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔ ہر رنگ میں اثر ہے، زندگی ہے، جان ہے، جہان ہے، رنگ مجموعہ ہے

---

[1] اصولِ کافی جلد اوّل، شیخ یعقوب کلینی ص۱۳۲ ص۱۳۳

جذبات کا، مذہب اور روحانیت کا، رنگ میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، رنگ دُنیا کی ہر زبان و ادب کا مرکزی نقطہ ہے۔ رنگ آنکھوں کو زندگی کی اور فطرت کی مختلف جہتوں سے قریب کرتا ہے۔ دُنیا کے ہر معاشرے میں اور ہر معاشرتی نظام میں رنگوں کو رابطے کا ذریعہ گردانا جاتا ہے۔ رنگوں کی بنیادی خواندگی اور مشاہداتی قوت مسلسل پھیل رہی ہے، کسی بھی معاشرے سے بصری یا نصابی رابطے کا ایک مضبوط ذریعہ رنگ ہیں، اس کے ساتھ ساتھ رنگ تفریح طبع بھی فراہم کرتا ہے اور انسان کی جمالیاتی حس کو تسکین بھی پہنچاتا ہے۔

روشنی آنکھوں کو متحرک کرتی ہے جس کی وجہ سے آنکھوں میں رنگوں کو سمجھنے کی حس پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں کے پردے (Retina) میں ۱۲۰ ملین (Rods) اور ۷ ملین (Cones) ہوتے ہیں۔ (Rods) اندھیرے اور اُجالے کو محسوس کرتے ہیں اور ان میں تمیز کرتے ہیں جبکہ (Cones) رنگوں کو محسوس کرنے اور سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ لال روشنی آنکھوں کے پردے کے پیچھے مرتکز ہوتی ہے جبکہ نیلی روشنی آنکھوں کے پردے کے آگے مرتکز ہوتی ہے۔

سائنس نے رنگوں کے ادراک کے کچھ طریقے بتائے ہیں مثلاً

۱۔ ہمہ وقتی موازنہ (یا فرق ہمہ وقت):۔ یعنی وہ تاثر جو دو رنگوں کو ایک دوسرے سے برابر رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ موازنہ مسلسل (یا فرق مسلسل):۔ یعنی آنکھوں میں کسی بھی چیز کے ایک مکمل ہیولے کا پایا جانا جبکہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے سے ہٹادی گئی ہو۔

۳۔ حادثاتی رنگ:۔ یعنی زخم لگنے سے آنکھوں کا دباؤ میں آجانا یا دوائیوں کے استعمال سے تبدیلی پیدا ہونا۔ مثلاً سبز یا سُرخ رنگ کو قبول کرنے والے اعصابی آخذے کمزور پڑجائیں تو پھر فرد سُرخ، رنگ کو نہیں دیکھ سکتا۔ سبز اور سُرخ رنگ ریلوے، سڑکوں، بحری اور ہوائی جہازوں وغیرہ کے سگنل دینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اگر سگنل کے رنگ میں تمیز نہ کی جاسکے تو بڑے خطرناک حادثات لاحق ہوسکتے ہیں اس لیے ان محکموں میں بھرتی کے وقت رنگوں کا ٹیسٹ ہوتا ہے

۴۔ استقامت الوان: یعنی جلووں اور روشنیوں کی تبدیلی کے بعد آنکھوں کی تطبیق، یکسانیت یا مطابقت، سائنس داں کہتے ہیں کہ رنگوں کے مرئی ادراک کا انحصار دماغ کی وضاحت پر ہوتا ہے، دماغ اور آنکھ مل کر ہی کسی بھی رنگ کو پہچان سکتے ہیں۔ آنکھ وہ رنگ دیکھتی ہے جو دماغ اس کو دیکھنے کے لیئے کہتا ہے، اب وہ رنگ وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ نفسیاتی اثرات بھی ہوتے ہیں مثلاً ایک فی صد عورتوں میں اور آٹھ فیصد مردوں میں رنگ پہچاننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یعنی وہ لال، سبز اور نیلے میں فرق نہیں کر سکتے۔

جب سے رنگوں کے اذکار میں دماغ کی اہمیت سامنے آئی ہے اس وقت سے ہی نفسیات کا میدان بھی رنگوں میں گہری دلچپی لینے لگا ہے۔ نفسیات کے ماہرین کے نزدیک روشنی کا اور رنگوں کا جذباتی تاثر اور ردِ عمل اور رنگوں کے علامتی معنی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ پُرانے وقتوں میں رنگوں نے قبیلوں کی تقسیم کو بڑی قوت عطا کی ہے۔

انسانی رنگتوں اور لسانی رنگارنگی کو قرآن نے بہت پہلے بیان کر دیا تھا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (سورۂ روم آیت ۲۲)

"اُس کی قدرت کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں واقف کاروں کے لیئے بہت سی نشانیاں ہیں"۔

رنگ انسان کی حسیات کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مثلاً ایک کمرے میں کئی چیزیں رکھی ہوں اور ان چیزوں میں ایک تصویر بھی ہو تو آپ کی نظر سب سے پہلے تصویر پر جائے گی، اس کی وجہ اس تصویر میں پائے جانے والے رنگ ہیں جو آپ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اگر ایک شخص اپنی شخصیت کو ظاہر کرنا اور اُبھارنا چاہتا ہے اور دوسروں کے جذبات محسوس کرنا چاہتا ہے تو اُس کا بہترین ذریعہ رنگ ہیں۔

رنگ اور ساخت کی آویزش نفسیات دانوں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے

ساخت کی شناخت فہم وفراست کا عمل ہے جبکہ رنگوں کی آگہی ایک وجدانی عمل ہے اگر بچوں سے کہا جائے کہ مختلف قسم کے ساخت اور رنگوں میں سے ایک طریقے کے ساخت الگ کریں تو تقریباً تمام بچے رنگوں کے اعتبار سے مماثل چیزوں کو یکجا کریں گے۔ بچوں کے بنائے ہوئے نقش ونگار میں رنگ ایک علامت ہوتا ہے یا اشارہ ہوتا ہے کسی بھی خاص نکتہ کی طرف، جب کہ بڑوں کے یہاں رنگ سجاوٹ اور بناوٹ کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ اپنے چاروں طرف کپڑوں کی صورت میں اور اپنے کمرے کی سجاوٹ کی صورت میں جو رنگ بکھیر لیتے ہیں وہ رنگ آپ کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور آپ کے برتاؤ اور رویے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سات ہزار سال پہلے عراق (میسوپوٹیمیا) کے اطباء سات رنگوں کی رنگین شعاعوں سے مریضوں کا علاج کرتے تھے۔ آج بھی ماورائے بنفشی شعاعوں Ultra Voilet Rays سے علاج کرنے والے شفاخانے امریکہ، جرمنی، برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ میں موجود ہیں۔

انیسویں صدی کے آخر میں رنگوں کے ذریعے سے جدید علاج کا طریقہ دریافت ہوا۔ ایڈون ڈی بے بٹ کے وہ اصول ونظریات جس کے تحت اس نے انسانوں میں سے ظاہر ہونے والے رنگوں اور فضا میں پھیلے ہوئے رنگوں میں ہم آہنگی پیدا کی۔ ان اصول ونظریات کی وجہ سے اُسے پوری دُنیا میں شہرت حاصل ہوئی۔ چودہ سو برس پہلے قرآنِ مجید نے بھی رنگوں کے ذریعے علاج کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

"ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ کہ طرح طرح کے پھلوں اور پھولوں سے عرق چوس کر اللہ کی اطاعت میں چھتے میں چلی جا........

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِہَا شَرَابٌ پھر اس کے پیٹ سے شہد نکلتا ہے مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ انسانوں کے لیئے اس میں شفا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی نشانی ہے (سورۂ نحل آیت ۶۹)

شہد سُرخ، زرد، نارنجی، بادامی اور سفید رنگوں میں ہوتا ہے اور ان رنگوں سے طریقۂ علاج بھی موجود ہے۔ جدید دور میں رنگوں کے نفسیاتی اثرات کو اسکولوں، ہسپتالوں اور کارخانوں میں پوری طرح کام میں لایا جارہا ہے۔ جہاں ماہرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ موزوں اور مناسب رنگ مطالعہ میں دلچسپی پیدا کرتے ہیں اور جلد صحت یابی میں مدد دیتے ہیں اور کارخانوں میں پیداوار بڑھاتے ہیں۔

آفاقی سطح پر ہر رنگ کے معین معنی ہیں جو کہ ہر دوسرے معاشرتی دائرے میں بدلتے رہتے ہیں، ہر رنگ کا ایک مضبوط نفسیاتی تاثر ہوتا ہے جو پوری دُنیا تسلیم کرتی ہے لیکن معاشروں میں رنگوں کے معین معنی جدا جدا ہیں۔ رنگ ایک عملیاتی عنصر ہے، یہ اپنی خوبصورتی اور اپنے اسرار اُن لوگوں پر ظاہر کرتا ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں، رنگ انسانی قلوب کو متاثر کرتا ہے۔ رنگ کا کسی بھی شخص کی شخصیت کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ آفتاب کی روشنی میں سات رنگ سُرخ، نارنجی، زرد، سبز، آسمانی، نیلگوں، بنفشئی رنگ موجود ہیں، ان رنگین شعاعوں سے انسانی زندگی ترتیب پاتی ہے، انسانی چہروں میں یہ رنگ اپنا جلوہ دکھاتے رہتے ہیں، چہروں کی سُرخی سے جوش، شجاعت، مسرت اور جذباتِ محبت کا اظہار ہوتا ہے، چہروں کی زردی سے رشک و حسد، رنج و غم اور نقاہت و بیماریوں کا پتہ چلتا ہے، چہرے کی نیلاہٹ سے خوف، انحطاط اور قربتِ مرگ کا سماں کھنچ جاتا ہے، چہروں کی سیاہی سے بے رحمی بدکاری و بدعملی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

اُردو ادب میں لفظ "رنگ" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لفظ "رنگ" کو بہت سے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ "مہذب اللغات" میں رنگ کے ۳۰ معنی لکھے ہیں۔ میر انیس نے ۳۰ سے بھی زیادہ معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

رنگ "پھیکا پن"۔

مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخ مہتاب	اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب

رنگ "حال، احوال"

گھر چھوٹ گئے تھے جانوروں کے یہ رنگ تھے	خشکی میں تھے نہنگ تری میں پلنگ تھے

رنگ "زخموں سے چُور کر دیا"

فاقوں میں جن کے واسطے باندھا شکم میں سنگ	ان دشمنوں نے لال کا میرے کیا یہ رنگ

رنگ "سو طرح کا ابر"

کم ہوں گے گنہ غنچۂ امید کھلے گا!	سو رنگ کا ابر اس سے نمازی کو ملے گا (خاکِ شفا)

میر انیس نے ایک بند میں لفظ رنگ کو چار مختلف معنی میں استعمال کیا ہے، دہشت، خوف، تشویش طور طریقے، کیا خوبصورت بند ہے۔

آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ	سینوں میں جگر ہل گئے چہروں کا اڑا رنگ

سب سوچ میں تھے دیکھیے اب ہوتا ہے کیا رنگ	بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ

لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے
بے جنگ کئے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

حضرت علی اکبرؑ۔

گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ	اڑتا ہے غنچہ دسمن دیا سمن کا رنگ

شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ	رنگیں بیاں ہیں سب کہ جدا ہے سخن کا رنگ

بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

میر انیسؔ ایک ہی محاورے کو مختلف معنی میں استعمال کرتے ہیں اور خود ہی معنی بھی سمجھاتے جاتے ہیں محاورا ہے "رنگ اُڑنا" دیکھئے کتنے رنگ سے استعمال ہوا ہے :-

رنگ اُڑنا "دہشت"

دہشت سے اُڑا رنگ رخِ جنؑ و ملک کا　　تھرا گیا دہشت سے بدن شیرِ فلک کا

رنگ اُڑنا "خوف"

رنگ اڑتا ہے آندھی کی جو اٹھتی ہے کبھی گرد

خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے

رنگ اُڑنا "سہم جانا، بہادری کا اثر ختم ہو جانا"

دل ہل گئے، رنگ اڑ گئے، کفار عرب کے

رنگ اُڑنا "حال غیر ہونا، مضطر ہونا"

یہ سُن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبرؐ　　بانوؑ علیؑ اکبر کے لیئے ہوگئی مضطر

رنگ اُڑنا "دردِ جگر"

رنگِ رخِ پرُ نور اڑا دردِ جگر سے　　دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے

رنگ اُڑنا "بے نور ہو جانا، رونق زائل ہونا"

پھیکی تھی روشنیٔ قمر ان کے سامنے　　اڑتا تھا رنگِ روئے سحر اُن کے سامنے

"رنگ اُڑ جانا" بھی محاورہ ہے، لیکن اس محاورے میں بھی میر انیسؔ نے کتنے معنی و مفاہیم

پیدا کئے ہیں:۔

رنگ اڑ جانا "اضطراب"

اکبر کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام — کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام

رنگ اُڑ جانا "تشویش"

بانو نے کہا ہائے مرا راج لٹا اب — اکبرؑ کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینبؑ

لاکھ رنگ سے چلنا:۔

چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ لاکھ رنگ سے

رنگ کھیلنا:۔

جنگ وجدل کی عید تھی نوروز سے نہ کم

نوروز کا رنگ:۔ "حضرت عونؑ و محمدؑ"

اڑتا تھا بار بار سپاہِ عدو کا رنگ — حیدر کے لعل کھیل رہے تھے لہو کا رنگ

کچے رنگ جو ہوا میں اور دھوپ میں اُڑ جاتے ہیں:۔

"تلوار"

لوہے کو کھائے جاتی تھی وہ زنگ کی طرح — منہ پر ٹھہر سکا نہ کوئی رنگ کی طرح

آفتاب رنگ ہونا

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ

رنگ اُڑجانا "شرم وحیا، غیرت سے چہرہ اتر جانا"

شبِ معراج جو ہیں بال تو رُخ شعلۂ طور　　شرم سے رنگ اُڑے جاتے ہیں مثلِ کافور

رنگ اُڑجانا "غم والم، صدمہ"

رنگ اڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد جمی تھی　　تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

رنگ اُڑجانا "رنگ روپ جاتا رہنا"

اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

رنگ اڑجانا "بے رونقی۔ اداسی"

رنگ اڑ گیا گلوں کا ہوا دور ہو گئی

رنگ کے کچھ اور محاورے بھی دیکھئے، اگر اُردو زبان کے لغات نویس، بہ نظرِ غائر کلامِ میر انیس کا مطالعہ کرتے تو لاکھوں محاورے لغات میں آجاتے، میر انیس کی رنگ آمیزی سے زبان وادب میں رنگ آجاتا۔

رنگ اور ہونا "معاملہ دگرگوں ہونا، گڑبڑ ہونا"

مُڑ کر کہا حبیبؑ نے کچھ رنگ اور ہے　　بولا کوئی، یہ شام کے لشکر کا طور ہے

رنگ بدلنا "کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہونا"

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے

رنگ بدلنا "مزاج گرم سے گرم تر ہونا"

پی پی کے لہو، رنگ بدلنے لگی تلوار

رنگ بدلنا "عادت تبدیل ہونا"

غُل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو ذرّوں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو

رنگ سے باندھنا "مضمون سَو طرح سے بیان کرنا"

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں اک پھول کا مضموں ہو تو سَو رنگ سے باندھوں

رنگ دکھانا "جوہر کا مظاہرہ کرنا"

تیغِ علی اکبرؑ نے عجب رنگ دکھائے

رنگ دکھانا "معجزہ دکھانا"

اعجاز کے انداز دمِ جنگ دکھائے اک آبِ دمِ تیغ نے سَو رنگ دکھائے

رنگ دکھانا :۔ "حیرت انگیز اسلوب دکھانا"

تھا سچ بھی انیسؔ آج کے پڑھنے کا نیا ڈھنگ ہر مصرعۂ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ

رنگ دکھانا :۔ "نتیجہ دکھانا"

کیا رنگ ہے آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھ کو آتی ہے

رنگ دیکھنا :۔ "صورتِ حال دیکھنا، تیور دیکھنا"

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبّیرِ خوش نہاد ہاں اے مجاہد دوبارہ حق میں کرو جہاد

رنگ دِگرگوں ہونا :۔ "موت کے آثار نظر آنا"

شانوں سے رواں خون کا جیحوں نظر آیا رنگ گُلِ رُخسار دِگرگوں نظر آیا

رنگ پرواز کرنا :۔ "چہرے کا رنگ اُتر جانا"

رنگِ رخ افواجِ ستم ، کر گیا پرواز

رنگت :۔ "حسن و جمال ، تازگی"

دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

رنگ ڈھنگ :۔ "آب و تاب ، چمک دمک"

آفت کی کاٹ قہر کا خم ، منہ بلا کا تھا
سب رنگ ڈھنگ ضربتِ مشکل کشا کا تھا

عجب رنگ :۔ "انوکھے انداز سے"

میداں میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے
حیدر کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے

عجب رنگ :۔ "حیرت انگیز انداز"

چار آئینے والے بُرشِ تیغ سے تھے دنگ
جوہر تھے عجب اور عجب آب عجب رنگ

عجب رنگ :۔ "لہو سے سُرخ ہونا"

اسوار کے سر پہ جو پڑی تنگ سے نکلی
سینے میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی

نیا رنگ :۔ "جدید اسلوب"

گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں

رنگ :۔ "حالتِ زار"

افراطِ جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

رنگ ڈھنگ نیا ہونا:۔ "انداز نیا ہونا"

کھنچتے ہوئے سپر کی نیا رنگ ڈھنگ تھا　　　راکب تھا نے فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

رنگ نہ بندھنا:۔ "قابو میں نہ آنا"

مضموں کا بندھا رنگ نہ اس میں کسی تدبیر　　　اڑ اڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر

رنگ ٹپکنا:۔ "سراپا رنگ میں رنگا ہوا"

گرتا تھا لہو چھوٹ کے نہ جوہر کے چمن کا　　　ہولی ہوئی تھی رنگ ٹپکتا تھا بدن کا

رنگ فق ہونا:۔ "سُن ہو جانا"

اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے　　　جو گزری ہو کہہ دے کہ مرے دل کو قلق ہے

رنگ فق ہونا:۔ "حیران ہونا"۔ رنگ سفید ہو جانا۔

رنگِ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا　　　جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

رنگ فق ہو جانا:۔ "اُداس ہو جانا"

صدمے سے ہو گیا رخِ انور کا رنگ فق

رنگ ہونا:۔ "کیفیت ہونا"

سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ　　　ولولہ صف کے الٹنے کا لڑائی کی امنگ

رنگ ہونا:۔ "طور طریقے"

کہنے کو تھی زرہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

آئینہ رنگ :۔ "آئینے کی طرح صاف شفاف"

لعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے ۔ برہم ہوا گر شکل و رنگ اس میں نظر آ جائے

چہرے گُل رنگ ہونا :۔ "جوشِ شجاعت" اندازِ مسرت، کھل اُٹھے، خوش ہو گئے،

مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ ۔ یہ سُنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گُل رنگ

قضا رنگ :۔

بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے ۔ اک برقِ غضب کوندگئی تنگ کے نیچے

شعلہ رنگ :۔

جرّار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ ۔ صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغِ شعلہ رنگ

رنگ کافور کی طرح اُڑنا :۔

خورشید کی آمد ہے ستارے ہوئے بے نور ۔ چہروں سے اڑا رنگِ حرم صورتِ کافور

بے رنگ :۔ "شرمندہ ہونا"

بے رنگ ہے گلاب کی بو ان کے سامنے ۔ باغِ بہشت ساختہ رواں کے سامنے

بہر رنگ :۔ "ہر حال میں"

محفوظ بہر رنگ ہیں صدمے کی خزاں کے ۔ دو ٹکڑے کفِ حور پہ ہیں سیب جناں کے

میر انیسؔ کی رنگین بیانی

میر انیسؔ نے اپنے نظریۂ فن کے متعلق مرثیوں میں جا بجا اشارے کئے ہیں،

اُنہوں نے اپنی شاعری میں فصاحت ، بلاغت ، معنی آفرینی ، خوش فکری ، سلاست ، خوش لہجگی ، شیرینی ، نمکینی ، طلاقت ، تیز زبانی ، روانی کے ساتھ ساتھ "رنگیں بیانی" کو بھی اہمیت دی ہے۔

رنگیں عبارت :۔

"رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری

رنگیں بیانی :۔

جسے دیکھ کر ہووے مانی کو حیرت
وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

نغمۂ رنگیں :۔

بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سُنے نہیں
دامن میں ہیں وہ گُل جو کسی نے چُنے نہیں

رنگینیٔ بزم :۔

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اک نعرۂ آفرین و تحسیں ہو جائے

رنگینیٔ زباں :۔

"باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے"

رنگیں سخن :۔

لبریز لطافت سے ہو رنگیں سخن ایسا
رضواں بھی پکارے نہیں دیکھا چمن ایسا

بزم کا رنگ :۔

قُلزم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

مصرعۂ رنگیں :۔

"ہر مصرعۂ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ"

نیا رنگ :۔

"بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں"

میر انیس کی شاعری میں "رنگ آمیزی" پہلودار ہے ، ایک طرف ذہن لطافت ، رونق ، ریاض ، قوت و توانائی اور پہلوداری کی طرف جاتا ہے۔ دوسری جانب لفظ "رنگ" اپنے اصلی معنی میں ابھرتا ہے۔ "رنگ" یعنی (Colour) کلر ، میر انیس کا کلام رنگین ہے ، ٹیکنی کلر ہے ، جس میں سُرخ ، سبز ، نیلا ، زرد ، اودا ، آسمانی ، گلابی ، فیروزی ، سفید ، سیاہ ، سنہرا ، روپہلا ، آبی ، آتشی گلابی ، نارنجی ، بھبھوکا ، الماسی ، زمردی ، ارغوانی ، اشہبی ، صندلی ، دھانی ، بادامی ، زعفرانی ، بنفشی ، کیسری ، سرخ رنگ ، سانولا ، دھوپ چھاؤں ، سوسنی ، شاہانہ ، شب رنگ ، شب چراغ (جگنو اور زرد ہیرا) ، نرگسی ، حنائی ، شفقی ، شعلہ رنگ ، طاؤسی ، عقیق رنگ ، یاقوت رنگ ، زنگاری ، کاہی ، گہربا ، کُسُم ، کُندن ، گُل گوں ، گلنار ، لاجوردی ، رنگ لالہ ، رنگ سرو ، احمری ، اخضری ، نیلوفری ، شبنمی ، وردی ، دھنک رنگ شامل ہیں۔

جس شاعر کے کلام میں اتنے رنگ جلوہ نُما ہوں اس کا کلام " بلیک اینڈ وہائٹ" نہیں بلکہ "ٹیکنی کلر" کہا جائے گا۔ میر انیس کو رنگوں کے استعمال کا سلیقہ اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی ماہرِ فن آرٹسٹ اپنی تصویروں میں موقع و محل کے مطابق تناسب کے ساتھ تصویر میں رنگ بھرتا ہے۔

میر انیس نے کچھ رنگ بہت زیادہ استعمال کئے ہیں ، کچھ بہت کم ، میر انیس کی بنائی ہوئی تصویروں میں سات رنگ جو نیوٹن نے آفتاب میں دریافت

۱؎ انیس کا نظریۂ فن ۔ علی جواد زیدی (مطبوعہ انیس شناسی)

کیئے تھے بہت نمایاں ہیں، سُرخ، سبز، نیلا، زرد، آسمانی، اودا اور نارنجی۔ نیوٹن ۱۶۴۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۲۷ء میں انتقال کر گیا، ۷۵ برس کے بعد میر انیس ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوئے، ظاہر ہے میر انیس نے نیوٹن کے "نظریۂ الوان" کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ لیکن میر انیس نے جس خوش سلیقگی سے اشعار میں رنگ آمیزی دکھائی ہے، اس میں سائنس، آرٹ، نفسیات، اور صناعی سبھی کچھ ہے۔

میر انیس نے اِن سات رنگوں کے علاوہ سفید، کالا اور سُنہرا رنگ بھی بہت زیادہ استعمال کیا ہے، روپہلا (نقرئی) چاندی کا رنگ بھی ہے، سُنہرے رنگ کا تناسب بہت زیادہ ہے، سُرخ اور سبز کے ساتھ جب سُنہرا رنگ اُبھرتا ہے تو، گنگا جمنی اور مینا کاری کا عمل سامنے آتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ ان تمام رنگوں میں میر انیس کا پسندیدہ رنگ کون سا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق میر انیس کا پسندیدہ رنگ "سُرخ" ہے۔

میر انیس کی شاعری میں "سُرخ رنگ"

"ثنویہ" سے حضور اکرمؐ کا مناظرہ اور رنگوں سے استدلال

"ثنویہ" کا عقیدہ تھا کہ نُور و ظلمت سارے عالم کا انتظام کرتے ہیں۔

رسُولِ اکرمؐ نے فرمایا "کہ تم لوگوں کو کس چیز نے اس دعوے پر مجبور کیا ہے کہ "نُور و ظلمت" مدبرِ عالم ہیں۔"

ثنویہ نے جواب دیا:۔

بات یہ ہے جناب کہ ہم نے عالم میں دو صنفوں کا مشاہدہ کیا خیر اور شر، اور خیر کو شر کی ضد پایا ہے تو ہم یہ تسلیم نہ کر سکے کہ کوئی ایک شے کا فاعل ہو۔ پھر اس شے کی ضد کا بھی وہی فاعل ہو لہٰذا ہم نے ہر چیز کا فاعل الگ الگ قرار دیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ برف کا گرم ہونا محال ہے اور اسی طرح آگ کا ٹھنڈا ہونا تو ہم نے اسی لئے عالم کے دو صانع قدیم تجویز کئے، اوّل نور، دو ظلمت،

رسولِ کریمؐ نے فرمایا۔

کیا تم نے سیاہی، سفیدی، سُرخی، زردی، سبزی نہیں دیکھی اور کیا اُن میں سے ہر ایک دوسرے کی ضد نہیں؟ اور جس طرح سردی اور گرمی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح یہ رنگ ایک جگہ پر جمع نہیں ہو سکتے۔

ثنویہ نے کہا:۔ جی ہاں۔

رسولِ کریمؐ نے فرمایا:۔ تو پھر جس طرح تم نے ہر ضد کا الگ فاعل تجویز کیا ہے کیا اسی طرح ہر رنگ کا خالق الگ الگ فرض کیا جائے گا؟ [1]

(یہ سُننا تھا کہ سب خاموش ہو گئے)

سُرخ رنگ انجیل میں

"وہ صبح سویرے اٹھے اور سورج پانی پر چمک رہا تھا اور موآبیوں کو وہ پانی جو اُن کے مقابل تھا خون کی مانند سُرخ دکھائی دیا۔" (۲سلاطین ۳: ۲۲)

یہ کون ہے جو ادوم سے اور سُرخ لباس پہنے بُصراہ سے آتا ہے؟ یہ جس کا پوشاک درخشاں ہے اور اپنی توانائی کی بزرگی سے خراماں ہے؟ یہ میں ہوں جو صادق القول اور نجات دینے پر قادر ہوں، تیری پوشاک کیوں سُرخ ہے...... اُن کا خون میرے لباس پر چھڑکا گیا۔

(یسعیاہ ۶۳: ۲)

ارغوانی رنگ خصوصاً شاہی رنگ تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو جب آسمان پر بلایا گیا تو ارغوانی لباس اُن کے زیبِ جسم تھا۔

" پیلاطُس نے یسوع کو لے کر کوڑے لگوائے اور سپاہیوں نے کانٹوں کا تاج بنا کر اُس کے سر پر رکھا اور اُسے ارغوانی پوشاک پہنائی۔" (یوحنا ۱۹: ۲)

ارغوانی رنگ کو قرمزی رنگ بھی کہتے ہیں۔

" اِس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اُسے قرمزی چوغہ پہنایا۔" (متی ۲۷: ۲۸)

---

[1] نہج الفصاحت ص۱۹۵ / تالیف علامہ نصیر الاجتہادی

سُورج کے سات رنگوں کی شعاعوں میں سُرخ رنگ کو اوّلیت حاصل ہے میرانیس استعاروں کے انتخاب اور حِسّی پیکروں کی تخلیق میں سُرخ رنگ سے خاص کام لیتے ہیں۔ تمام رنگوں میں ان کی نظرِ انتخاب سب سے پہلے سُرخ رنگ پر پڑتی ہے،

سُرخ گلاب، الماس، لعل، اشہب، ارغوان، سرنگ، شفق، شعلہ، شمع، عقیق، یاقوت، مرجان، کُسُم، گلنار، لالہ اور آفتاب و خون سے اپنی بنائی تصویروں میں رنگ آمیزی کرتے ہیں۔

میرانیس کو سُرخ رنگ کیوں پسند ہے؟

ماہرینِ نفسیات کا نظریہ ہے کہ سُرخ کسی کے ساتھ ناانصافی پسند نہیں کرتا سُرخ رنگ محبت اور خلوص تقسیم کرتا ہے۔ سُرخ رنگ شہادت کا رنگ ہے، آزادی اور انقلاب کا رنگ ہے، سُرخ رنگ قربانی کا جذبہ دل میں موجزن کر دیتا ہے۔ سُرخ رنگ انسان کو فتح کے لیئے بے چین رکھتا ہے، سُرخ رنگ میں استقلال اور جوش ہے، سرخ رنگ کو شاہانہ رنگ بھی کہتے ہیں، عرب، ہندوستان، پاکستان، چین اور جاپان میں سُرخ رنگ خوشی اور مسرت، شادی بیاہ کا رنگ سمجھا جاتا ہے۔ سُرخ رنگ پسند کرنے والے کو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے، سُرخ رنگ کو انصاف پروری اور عقلمندی کا نشان مانا جاتا ہے۔

"سُرخ رنگ کی ایک رنگ کی حیثیت سے اہمیت کا اندازہ اس حقیقت کو بھی لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی زبان ارتقار کے اس مرحلے پر پہنچی جہاں اس میں رنگوں کے نام وجود میں آتے ہیں تو "سُرخ رنگ" کا نام ہی سب سے پہلے وجود میں آیا"[۱]

اُردو زبان میں سُرخ اور ہندی زبان میں لال کے نام سے پکارا جاتا ہے، ہندی میں لال کو کُسُم بھی کہتے ہیں، فارسی میں ارغوانی، عربی میں احمر اور قرمزی کہتے

---

[۱] "قدیم مصوّری میں سُرخ اور نیلا رنگ" زبیر احمد مدنی

ہیں، انگریزی میں ریڈ (Red) کہتے ہیں۔ عربی میں احمر کے معنی غیظ میں آنا بھی ہے احمر کے معنی سُرخ ہونا، گرمی کی شدت، زعفران، سونا، سُرخ پرندہ الاحمر بمعنی قتل اور کنایۃً خون بہنے یا سخت موت کے بھی ہیں۔

قرآنِ مجید میں "سُرخ رنگ" کا تذکرہ صرف ۲ دو مقامات پر آیا ہے:۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ (سورۃ فاطر آیت ۲۷)

"اور پہاڑوں میں راستے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں کچھ تو سفید براق اور کچھ سُرخ (لال لال)، اور کچھ کالے سیاہ"

دوسرے مقام پر "وَرْدَةً" گلاب کا سُرخ پھول اور "دِهَان" سُرخ چمڑا یا سُرخ تیل کے معنی میں سُرخ رنگ کا ذکر آیا ہے:۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝

(سورۃ رحمان آیت ۳۷)

اس آیت کا ترجمہ مفسرین نے مختلف طریقے سے کیا ہے:۔

"قیامت کے دن آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سُرخ ہو جائے گا" (مولانا ظفر حسن)

"جب آسمان پھٹ جائیں گے پس وہ تیل کی طرح گلابی رنگ کے ہو جائیں گے"۔ (علامہ حسین بخش جاڑا)

"آسمان پھٹ کر تیل کی طرح لال ہو جائے گا" (مولانا فرمان علی)

جب آسمان پھٹے گا اور لال چمڑے کی طرح سُرخ ہو جائے گا" (مولانا مودودی)

پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا"

(شاہ رفیع الدین محدث دہلوی)

قرآن میں والشمس، والضحیٰ، والفجر اور مرجان کے معنی بھی سُرخ آئے ہیں، ایک اور لفظ "المُہل" بھی پگھلے ہوئے سُرخ لوہے یا تانبے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حضرت علیؑ نے خطبہ "الطاؤس" مور کے رنگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے

سبز اور زرد کے ساتھ سُرخ رنگ کا بھی تذکرہ کیا ہے :۔

وَاِذَا تَصَفَّحْتَ شَعْرَةً مِنْ شَعَرَاتِ قَصَبِهٖ اَرَتْكَ حُمْرَةً وَرْدِيَّةً وَتَارَةً خُضْرَةً زَبَرْجَدِيَّةً وَاَحْيَانًا صُفْرَةً عَسْجَدِيَّةً، فَكَيْفَ تَصِلُ اِلٰى صِفَةِ هٰذَا عَمَائِقُ الْفِطَنِ اَوْ تَبْلُغُهٗ قَرَائِحُ الْعُقُوْلِ،

"جب اس (مور) کے پروں کے ریشوں سے کسی ریشے کو تم غور سے دیکھو گے تو وہ تمہیں کبھی گلاب کے پھولوں جیسی سُرخی اور کبھی زمرد جیسی سبزی اور سونے جیسی زردی کی جھلکیاں دکھائے گا، غور تو کرو کہ ایک ایسی مخلوق کی صفتوں تک فکروں کی گہرائیاں کیونکر پہنچ سکتی ہیں یا عقلوں کی طبع آزمائیاں کس طرح وہاں تک رسائی پا سکتی ہیں"۔ [1]

اُردو زبان میں رنگوں پر تحقیقی کام اب تک نہیں ہوا تھا، ظاہر ہے میرا یہ مقالہ پہلی کوشش ہے۔ دیگر زبانوں میں رنگوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے ارسطو نے یونان میں اور یورپ میں گوئٹے نے اپنی کتاب "فاربن لہرے (Farbenlahre.) میں رنگوں پر بہت کچھ لکھا ہے، عربی زبان میں فارابی، ابن سینا، ابن الہیثم، جابر بن حیان اور ابن بجاد اندلس کا مشہور مفکر و فلسفی) نے نظریۂ الوان پر روشنی ڈالی ہے۔

"سُرخ رنگ" کے موضوع پر عالمی دانشور شیخ محمد کریم خاں کرمانی نے ۱۸۵۱ء میں عربی زبان میں "یاقوت الحمرا" کے نام سے ایک رسالہ بہت ہی جلدی میں صرف دو دن کے اندر تحریر کیا تھا۔ ساٹھ اوراق کے اس رسالے میں دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ۸ ابواب ہیں اور دوسرے حصے میں ۹ ابواب ہیں، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ رنگوں کے موضوع پر مصنف کی ماہرانہ گرفت کو ظاہر کرتی ہے اس کے علاوہ مختصر اور نہایت ہی جامع و مانع ہے۔ پہلے حصے میں الوان (رنگوں) کے تصورات اور ان کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں خصوصیت سے "سُرخ رنگ" کے موضوع

---

[1] "نہج البلاغہ" ترجمہ: مولانا مفتی جعفر حسین (جلد دوم ص ۱۱۳)

پر گفت گو کی گئی ہے ۔ سُرخ رنگ کا انتخاب اُس کی قدامت کے باعث کیا گیا ہے ۔ سُرخ رنگ میں چونکہ مناسبت پائی جاتی ہے ترکِ دنیا اور ترکِ لذّات سے جس کی کہ قرآن بھی تعلیم دیتا ہے ۔ ہنری کوربن (Henry corbin) یورپی دانشور کا کہنا ہے کہ شیخ محمد کریم خاں کرمانی کے نظریۂ الوان نے اُن کو ہماری نظر میں ایرانی " گوئٹے " کا مقام دے دیا ہے ۔"[۲]

" سُرخ رنگ " پر مختلف زبانوں میں جس قدر نظریات موجود ہیں اُن کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر آسانی سے پہنچ جاتے ہیں کہ میر انیس کا پسندیدہ رنگ اگر سُرخ ہے تو کیوں ہے ، ؟ میر انیس کی اس پسند سے اُن کی مزاجی کیفیت کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے ،

" ذوالفقار "

پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
کاٹا تھا باغِ کفر تو کیسی نہال تھی

لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

" حضرت علی اکبرؑ " (ضبط)

چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے

حضرت عباسؑ کے دہنِ مبارک کی تشبیہ میں میر انیس نے ایک جگہ " ورد " کا لفظ استعمال کیا ہے اُردو میں صرف گلاب کے گلابی پھول کو " ورد " کہتے ہیں ۔

کیوں کر کہیں کہ غنچۂ تصویر ورد ہے
یاں یاسمن بھی فرطِ خجالت سے زرد ہے

---

۲ ۔ Temple And Contemplation By Henry Corbin,

ڈاکٹر نیر مسعود نے لکھا ہے "میر انیس کو عملیات سے بھی دلچسپی تھی"۔ [۱] عملیات میں سُرخ رنگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، علم نجوم میں سُرخ رنگ کا تعلق سیارہ مرّیخ سے ہے، سُرخ رنگ کو روحانی رنگ سمجھا جاتا ہے اور بہت سے مُبارک اور خوش قسمتی کے نشانات اور تعویذات سُرخ رنگ سے بنائے جاتے ہیں، عریضہ بھی سُرخ رنگ سے تحریر کیا جاتا ہے۔

سُرخ رنگ انسان کو موڈ (Mood) میں لاتا ہے، یعنی انسان کی مزاجی کیفیت کو رنگ میں لاتا ہے اور نئے نئے تجربات کی تحریک پیدا کرتا ہے۔" [۲]

بیلا، چنبیلی، سورج مُکھی، کیتکی، جوہی، گُل شبّو، گُل جعفری، صد برگ، گُل عباسی، گُل اشرفی، نرگس، نیلوفر، گُل مہندی، ہزاروں رنگ اور خوشبو کے پھول ہیں" لیکن میر انیس کو سُرخ گلاب بہت پسند ہے۔ کلیم الدین احمد بھی یہی کہتے ہیں:۔

"لیکن انیس کو صرف سُرخ پھول پسند تھے"۔ [۳]

پھولوں سے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے — تھالے بھی نخل کے سبدِ گُل فروش تھے

خواہاں تھے زہر گلشن زہرا جو آب کے — شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

میر انیس اور سُرخ گلاب

عربی میں گلاب کو "وردِ احمر" یا "الورد" یعنی "گُل سُرخ" کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ "وارِدْ" سے ہے جس کے معنی قافلے سے پہلے پانی پر آنے والے کے ہیں۔

---

[۱] "بزمِ انیس" ڈاکٹر نیر مسعود ص ۳۱ بیکنز لمیٹڈ۔ لاہور

[۲] Colour Graphic Design By Andre Jute

[۳] "میر انیس" کلیم الدین احمد ص ۴۵ بہار اردو اکادمی پٹنہ

مشہور ہے کہ گلاب کا پھول موسمِ بہار میں تمام پھولوں سے پہلے ظاہر ہوتا ہے، اس لیئے اُسے وَرْدٌ کہا جاتا ہے۔ پھر ہر درخت کے پھول کو مجازاً وَرْدٌ کہہ دیتے ہیں چنانچہ درخت کے پھولدار ہونے پر وَرَّدَ الشَّجَرُ بولا جاتا ہے۔ پھر گھوڑے کے رنگ کو بھی گُلِ سرخ کے ساتھ تشبیہ دے کر "فَرَسٌ وَرْدٌ" کہا جاتا ہے، اور آثارِ قیامت کے طور پر جب آسمان سُرخ ہو جائیگا تو اُسے بھی قرآن نے وَرْدَةٌ کہا ہے، سُورۂ رحمان کی آیت ہے فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ آسمان تلچھٹ کی طرح سُرخ ہو جائے گا یا گلابی ہو جائے گا۔"[1]

قیامت کا دِن سُرخ گلاب کی طرح ہوگا، مُفسرین اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکے، ہاں جوشؔ ملیح آبادی نے اس مسئلہ کو حل کیا ہے، یہ دِن سُرخ کیوں ہوگا:۔ ؟

کچھ پھول سے تا دور کھلے جاتے ہیں — کچھ "سُرخ علم" سے ہیں کہ لہراتے ہیں
فرقِ آدمؑ پہ تاج رکھنے سرِ حشر — ہٹ جاؤ فرشتو کہ حسینؑ آتے ہیں[2]

موسمِ بہار کا پہلا پھول "گلاب" ہے، یعنی پھول کی آمد میں "ترقی پسندی" "جدتِ ادا" کی علامت موجود ہے، میر انیسؔ کی پسند۔ اُن کی ترقی پسندی کو ظاہر کرتی ہے،

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

پوری دُنیا میں گلاب کے پھولوں کی ستّو قسمیں پائی جاتی ہیں لیکن رنگ، جسامت اور خوشبو کے لحاظ سے گلاب اٹھارہ قسم کا ہوتا ہے، سُرخ، زرد، صندلی، نارنجی، ہلکا گلابی، گہرا گلابی، بنفشی گلابی، آتشی گلابی، سیاہ، سفید، شربتی رنگ کے گلاب عام طور سے دیکھنے میں آتے ہیں، صندلی اور نارنجی گلاب کو "سیوتی" کہتے ہیں، یہ رنگ میر انیسؔ نے صرف ایک جگہ استعمال کیا ہے، حضرت علی اکبرؑ کے رُخسارِ مبارک کی تعریف میں:

---

[1] "مفردات القرآن" امام راغب اصفہانی صفحہ ۱۱۰۹ اسلامی اکادمی اُردو بازار لاہور۔
[2] "جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیے" مرتبہ ضمیر اختر نقوی صفحہ ۱۰ ادارہ فیض ادب کراچی

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے
ذرّوں کو سر چڑھائے یہ کس کا دماغ ہے
وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے

دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

گھنی پنکھڑیوں والے گلاب کو "گل برگ ہزاری" کہتے ہیں، اس کی خوشبو بہت خوشگوار ہوتی ہے۔"گل برگ" کی تشبیہ میر انیس نے مختلف اشعار میں نظم کی ہے :۔

تھے پیاس سے غش گودیوں میں ماؤں کی اطفال
گل برگ سے لب سوکھے تھے اور دھوپ سے رخ لال

نازک کہیں ہیں برگ گل تر سے لعل لب

میر انیس نے گلاب کے پھول کو مختلف نام دیئے ہیں مثلاً گل، گل سرخ، گل تر، گل برگ و "گل احمر"، پھول اور سیوتی، میر انیس نے گلاب کو تشبیہ اور کبھی استعارہ کے طور پر پھول اور "عرقِ گل" دونوں معنی میں استعمال کیا ہے :۔

حضرت علی اصغرؑ کی آنکھوں کی تعریف :۔

جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار
ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار
مستانہ ہے یہ طور، کہ جھکتے ہیں بار بار
آنسو ہیں یا صدف میں ہیں یہ دُرِ شاہوار

روئے ہیں فرقتِ شہؑ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

حضرت علی اکبرؑ کے رُخسارِ مبارک کی تعریف :۔

گل سُرخ رد ہوا نہ کھواُن کے سامنے
مخفی چمن کا روئے نکواں کے سامنے
بے رنگ ہے گلاب کی بو اُن کے سامنے
باغ بہشت ساختہ رواں کے سامنے

خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہراؑ کے باغ کے

گلاب یوں تو پورے سال کھلتا ہے لیکن وہ جنگلی گلاب ہوتا ہے، موسم بہار میں کھلنے والا گلاب نہایت خوشبودار اور گہرے گلابی رنگ کا ہوتا ہے اُسے "گلِ سرخ" "فصلی اور بہاری کہتے ہیں۔

میر انیس نے یہ تشبیہ حضرت علی اکبرؑ کی مسکراہٹ کے لیئے انتخاب کی ہے:۔

تھی گرچہ پیاس سے دلِ نازک کو بے کلی — لیکن شگفتہ تھا وہ گلِ گلشنِ علیؑ

یوں مسکرائے بات شجاعت کی جب چلی — جیسے کھلی ہوئی ہو گلِ سُرخ کی کلی

خوشبو مہک گئی چمن کائنات میں

بوے تو پھول جھڑنے لگے بات بات میں

سُرخ گلاب کا پھول متانت، سکون، تازگی، امن، سلامتی، خوشبو، طہارت، عظمت، تفوق، حسن وجمال، قوت، ہوش وحواس، سیرابی، روشنی اور اولاد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

گلاب اور خوشبو (حضرت علی اکبرؑ)

ہے دھوم ذرّے ذرّے میں اس آفتاب کی — خوشبو ہے زلف وجسم میں "مشک وگلاب" کی

آئینہ رنگ آئینہ رو کے سامنے — پانی "گلاب" جسم کی خوشبو کے سامنے

مقتل میں امام حسینؑ کی پیشانیٔ انور سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے ہیں:۔

چھڑکاؤ تھا "گلاب" کا اس سرزمین پر — گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب وتاب — غرقِ عرق تھا شرم کے مارے جہاں "گلاب"

حضرت علی اصغرؑ کے رُخسارِ مبارک:۔

سائے میں دامنِ خلفِ بوتراب کے — رخسار تھے کہ پھول کھلے ننھے "گلاب" کے

"حضرت عونؑ ومحمدؑ"

چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب وتاب کے — رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

حضرت علی اکبرؑ کے رخسار مبارک :۔

گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لٹکے سحاب کے　　　رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں "گلاب" کے

صبح کی روشنی :۔

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا　　　کِھلتا ہے جیسے پھول چمن میں "گلاب" کا

حضرت عونؑ و محمدؑ کے چہرے پر پسینے کی تشبیہ :۔

اس طرح تھا عرق رخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

اولاد :۔ (گلِ تر)

"نکہت کوئی بوئے گُلِ تر" سے نہیں بہتر"

عظمت :۔ (گُل)

"سب خلق عندلیب ہے اور گُل حسینؑ ہے"

امام حسینؑ کا نور :۔

نکلا یہ نور نورِ رسالتمآبؐ سے
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

گُلاب اور کانٹے :۔

نیزے یوں گرد تھے جیسے "گُل تر" خاروں میں　　　گھر گئے سبطِ نبیؐ ظلم کی تلواروں میں

آب و تاب :۔ (گلاب)

لفظوں میں یوں ہے معنیٔ روشن کی آب و تاب　　　جس طرح عکس آئینہ میں جام میں گلاب

گلِ حدیقۂ زہرؑا نے آبرو دے کر کلی سے پھول کیا، پھول سے گلاب مجھے

میر انیس اپنی شاعری کی آب و تاب کو بھی گلاب کہتے ہیں اور اپنی شہرت اور عزت یعنی شاعرانہ مرتبے کو بھی سُرخ گلاب کہتے ہیں۔ میر انیس کی شاعری اور شخصیت اُردو ادب کی تازگی بن گئی۔ گلاب کی طرح میر انیس کے مرثیے اُردو شاعری کی سُرخی ہیں:۔

سُرخ رنگ مثبت خصوصیات رکھتا ہے اور اس کا تعلق مردانہ اصول سے ہے غیب دانوں کو اگر جسمی تموج میں سُرخ رنگ امتیازی اور نمایاں طور پر نظر آتا ہے تو وہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ یہ شخص اہم اور بے حد متحرک و سرگرم قسم کا ہے۔ سُرخ رنگ کا نقدان طبیعت میں اضمحلال اور ناتوانی کا اظہار کرتا ہے۔ خاص طور پر خون کی کمی اور اعضار کا بگاڑ ظاہر کرتا ہے"[1]

سُرخ رنگ عمدہ صحت، حرکت، روح کی پاکیزگی، تطہیرِ نفس، کی علامت ہے۔ میر انیس کی شاعری میں سُرخ رنگ چہرے کی تازگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، خون کا رنگ سُرخ ہوتا ہے، شجاعت، غیظ و غضب، جوش اور ولولے سے جب دورانِ خون تیز ہوتا ہے تو سُرخ رنگت چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ ان کیفیتوں کے اظہار کے لیے میر انیس نے بہت سے محاورے سُرخ سُرخ ایجاد کئے ہیں، یہ محاورے اُردو ادب کو میر انیس کی دین ہیں:۔ "پہلے شجاعت کی سُرخی دیکھئے"

چہرہ خوشی سے سُرخ ہونا:۔

"چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہرؑا کے لال کا"

سُرخی لبوں پہ آنا:۔

جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد سُرخی لبوں پہ آگئی پایا گلِ مراد !

---

[1] "رنگوں کے ذریعے علاج" روحانی دنیا مئی ۱۹۸۰ء صہ ۱۶

چہرہ گُل رنگ ہونا :-

مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ　　　یہ سُنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گُل رنگ

منھ سُرخ ہونا :-

حر کا منھ سرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی ؛

رُخ پہ سُرخی آنا :-

یہ سُنتے ہی سُرخی سی رُخِ زرد پہ آئی !

شیروں کا رنگ :-

سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ

شجاعت کی سُرخی :-

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ　　　آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی

خوش خبری :-

قصرِ یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال

اطمینانِ نفس :-

تن بے خوشبو رُخِ گُل رنگ تر و تازہ ہے

جوش :-

جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ

جوشِ شجاعت:۔

سُرخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ

ولولہ:۔

چہرے وہ سُرخ سُرخ وہ جرأت کے ولولے

چہرے لال لال ہونا:۔

چہرے بہ رنگ لالہ شجاعت کر لال لال
رُخ صاف صاف جن پہ نمایاں خطِ خال

کم سن کئی جو لڑکے تھے اُن سب کا تھا یہ حال
چہرے خوشی کر جنگ کی جوں گُل تھے لال لال

بے وجہ منھ نہ سُرخ تھا اس جاں فروش کا
لختِ جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

مژدہ یہ سُن کے چہرے پہ سُرخی سی چھا گئی
گویا کہ اپنا رنگِ شہادت دکھا گئی

غیظ اور جلال میں چہرہ سُرخ ہونا

چہرہ سُرخ ہونا:۔

اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار

آنکھیں سُرخ ہونا:۔

تھی قہر کی نگاہ، غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منھ سُرخ ہونا:۔

منھ سُرخ ہے سب خاطرِ اقدس ہے جو برہم

رنگ آلِ محمدؐ :-

تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال   غل تھا کہ سُرخ روزِ ازل سے ہے رنگِ آلؑ

سُرخ و سیاہ کی آمیزش :-

وہ چشمِ سیہ آہوئے صحرائے خُتن ہے   غصّے سے جو ہو سُرخ تو پھر شیر ہرن ہے

شفق اور گلِ خورشید :-

کچھ دھوپ سے کچھ غیظ سے تھے سُرخ جو رخسار   تھا صاف شفق سے گلِ خورشید نمودار

عزمِ جنگ :-

سجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاحِ جنگ   رکھا جو خود، سُرخ ہوا اور رُخ کا رنگ

چہرہ سُرخ ہونے کی ایک وجہ کامیاب و کامران ہونے کی خوشی بھی ہے۔ چنانچہ میر انیس نے "سُرخ رو" ہونے اور "سُرخ روئی" کو کامیابی و کامرانی کے معنوں میں استعمال کیا ہے :-

سُرخ رو عونؑ ہو سر سبز محمدؑ ہوئے   صدقہ دیتی ہوں کہ بھائی کی بلا رد ہووے

سُرخ رو آپ ہووے اور مرا نام کیا

اور شوقِ شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی

کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم

سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سُرخ رو اٹھے

میر انیسؔ کے جواہرات

میر انیسؔ نے سُرخ جواہرات میں عقیقِ سُرخ، یاقوتِ سُرخ، لعلِ سُرخ، مرجانِ سُرخ کی تشبیہات استعمال کی ہیں۔ میر انیسؔ کو سُرخ نگینے پسند ہیں، ویسے دُرِّ نجف (سفید) زمرد (سبز)، لاجورد (نیلا)، زبرجد (کاہی)، شب چراغ (زرد ہیرا)، نیلم (نیلا) فیروزہ (فیروزی)، کہربا (زرد) موتی (سفید) الماس (ہیرا)، بلور (سفید)، وغیرہ کی تشبیہات بھی استعمال کی ہیں۔ اِن نگینوں کا ذکر ہم سبز، زرد، نیلا اور سفید رنگ میں کریں گے۔

عقیق

یہاں سُرخ نگینوں کا ذکر ضروری ہے، عقیق جواہرات کے درجۂ دوم میں آتا ہے۔ جبکہ لعل، یاقوت، الماس (گلاب جیسا سُرخ) اور مرجان کا شمار درجۂ اوّل کے جواہرات میں ہوتا ہے۔ لیکن عقیق اپنی عظیم خصوصیات کی بنا پر ان جواہرات پر فوقیت رکھتا ہے۔ میر انیسؔ عمدہ آب دار نگینے پسند کرتے تھے، عقیق اور فیروزے کی اُنکی انگوٹھیاں میں نے سید اصغر حسین مرحوم (فرزند بابو صاحب فائقؔ) کے پاس دیکھی ہیں۔

میر انیسؔ نے "عقیقِ جگری" کی ترکیب بھی استعمال کی ہے۔ یہ عقیق کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ "عقیقِ جگری" نہایت سُرخ ہوتا ہے اس کا اندرونی رنگ بیرونی رنگ کی نسبت زیادہ سُرخ ہوتا ہے۔ میر انیسؔ حضرت امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ کے لبہائے مبارک کی تعریف میں عقیق کی تشبیہ استعمال کرتے ہیں:۔

یاقوت لب سُرخ ہیں دنداں دُرِ مکنوں ۔۔۔۔۔ دیکھے سے "عقیقِ جگری" کا بھی ہو دل خوں

نازک لب اس صفت کے دہن اس طریق کا — خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

ایسے گہر نہیں کہیں بحرِ عمیق میں — گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

منھ چوم کے سیر کہنے لگے شاہِ خوش خصال — صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہ کا لال

دُرجِ دہن پہ لعل و عقیقِ یمن نثار — غنچے نثار پھول تصدق چمن نثار

شرمندہ ہر لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ — رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ

یاقوت

یاقوتِ احمری، ندرت، رنگت اور خوش وضعی میں تمام جواہرات سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ نہایت ہی مقبولِ نظر نگینہ ہے۔ یہ رات کو بھی دن سا درخشاں رہتا ہے۔ اس لیے "شب چراغ" بھی کہتے ہیں۔ سب سے اچھا یاقوت گہرے سُرخ رنگ کا ہوتا ہے، بعض یاقوت گہرے گلابی مثل انار دانے کے ہوتے ہیں۔ یہ نگینہ روحانی طاقت، عزت و رفعت کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس سے طاقتور برقی شعاعیں نکلتی ہیں اس کا ستارہ مریخ ہے اور وہ بھی سُرخ ہے، لبہائے مُبارک کی تشبیہ کے لیے میر انیس اس نگینے کا انتخاب کرتے ہیں:۔

تھے لعلِ لب نگینہ یاقوتِ احمری — رنگیں ہے جن کے وصف کر باغِ سخنوری

"قرآن میں یاقوت اور مرجان کا ذکر ہے۔"

حوروں کی تعریف میں قرآن میں ہے:

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ (سورہ رحمٰن آیت ۵۸)

گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان (مونگا) ہیں۔

لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں جو بیس پہر سے

دبتے تھے جو دانتوں کے تلے لعلِ گہر بار
تھے پرچہ یاقوت میں گویا دُرِ شہوار

یاقوت کیا ہے سامنے ان کے تو وہ بھی دنگ
دل خوں ہوا مگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ

دندانِ مبارک کو نہ کہیئے کہ گہر ہیں
ہیرے کے نگینے ہیں تو یاقوت کے گھر ہیں

لعل

لعل بھی جواہرات میں قیمتی نگینہ ہے، اس کا رنگ ارغوانی پھول کی طرح سُرخ ہوتا ہے، بصارت، غم سے نجات، اور صبر کی علامت ہے۔ بدخشاں اور یمن میں یہ کثرت سے پایا جاتا ہے اس لئے "لعلِ یمن" اور "لعلِ بدخشانی" کے نام سے مشہور ہے، میر انیس نے "لعل" کو اتنے معنی میں استعمال کیا ہے کہ اس کے لیئے ایک الگ مضمون درکار ہوگا، یہاں ہونٹوں کی تشبیہات کے لیئے دیکھئے:۔

حیرت ہے صفا دیکھ کے ان دانتوں کی صف کی
دو لعلوں میں تسبیح ہے اک دُرِ نجف کی

باتوں میں لب جو ملتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لعل کے

صدقے ہزار جاں لبِ پاک حضور پر
گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندِ مکرر ثنائے لب

لب ایسے کہ سو لعل یمن جن پہ تصدق
دانت ایسے کہ دُر ہائے عدن جن پہ تصدق

"لبِ شبیرؑ"

یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لال کی توقیر
پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر

ہر لب پہ ہے ذکر اُن کی جو شیریں سخنی کا
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دندانِ مبارک سُرخ ہو گئے :۔

دُرِّ عدن عقیق یمن بن گئے ہیں سب ‌‌‌‌‌‌ فیروزی ہیں پیاس کی شدت سے لعلِ لب

ہے عبا تیروں سے غربال قبا گلگوں ہے ‌‌‌‌‌‌ ہونٹ یاقوت سے زخمی ہیں دہن پُرخوں ہے

حضرت علی اکبرؑ کے دندانِ مبارک :۔

اللہ رے نور گوہر دندانِ آب دار ‌‌‌‌‌‌ بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار ‌‌‌‌‌‌ ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرؑ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں ‌‌‌‌‌‌ وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے رنگ ہیں

وہ فصلِ شباب اور وہ رنگِ گلِ رخسار ‌‌‌‌‌‌ دنداں وہ سب الماس سر وہ لعلِ گہر بار

رخسار ہیں وہ گُل جنہیں خوفِ خزاں نہیں ‌‌‌‌‌‌ ٹکڑے ہیں لعل کے لبِ شیریں بیاں نہیں

سوکھے لبوں پہ لعلِ بدخشاں نثار ہیں — دانتوں کے نور پر دُرِ غلطاں نثار ہیں

حضرت امام حسینؑ کے لب ہائے مبارک کی مدح میں میرانیسؔ نے چار سُرخ نگینوں کو ایک جگہ یکجا کر دیا ہے۔ یاقوت، عقیقِ یمنی، مرجان اور لعلِ بدخشاں۔

یاقوت جو وہ لب ہیں تو دنداں دُرِ شہوار — جس طرح شفق وقتِ سحر ہو وے نمودار
یوں صاف نمایاں ہیں رگیں ہونٹوں پہ دو چار — گویا ہے عقیقِ یمنی پر خطِ گلزار

اے جوہریو رنگ میں مرجاں سے ملالو
بہتر ہیں یہ لب لعلِ بدخشاں سے ملالو

ہونٹوں کی سُرخی کے ساتھ ساتھ میرانیسؔ شہدائے کربلا کے "سُرخ رخسار" اور "سُرخ آنکھوں" کی تشبیہات پر بھی توجہ رکھتے ہیں:۔

رُخسار ہیں شگفتہ گُلِ ارغوانِ باغ — سبزے میں پھول ہوتے ہیں اکثر میانِ باغ

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ — رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول

تھا مہر کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار — ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سُرخ تھے رخسار

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم — منھ سُرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم

آنکھوں کے سُرخ ڈورے، جوشِ شجاعت سے پڑتے ہیں یا رات بھر جاگنے سے یا آفتاب کی حدت سے۔ دیکھیے حضرتِ عباسؑ کی آنکھوں کی سُرخی، میرانیسؔ کے بہترین اشعار میں سے ایک شعر:۔

ڈورے جو سُرخ سُرخ ہیں چشمِ سیاہ میں — پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

سُرخی کے مد کہ آنکھوں کے ڈورے ہیں لال لال

حضرت علی اکبرؑ کی آنکھوں میں سُرخی :۔

جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار　　ڈورے جو سُرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار

تلوار اور سُرخ رنگ

خون میں ڈوبی ہوئی سُرخ تلواروں نے میر انیس کی رزمیہ تصویروں میں چاروں طرف سُرخ رنگ بکھیر دیا ہے۔ خون کے قطرے ہیں کہ تلوار لعل اُگل رہی ہے۔ خون کی سُرخی ہے کہ تلوار نے سُرخ لباس زیب تن کیا ہے۔ تیغ کی لالی ہے کہ ہونٹوں پر پان کی سُرخی حضرت علی اکبرؑ کی تلوار اور خصوصاً ذوالفقار نے اتنا قتلِ عام کیا کہ کربلا کی زمین کو لالہ زار بنا دیا، میدانِ کربلا سُرخی سے شفقی نظر آتا تھا، فرات کا پانی خون کا دریا بن گیا تھا،

کیا کسی مشہور آرٹسٹ کی تصویر دیکھ کر اس کے بھرے ہوئے رنگوں کے گہرے پن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "اس فنکار نے سُرخ رنگ بھرنے میں مبالغہ کیا ہے"؟ ۔ نہیں، آپ تو اُن رنگوں کے جادو میں محو ہو جاتے ہیں، تصویر پسند آتی ہے تو خرید کر ڈرائنگ روم کی زینت بنا لیتے ہیں۔

میر انیس نے اپنی تصویروں میں محلِ وقوع کی مناسبت سے سُرخ رنگ کا استعمال کیا ہے۔ اس میں مبالغے کی گفتگو کہاں سے آجاتی ہے، :۔

"اس تیغ نے سب رن کی زمیں خون سے رنگی"

"نام آوروں کی تیغوں کے منھ لال رہتے ہیں"

"اُتری وہ تیغ خون کی ندی چڑھی ہوئی"

"بہتا کہیں لہو کی کہیں خوں کا آبشار"

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غُل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

گرمی یہ تھی کہ خوں میں نہائی ہزار بار

دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
معشوق بنی سُرخ لباس اُس نے جو پہنا

یوں سُرخ ہوا خوں سے دمِ تیغِ ہلالی
جیسے لبِ معشوق پہ ہو پان کی لالی

بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوندگئی تنگ کے نیچے

سب جسم بھبھوکا تھا حرارت تھی غضب کی
کُفّار کو پھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

"تلوار کے قبضے میں رومال بندھا ہوا تھا"، میر انیس کی معلومات تو دیکھئے :۔

جب خون میں بھر جاتی تھی وہ برّ یۂ الماس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرت عباسؑ

بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
مولاؑ کی سرکار سے رومال ہوا تھا

حضرت علی اکبرؑ کی جنگ :۔

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی

یہ سُرخ زمین دیکھئے:۔

تھا دور تلک خون سے اُس فوج کے رَن سُرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے ایک پھل کا چمن سُرخ

بھرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سُرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سُرخ دہن سُرخ

بے وجہ نہ منھ لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑہ وہ اٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

کسی تصویر میں صرف سُرخ رنگ بھرا ہو تو وہ تصویر بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، سُرخ کو نمایاں کرنے کے لیئے آرٹسٹ عام طور سے کبھی سبز کبھی زرد کبھی سیاہ اور کبھی سفید رنگ کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح رنگوں میں ([illegible]) پیدا ہو جاتا ہے میر انیسؔ آرٹ کے اس نازک خیال یا نظریہ سے اچھی طرح واقف ہیں، کہیں ہمارے ناظر سُرخ رنگ سے اُکتا نہ جائیں اس لیئے وہ سُرخ کے ساتھ سبز، زرد اور سیاہ بھی بھرتے ہوئے چلتے ہیں:۔

سبز اور سُرخ:۔

معشوق سبزہ رنگ تھی وہ تیغ حق امی ______ لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی

(پان میں سُرخ اور سبز کا امتزاج ہوتا ہے)

زرد اور سُرخ:۔

جب تک چلی وہ زرد سیاہ عدو رہی
اس دن کے معرکے میں وہی سُرخ رو رہی

میر انیسؔ قلمِ فکر سے "تصویر خیالی" بناتے ہیں، پھر اس تصویر میں رنگ بھر دیتے ہیں:۔

یوں سُرخ ہوا خوں سے دمِ تیغِ ہلالی!
جیسے لبِ معشوق پہ ہو پان کی لالی!

کھینچی قلمِ فکر نے تصویرِ خیالی!
لیکن نہیں یہ بات بھی کچھ رنگ سے خالی

دل آب ہے غربت پہ ستم تشنہ گلو کی!
تلوار بھی پیاسی ہے لعینوں کے لہو کی!

میر انیس رنگوں کو (Contrast) کس طرح کرتے ہیں اور ان رنگوں کے تناسب میں انہیں کس قدر ملکہ حاصل ہے۔ یہ گفتگو ہم سبز، زرد، نیلے، اودے الگ الگ رنگوں کے جائزے کے بعد کریں گے۔ سُرخ رنگ "شہادت" کا رنگ ہے، اگر یہ رنگ خوشی اور مسرت کا رنگ ہے تو یہی سُرخ شہید کے لباس کا بھی ہے، "شہادت" شہید کے لیئے "عید" ہے، سُرخ لباس دولھا کا بھی لباس ہے:-

پرخوں قبائیں جسم میں، سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خُلد میں دولھا بنے ہوئے

شہید کو خدا کی راہ میں "شہادت" پیش کرنے کی کتنی خوشی ہوتی ہے، امام حسینؑ شہادت گاہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں، بس آج دینِ خدا "سُرخ رو" ہو جائے گا، حسینؑ دولھا بنے ہوئے ہیں۔ "نجات کا پروانہ" حسینؑ نے اُمت کے لیئے حاصل کر لیا ہے، نجات کا دفتر جبرئیل لیئے ہوئے خدمت میں حاضر ہیں،

ذرا تصویر میں دیکھیئے میر انیس نے کتنے رنگ بھرے ہیں، لیکن سُرخ رنگ کی انفرادیت نے تصویر کو کتنا خوبصورت بنا دیا ہے:-

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی — اللہ ری غضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی
تصویر ہے جناب رسالتمآبؐ کی — پیری دکھا رہی ہے لطافت شباب کی
بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

حوریں ہیں گرد ساغرِ کوثر لیئے ہوئے — قدسی جلو میں ہیں طبق زر لیئے ہوئے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیئے ہوئے — جھولی میں ہے نسیمِ گُلِ تر لیئے ہوئے
لُٹتے ہیں پھول وادی عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

حضرت امام حسینؑ جو شہادت دے رہے تھے اس کا سبب "عشق الٰہی" کی

سرشاری تھی، میر انیس کہتے ہیں "عشق کا رنگ بھی سُرخ ہے :-

"بھڑکی ہے آگ عشق کی لالہ کے داغ میں"

شہیدوں کا لباس سُرخ ہوتا ہے

حدیثِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ شہید کا کفن اس کا لباس ہے جو خُون سے رنگین ہوتا ہے، شہید قیامت کے دن اسی سُرخ لباس میں محشور ہوگا۔ کربلا کے شہیدوں کو سُرخ لباس میں دفن کیا گیا۔ میر انیس کہتے ہیں اُن کے لباس خون سے سُرخ تھے :-

"اُجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں"

منھ پر لٹکتے گیسوئے خمدار دیکھ لوں
ڈوبے لہو میں چاند سے رُخسار دیکھ لوں

مانندِ شیر جھومتا تھا قاشِ زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

دولھا بنے ہیں خون کی مہندی لگائے ہیں
سہرا تمہیں دکھانے کو مقتل سے آئے ہیں

کہتی تھی ماں نثار ہو آنکھیں تو وا کرو :
ان خوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو

ہے ہے بھری ہے خوں میں تری چاند سی تصویر
ہے ہے تری پیشانیٔ روشن پہ لگا تیر

"سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے"

دولھا کہوں کہ قاسمؑ گلگوں قبا کہوں :

داغوں سے خوں کے رخشِ بدن لالہ زار تھا

پھولے ہیں گُلِ زخم کوئی جا نہیں خالی   شرماتی ہے جن سے گلِ صد برگ کی لالی

تھا خون کا دریا جو ہر اک زخم سے جاری   منھ زرد تھا اور تن کی قبا سُرخ تھی ساری

آنکھیں پھرائیں چاند سا منھ زرد ہو گیا   منھ سے اُگل اُگل کے لہو سرد ہو گیا

لہو سے لال جو رن میں علیؑ کا لال ہوا

قبا رسُولؐ کی سب خوں سے ہو گئی گلنار

سُرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے   کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

سجدے کو سرِ پاک جھکا طاعتِ حق میں   خورشیدِ زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

برچھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگر   مانندِ گُل تھی تن کی قبا خوں میں تر بہ تر

خوں میں قبا رسُولؐ کی تر ہو گئی تمام

کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں میں بھرے تھے

عمامۂ محبوبِ خدا خون میں تر ہے   مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے گلا خون میں تر ہے   سارے تنِ اطہر کی قبا خون میں تر ہے

میر انیس کے ایک مرثیے میں "سُرخ رنگ" کا استعارہ

میر انیس نے سیکڑوں لفظ "سُرخ رنگ" کو واضح کرنے کے لیئے استعمال کیئے ہیں جن میں تراکیب اور محاورے بھی شامل ہیں:۔

لعل، لہو، خون، لال، سُرخ رو، برق، پان کی لالی، زبان سُرخ، دمن سُرخ ربیرٹہ، بھبھوکا، لالہ رنگ، یاقوت سُرخ، یاقوت احمری، عقیق، عقیقِ یمنی، عقیق جگری، لعلِ بدخشاں، لعلِ یمن، برگِ گُل، شفق، شفقی رنگ، وقتِ سحر، مرجان، گُلِ سُرخ، گُل رنگ، قصرِ یاقوت، گُلِ خورشید، لختِ جگر، خون کی مہندی، خون کی شفق، گلگوں قبا، لالہ زار، گُلنار، گُل صد برگ کی لالی، لبِ لعل، گُل زخم، خون کا دریا، سُرخیٔ شفق، لالہ زارِ صبح، گُلِ ارغوان، گلاب، دردِ سُرخی کے مد، سُرخ ڈورے، آتش رنگ، سُرنگ، کُسم، احمر، شابانہ رنگ، شمع رنگ، شعلہ رنگ، شنگرفی، عُنابی، شہابی، شرر، محاوروں کی فہرست آخر میں دی گئی ہے۔

یہاں ایک ایسا مرثیہ پیشِ نظر ہے جس میں شروع سے آخر تک "سُرخ" رنگ کا استعارہ موجود ہے، اور چونکہ مرثیہ حضرت قاسمؑ کے حال کا ہے اس لیئے میر انیس کہیں کہیں "سُرخ" کے ساتھ "سبز" رنگ کا د ( ) بھی پیش کرتے ہیں، مرثیہ ہے۔

"پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح"

شفق کا رنگ میر انیس نے گہرا سُرخ دکھایا ہے، "لالہ" کے پھولوں سے تشبیہ دے کر لال رنگ کے شید د ( ) کو واضح کر دیا ہے، اُن کے مرثیوں میں شفق کی سُرخی بکھری ہوئی ہے،

شفق

شفق عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "غروبِ آفتاب کے بعد اُفقِ آسمان کی سُرخی" یہ لفظ قرآن میں ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے، سُرخ رنگ کے معنی میں ......

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (سُورۂ اِنشقاق آیت ۱۶)

"پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں"

یعنی ہمیں شام کی سُرخی کی قسم .....

عربی، فارسی اور اُردو زبان میں شفق کو شہیدوں کے خون سے تشبیہ دیتے ہیں اور دماء الشہدا ر کہتے ہیں۔ آفتاب طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے کے فوراً بعد آسمان پر جو سُرخ رنگ نمودار ہوتا ہے اُسے شفق کہتے ہیں۔

سُرخ رنگ کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ مالکِ کائنات نے اس کی قسم کھائی ہے عرب کے ایک مشہور شاعر اُمیّہ بن ابی الصلت جس کا نام ربیعہ بن وھب بن علاج الثقفی تھا اس کے اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت پسند تھے اور اکثر اپنے اصحاب سے اس کے شعر سُننے کی فرمائش کرتے تھے، اُمیّہ بن ابی الصلت نے ایک شعر میں سُورج کا رنگ سُرخ اور گلابی بتایا ہے:۔

والشمس تُصبح کُلَّ آخِرِ لیلۃٍ

حمراءَ یُصبح لَونُہا یَتَوَرَّد

"ہر رات کے آخر میں سُورج کا رنگ صبح کے وقت سُرخ ہوجاتا ہے اور پھر گلابی ہوجاتا ہے"[1]

میر انیس نے بھی عاشور کے دن صبح کے وقت آفتاب کو سُرخ دیکھا ہے:۔

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب

نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب

طالع جو ہوا مہرِ جہاں تاب افق سے

گُل رنگ ہوا روئے فلک رنگِ شفق سے

میر انیس نے شفق کی سُرخی کا مختلف اشعار میں ذکر کیا ہے:۔

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

---

[1] بلوغ الادب جلد سوم صفحہ ۱۵ مصنف محمود شکری آلوسی طبع مرکزی اُردو بورڈ

وہ سُرخیٔ شفق کی ادھر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار

سُرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا

تھی دوپہر اور دامنِ صحرا شفقی تھا
گُل رنگ لہو سے جو ہر اک جسم شفقی تھا

قرآن میں مالکِ کائنات نے صبحِ عاشور اور شامِ عاشور کی قسم کھائی ہے، میر انیس کہتے ہیں۔

قرآں سے عیاں ہے بزرگی امام کی
کھائی قسم خدا نے اِسی صبح و شام کی

رفیقانِ امامِ حسینؑ :۔

خوں کی شفق میں ڈوب گئے وہ مہ منیر

شہادت امام حسینؑ :۔

سجدے کو سرِ پاک جُھکا طاعتِ حق میں
خورشید زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

حضرت عونؓ و محمدؓ :۔

گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہے نورِ حق
سُرخی نہیں یہ مہرِ منور پہ ہے شفق

تلوار:۔

گویا ھلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

چہرۂ مبارک:۔

کچھ دھوپ سے کچھ غیظ سے تھے سُرخ جو رخسار
تھا صاف شفق سے گُلِ خورشید نمودار

قرآن میں آسمان کے رونے کا ذکر ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ (سورۂ دخان آیت ۲۹) اس آیت کی تفسیر میں "صحیح مُسلم شریف" میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو اس مصیبت پر آسمان بھی رویا اور آسمان کا رونا اس کا سُرخ ہو جانا ہے، اس کی مؤیدہ روایت ہے جسے علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایک دفعہ کربلا سے گذر ہوا۔ جب قتل گاہِ حسینؑ تک پہنچے تو فرمایا یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی اور اسباب رکھنے کی جگہ ہے۔ حسینؑ اور اس کے ساتھی اسی میدان میں قتل کئے جائیں گے، جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی"۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "طلوع اور غروبِ آفتاب کے وقت بہت ہی زیادہ سُرخی ہو جایا کرتی تھی۔ المناقب میں انہی حضرت سے منقول ہے کہ آسمان امام حسین علیہ السلام پر چالیس روز خون سے رویا"۔[2]

آسمان سے شہادتِ حسینؑ پر خون برسا، عاشور کے دن سے آسمان سُرخ گملے کی طرح رہا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پورے آسمان پر خون پھیلا ہوا ہے۔ جس کے آثار آج تک وقتِ غروب مغربی افق پر سُرخی کی شکل میں موجود ہیں۔ دُنیا

---

[1] القرآن الحکیم ترجمہ و تفسیر مولانا فرمان علی ص۵۹۵ مطبوعہ چاند کمپنی اُردو بازار لاہور۔

[2] القرآن المبین ترجمہ و تفسیر مولانا امداد حسین کاظمی ص۱۳۱ انصاف پریس لاہور۔

جانتی ہے کہ یہ سُرخی واقعہ کربلا سے پہلے نہ تھی۔" ایک روایت میں ہے کہ آسمان سے اتنا خون برستا رہا کہ مکانوں کی چھتیں اور دیواریں اس قدر سُرخ ہو جاتی تھیں کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ دیواروں پر خون مل دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک جاری رہتا تھا۔ عاشور کے دن سیاہ آندھی اُٹھی، ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے سُورج میں تین دن گرہن لگا رہا۔"[۱]

فریاد کا غل اُٹھتا تھا ہر بار زمیں سے
ریتی پہ برستا تھا لہو چرخِ بریں سے

میر انیس نے اس طرح کی روایات و واقعات کا کتابوں میں مطالعہ کیا ہوگا اور ان روایات سے متاثر ہونے میں وہ حق بجانب تھے کہ اُن کا تو موضوع ہی یہی تھا۔

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب

میر انیس کو اپنا شعر پسند تھا، ایک دوسرے مرثیے " جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا" میں "شہِ آسماں" کی جگہ " امامِ فلک" کی ترمیم کے ساتھ یہ شعر موجود ہے:۔

تھا بس کہ روزِ قتلِ امامِ فلک جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب

شفق کی سُرخی کا ذکر میر انیس نے مختلف مرثیوں میں کیا ہے:۔

وہ سرخیٔ شفق کی ادھر چرخ پر بہار

سُرخی وہ شفق کی افقِ چرخ پہ کم کم

سُرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا

---

[۱] " معالی السبطین فی احوال الحسن والحسین" صفحہ ۲۲۸ علامہ محمد مہدی مازندرانی مترجم مولانا اثیر جاڑوی ولی العصر ٹرسٹ ضلع جھنگ۔

مرثیہ " پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح " حضرت قاسمؑ کی شہادت کے حال کا مرثیہ ہے ۔ اس مرثیے میں میر انیسؔ نے "سُرخ اور سبز" رنگ بھرے ہیں ، کہیں کہیں سیاہ زرد اور نیلا رنگ بھی حسبِ ضرورت تصاویر میں بھر دیتے ہیں ، تاکہ سُرخی نمایاں ہو جائے اس مرثیے میں "سُرخ رنگ" کے استعارے کے لیئے اُنہوں نے سُرخ کے تلازمے مندرجہ ذیل قائم کیئے ہیں :۔

شفق ، لالہ زار ، گلاب ، نُورِ صبح ، سُرخ پھول ، خون ، لہو ، عقیق ، برگِ گل ، روشنیٔ آفتاب ، گل بدنی ، یمن ، جلال ، آفتاب ، دستِ حنائی ، اشکِ خوں ، سُرخ رو ، عروسِ اجل ، شمع ، گل عذار ، دُلھن ، گُل رو ، لعلِ لب ، آبِ عقیق ، لعلِ بدخشاں ، تیرِ شہاب ، گلگوں قبا وغیرہ ۔

مطلع کے مصرعۂ اولیٰ میں "سُرخ" رنگ کے لیئے دو لفظ موجود ہیں "شفق" ، "لالہ زار"

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

بند م۱ کی بیت میں "سبز اور سُرخ" کا امتزاج پیش کرتے ہیں ، "چرخِ اخضری" یعنی سبز اور "گلاب" بمعنی سُرخ ،

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

بند م۲ کی بیت میں "سبز اور سفید موتیوں" کا امتزاج ہے :۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

بند م۳ میں "نورِ صبح" ، سُرخ اور "سبزہ زار" سے سبز رنگ اُبھارا گیا ہے :۔

وہ نورِ صبح ، اور وہ صحرا وہ سبزہ زار

"قمری اور طاؤس" کے رنگ :۔

کو کو وہ قمریوں کی ، وہ طاؤس کی پکار

بند م۴ میں "آفتاب" سے سُرخ اور "طاؤس" سے سبز رنگ کا استعارہ موجود ہے :۔

آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو کو وجد میں طاؤسِ آسماں

زمین بھی سُرخ تھی :۔

ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں

آسمان سبز تھا :۔

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
سُرخ زمین پر "زمردی" رنگ کا سبزہ کہہ کر رنگوں کو (Contrast) کیا ہے :۔

کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی

میر انیسؔ کو سبزہ زار پر اصرار اس لیئے ہے کہ وہ یہ بتا سکیں کہ

سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

میر انیسؔ تصاویر میں چند رنگوں کا اضافہ کرتے ہیں، سُرخ، نیلا (لاجوردی) سبز اور زرد'

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ، وہ گلہائے سُرخ و زرد

"سُرخ اور سبز" کا (Contrast) بیت میں موجود ہے :۔

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

اور یہ سُرخی روزِ قتلِ حسینؑ کی سُرخی تھی :۔

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہ آسماں جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب

میر انیسؔ لشکرِ یزید کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں یہاں تصویر میں سیاہ رنگ کی ضرورت ہے :۔

ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ

"سفید" رنگ کی ضرورت پڑ گئی تھی اب تلواروں کی چمک سے فائدہ اٹھایا :۔

طوفانِ آب تیغ اُٹھا تھا فرات پر

اور لشکرِ یزید نواسۂ رسولؐ کا خون بہانے پر آمادہ ہے، "سُرخ رنگ" کا استعارہ موجود ہے:-

ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

خیمۂ حسینی میں سوگوارانہ ماحول ہے، جنابِ زینبؑ مضطرب ہیں، "کبودی" نیلا رنگ ماتمی رنگ ہے:-

سینہ کبود، چاک گریباں، شکستہ حال

چونکہ امام حسینؑ یہ فرما رہے ہیں:- (سُرخ رنگ)

کھائیں گے تیرِ ظلم، لہو میں بھریں گے ہم

جنابِ سکینہؑ کو اپنے بابا سے فرقت کا صدمہ ہے، امام حسینؑ بیٹی کو سمجھا رہے ہیں، (سُرخ رنگ عقیق، برگِ گل):-

صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال

ان برگِ گُل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو

امام حسینؑ رخصت ہو کر خیمے سے باہر تشریف لائے ہیں

پھیلی زمیں پہ روشنیٔ آفتابِ نور

اصحاب و انصار شہادت کو عید سمجھتے ہیں، "شہادت اور عید" دونوں کا رنگ "سُرخ" ہے:-

کہتے تھے "روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن"

بند ۱۲ کا چوتھا مصرع میر انیسؔ کے اس رنگ سے جلد ہی متعارف کروا دیتا ہے:-

جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ

میر انیسؔ امام حسینؑ کے رشتے داروں کی مدح میں کہتے ہیں، دیکھیے تصاویر میں سُرخ رنگ موجود ہے:-

ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار

اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

(سبز رنگ) خلق و مروتِ حَسنی اُن پہ ختم تھی

(سُرخ رنگ) حُسن اُن پہ ختم، گل بدنی اُن پہ ختم تھی

(سُرخ رنگ) اُن سب گلوں میں اک علی اکبرؑ سا گُل بدن

(سُرخ رنگ) سُرخی تھی لب پہ، گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے، تو یمنؔ بھی قریب تھا

حضرت علی اکبرؑ فرماتے ہیں :۔
نامرد "برقِ تیغ" سے جل جائیں تو سبھی (سُرخ رنگ)

امام حسینؑ فرماتے ہیں :۔
صدقے ترے جلال کے، اے میرے آفتاب (سُرخ رنگ)

پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی (بہاریہ رنگ)

حضرت قاسمؑ بھی قریب ہی موجود ہیں :۔

لے یمن اپنے عقیق کی وجہ سے سُرخ کا استعارہ ہے۔ ویسے "یمن" کے معنی سُرخ کے ہیں کہ وہاں کے باشندوں کو "حمیر" سُرخ باشندے کہا جاتا ہے۔
(دیکھئے تاریخ ارض القرآن از علامہ سلیمان ندوی صفحہ ۲۱۹)

اک سو چراغِ محفل شبّیرؑ تھا جلوہ گر   (سنہرا رنگ)
روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در

تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر !   (درد بھلا رنگ)

اب چونکہ فرزندِ حسنؑ ہیں اس لیئے میر انیسؔ کو یہاں "سبز رنگ" درکار ہے :۔

شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

آج قاسمؑ شہید ہوں گے ، دولھا بھی ہیں ، حسنؑ کے بیٹے اور حسینؑ کے داماد ہیں میر انیسؔ کو اس جگہ "سُرخ اور سبز" دونوں رنگ تصویر میں بھرنے ہیں ، کوئی ایسی چیز جس میں یہ دونوں رنگ موجود ہوں وہ حنا مہندی ہے :۔

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں   (سُرخ رنگ)
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں   (سُرخ رنگ)

حضرت قاسمؑ دولھا ہیں ، سنہرا رنگ تصویر میں ضروری ہے :۔

اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں

مہندی کا رنگ بھی موجود ہے :۔

دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

اب میر انیسؔ کو سُرخ رنگ کا استعارہ چاہیئے کہ یہ رنگ نمایاں رہے :۔

تھے پہلوئے حسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے دو نجم بے مثال

"سبز اور سُرخ" کا (contrast) تصویر میں حُسن پیدا کر دیتا ہے :۔

آگے بڑھے عَلَم لیئے عباسؑ نامدار !   (سبز)

پھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ عَلَم کے ساتھ   (سُرخ اور سبز)

میدانِ جنگ میں خون برسنے لگتا ہے، سُرخ تصویریں مقتل میں اُبھرنے لگتی ہیں :۔

افتادہ خاک وخوں میں وہ اہلِ تمیز تھے

تیغوں سے ٹکڑے ہوگئے پوتے عقیل کے

نکلے دغا کو زینبؑ ناشاد کے پسر :۔

آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

حضرت اُمِ فروہ (بیوۂ امام حسنؑ) حضرت قاسمؑ کو میدان میں شہید دیکھنا چاہتی ہیں :۔

رو کر کہا کہ اے حسنؑ مجتبیٰ کے لال

جاری ہیں اشکِ خوں مری چشمِ پُر آب سے

تصویر میں سُرخ رنگ کے ساتھ سبز رنگ موجود ہے :۔

ع مادر کے منھ کو دیکھ کے بولا وہ گُل عذار

ع اماں! مزارِ کشتۂ سم کی ہمیں قسم

زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم

حضرت قاسمؑ رخصت کے لیئے دلھن کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں :۔

ع حیدر سے ہم، بتولؑ سے تم سُرخ رو رہو (سُرخ)

ع کھولو جو لعلِ لب، تو گہر ہم فدا کریں (سُرخ)

ع صاحب! ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو! (سُرخ)

اس سُرخی میں کس خوبصورتی سے میرانیسؔ "نرگسی" رنگ بھر دیتے ہیں :۔

ع نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور

تصویر میں شمع رنگ بھی موجود ہے :۔

ع اے شمعِ بزمِ مہر ووفا یوں ہی چاہیئے

حضرت قاسمؑ رخصت ہو رہے ہیں، تصویر گہری سُرخ ہوتی جا رہی ہے :۔

ع تسلیم کر کے قاسمؑ گُل رو ہوا سوار (سُرخ)

سُرخ پر سنہرا رنگ بہت کھلتا ہے :۔

دولھا کے نورِ رُخ کی ضیا دور دور تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

اللہ رے چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

تصویر میں سُرخ رنگ اپنی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے :۔

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندؔ مکرر ثنائے لب

شاعر کو زبان کی پاکیزگی اور تری کے لیے "آبِ عقیق" کی ضرورت ہے، پانی میں عقیق مس کرنے سے پیاس بار بار نہیں لگتی ہے۔ پانی میں عقیق کا سُرخ عکس، تصویر کتنی حسین بن گئی ہے ؎ ع

دھونا زباں کو چاہیئے آبِ عقیق سے

حضرت قاسمؑ میدانِ جنگ میں رجز پڑھ رہے ہیں، عقیق کا (Contrast) یہ مرثیہ میں زمرد ہے، یہاں میرانیس نے زمرد کو "ہیرا" کہہ کر "سبز رنگ" تصویر میں بھر دیا ہے :۔

ہیں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اس کا لال ہوں

اس کا پسر ہوں اے سپہ مصر و روم و شام
گلزار فاطمہؑ کا ہے جو سروِ سبز فام

حضرت قاسمؑ پر لشکرِ یزید حملہ آور ہے، یہاں "سیاہ" رنگ کی ضرورت تھی تاکہ قاسمؑ کی تیغ کا نور سیاہی میں چمک پیدا کر دے :۔

؎ "قند" مُرخ شربت کو بھی کہتے ہیں۔ (مثلاً شربتِ انار)

ڈھالیں اٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی ، نور ہو گیا

لشکرِ یزید سے ازرق کا ایک پسر حضرت قاسمؑ سے لڑنے آتا ہے، مثل ناگ کے "سیاہ" ہے:۔

نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل

حضرت قاسمؑ نے اُسے قتل کر دیا اب دوسرا پسر ازرق میدان میں آیا، یہاں میرانیس حضرت قاسمؑ کے گھوڑے کا رنگ بتاتے ہیں "سمند" زردی مائل سُرخ" سیاہی میں اس رنگ سے (Contrast.) ہو جاتا ہے:۔

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند

ازرق کے چاروں پسر حضرت قاسمؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے، ازرق کے معنی عربی میں "نیلے رنگ" کے ہیں، سیاہی مائل اس کا رنگ ہے اور بیٹوں کی موت سے آنکھوں میں خون اُتر آیا ہے:۔

جوشِ غضب سے سُرخ ہوئی چشم نابکار

سیاہی میں "سُرخی" بہت خوفناک رنگ ہے، اکثر آپ نے "کالی دیوی" کا بُت دیکھا ہو گا، جسم سیاہ اور آنکھیں اور زبان "سُرخ"، کتنی خوفناک معلوم ہوتی ہے یہ "کالی دیوی"۔ ازرق کی جو تصویر میرانیس نے بنائی ہے، کمال کر دیا ہے:۔

نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

"ہاتھی" کا رنگ بھی "سیاہ" ہے اور "لوہے" کا رنگ بھی "سیاہ" ہے:۔

پہنی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں

حضرت قاسمؑ، ازرق سے کہتے ہیں:۔

"کالی بلا" تری یہ سپر ہے ترے لیئے

دیکھیئے آخر میرانیسؔ نے "کالی بلا" (کالی خوفناک عورت، یعنی "کالی دیوی" کا ذکر کر ہی دیا:۔

آہوش میں، کہ تجھ کو "سیاہی" دبائے ہے

میر انیسؔ جنگ کی اس تصویر میں مسلسل "کالے" رنگ سے کام لے رہے ہیں، گینڈے کی ڈھال، چیونٹی، دبیل، ہاتھی، چتلے سانپ، گرجتے سیاہ بادل، (حضرت قاسمؑ فرماتے ہیں):۔

ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او زبوں شعار گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آب دار

لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منھ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچّوں نے شیر کے

حضرتِ عباسؑ، حضرت قاسمؑ سے فرماتے ہیں:۔

بھاری زرہ وہ پہنے ہے جوٹیں کڑی رہیں

گو پیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور

چتلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

میر انیسؔ تصویر میں یہاں بھی "سیاہ" رنگ کا اضافہ کر دیتے ہیں:۔

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدھے سے وہ افعی لپٹ گیا

ازرق اور حضرت قاسمؑ کی سناں کو "اژدھا اور سیاہ ناگ" کہا گیا ہے، اتنی دیر سے ہم سیاہ رنگ کو مسلسل دیکھ رہے ہیں، میرانیسؔ کا کمال دیکھیئے یہ سیاہی اتنی کیوں

بڑھائی تھی :۔ ؟

حضرت قاسمؑ کی سناں کی انی اس سیاہی میں چمکی تو یہ منظر نظر آیا :۔

تھی اِس سناں کی نوک، کہ ھیرے کی تھی کنی

پھر یہ منظر نظر آیا :۔

اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

بات تو جب ہے کہ سیاہ رات میں سیاہ آسمان سے آپ نے "شہابِ ثاقب" گرتے ہوئے دیکھا ہو ...... میر انیس کسی ماہر آرٹسٹ کی طرح کلائمکس کا منظر دکھانے کے لئے پس منظر تیار کرتے ہیں۔

اور اب یہ تصویر سامنے آتی ہے جس میں بجلیوں کی چمک ہے، آفتاب کا رنگ گرد سے ہلکا ہلکا ہے، دھوپ کا رنگ گہرا زرد ہو گیا ہے :۔

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک — دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک — اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک

پھیرے یہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا، کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

حضرت قاسمؑ فتح یاب ہوتے ہیں،

دو ہو گئی کمر، نہیں تسما لگا ہوا
دیکھو تو آکے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا

لشکرِ یزید نے حضرت قاسمؑ پر حملہ کر دیا ہے، حضرت قاسمؑ کا جسم نازنیں زخموں سے چور ہے، میر انیس اشکِ خوں بہاتے جاتے ہیں اور تصویر میں سرخ رنگ کے مختلف شیڈ (Shade.) بھرتے جاتے ہیں :۔

منھ سرخ تھا، کھُلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

تیورائے، سنبھلے، منھ سے لہو ڈالا دم لیا

میر انیسؔ کے یہاں رنگوں کا تناسب معجزہ ہے، مرثیے کا آغاز دیکھئے اور اس منظر کی سرخی کو دیکھئے :-

بھاگڑ میں خون سے رن کی زمیں لال ہو گئی (سُرخ)
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

سب چاند سے بدن پہ سُموں کے نشان تھے (سُرخ)

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر (سُرخ)

حضرت قاسمؑ کی دولھن لاش پر آئی ہے :-

دولھا کہوں، کہ قاسمؑ گلگوں قبا کہوں۔ (سُرخ)

مرثیہ اپنے تمام رنگوں کے امتزاج، تناسب اور تلازموں کے ساتھ ختم ہوا.... لیکن

لکھے، انیسؔ خوب بہ سرعت یہ چند بند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند

یہاں بھی رنگ موجود ہیں :-

نبات (سبز رنگ)، قند (سُرخ رنگ)، شہد (زعفرانی رنگ)، شیر و شکر (سفید رنگ)،

میر انیسؔ کے یہ رنگین دھارے اُردو کے چمن کو سیراب کرتے رہیں گے :-

اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند

کیوں ——؟

نہریں رواں ہیں فیضِ ستم مشرقین کی
پیاسو! پیو، سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

میر انیس کی شاعری میں "سبز رنگ"

رنگوں میں سبز رنگ عالمگیر تصور کیا جاتا ہے، اس رنگ کے مزاج میں اعتدال، تازگی، ٹھنڈک اور سکون ہے، یہ بڑا خوش گوار اور دیدہ زیب رنگ ہے، علم نجوم کے حساب سے سبز رنگ پر چاند کا اثر ہے، سبز رنگ پہننے والے میں روحانی طور پر نیکی اور پاکیزگی کے اثرات آجاتے ہیں۔ یہ رنگ زندگی کا رنگ ہے، یہ رنگ سبزہ زار، بیل بوٹے اور پتوں اور پتیوں کا رنگ ہے، سبز رنگ بے لطف زندگی سے نجات عطا کرتا ہے۔

"آنکھوں کے لیے مفید ترین رنگ سبز ہے، سبز رنگ کو جتنا بھی دیکھیں تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا، اسی وجہ سے خداوند قدوس نے تمام درختوں کو سبز خلق کیا ہے، اگر دُنیا کے تمام درخت سُرخ ہوتے تو چند ہی لمحوں میں کرۂ زمین کے رہنے والے پاگل ہو جاتے، اسلام نے اس موضوع پر توجہ کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ سبز رنگ پہننا مفید اور جائز ہے"۔[1]

قرآن میں تقریباً دس مقامات پر سبز رنگ کا تذکرہ ہے،

اہلِ جنت کا لباس سبز ہوگا:۔

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ (سورہ کہف آیت ۳۱)

"اہلِ جنت باریک اور دبیز ریشمی سبز کپڑے زیب تن کریں گے"

---

[1] "اسلام اور نئی منزلیں"، تالیف:۔ ذکر اللہ احمدی ترجمہ محمد حسین اکبر۔ صہ ۱۹۹

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ (سورہ دہر آیت ۲۱)

"اہل جنت سبز کریب اور سبز اطلس کے کپڑے پہنے ہوں گے۔"

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ (سورہ رحمان آیت ۷۶)

"اہلِ جنت سبز قالینوں اور نفیس و حسین مسندوں پر تکیئے لگائے بیٹھے ہوں گے۔"

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کملی کالی تھی لیکن اوڑھنے والی چادر سبز تھی، يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ "اے سبز چادر اوڑھنے والے" کیا خوبصورت تخاطب ہے، حضرتِ فاطمہ زہراؑ کی چادرِ تطہیر یہی چادر ہے جس کا رنگ سبز تھا، اہلِ جنت کا لباس سبز ہے،

میر انیس کہتے ہیں جنت میں جنابِ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی چادر سبز ہے،

اک سیدہؑ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
دو حوریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو سنبھالے

مشہور روایت ہے کہ رضوانِ جنت عید کی شب میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے در پر خیاط بن کر آیا اور دونوں شہزادوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لیئے جنت کے کپڑے دے گیا جس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے، دو قبائیں، دو عبائیں غرضیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے، ماں کا دل باغ باغ ہوگیا، وہ سمجھ گئیں کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا، بچوں کو جگایا، کپڑے دیئے، صبح ہوئی، بچوں نے جب کپڑوں کے رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادرِ گرامی! یہ تو سفید کپڑے ہیں، ہمیں رنگین کپڑے چاہئیں۔ حضور اکرمؐ کو اطلاع ہوئی تشریف لائے، فرمایا کوئی بات نہیں بچو تمہارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہوجائیں گے، اتنے میں جبرئیل امیں آفتابہ لیئے ہوئے آپہنچے جس میں سلسبیل کا پانی تھا، انہوں نے کپڑوں پر پانی ڈالا اور حسنؑ

سے پوچھ کون سا رنگ پسند ہے، حسنؑ نے سبز رنگ پسند کیا اُن کے کپڑے سبز ہو گئے، حسینؑ سے پوچھا تم کو کون سا رنگ پسند ہے، حسینؑ نے کہا مجھے سُرخ رنگ پسند ہے، اُن کے کپڑے سُرخ ہو گئے، سبز جوڑا حسنؑ نے پہنا سُرخ جوڑا حسینؑ نے زیب تن کیا، ماں نے گلے لگایا، باپ نے بوسے دیئے، رسولؐ خدا نے اپنی پشت پر سوار کر کے مہار کے بدلے زُلفیں بچوں کے ہاتھوں میں دے دیں اور کہا، میرے نونہالو، رسالت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں ہے جدھر چاہو موڑ اور جہاں چاہو لے چلو“۔ ؎

میر انیس کہتے ہیں:۔

یہ غُل تھا، مُہرِ نبوت پہ جب چڑھے حسنینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو!

شعر کی معنویت میں بے پناہ وسعت ہے، انگوٹھی کو عربی میں ”خاتم“ کہتے ہیں، حضورؐ کو انگوٹھی کہہ کر میر انیس نے لفظ ”خاتم“ سے فائدہ اٹھایا اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو دو نگینے کہہ کر دونوں کے رنگوں ”سبز اور سُرخ“ کی طرف اشارہ کر دیا، میر انیس نے ”حُلّہائے جنّت“ کی روایت کو بہت مختصر نظم کیا ہے:۔

عریاں تھا روزِ عید جو وہ چودھویں کا ماہ	بھیجے خدا نے حلّۂ جنّت بہ عزّ و جاہ
لرزاں وزیر جامہ و پیراہن و کُلاہ	بننے ہوئے پہن کے گئے سوئے عید گاہ

رستے سے پھر کے آئے محمدؐ کے سامنے
گردن جھکا کے بیٹھ گئے جد کے سامنے

کیا لائے عید گاہ سے اے میرے گلبدن	شرماتے ہوں گے دیکھ کے لڑکے یہ پیرہن
پھولا ہوا ہے پیشِ نظر خلد کا چمن	اس رنگ کا نہ ہو گا کبھی جامۂ حسنؑ

موزوں ہے کیا یہ رنگ شہادت کے واسطے
جامہ یہ قطع ہے اسی قامت کے واسطے

؎ ”روضۃ الشہداء“، ”بحار الانوار“، ”کشف المحجوب“

چھوٹے سے اس عمامہ و شملہ کے میں نثار — صدقے ان آستینوں کے اے میرے گلعذار
قربان اس قبا و عبا پر یہ جانِ زار — یوسف کے پیرہن کی ہو جس سے آشکار

کپڑے یہ دیکھ کر شہِ مرداں نے کیا کہا
پیارے گلے لگا کے تمہیں ماں نے کیا کہا

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے دستِ خدا کا لال — حضرت کو برقرار رکھے ربِ ذوالجلال
پوشاک یہ پہن کے تو ہم خوش ہوئے کمال — ناقہ نہیں کہ جس پہ چڑھیں اب ہے یہ ملال

عزت میں ہیں بزرگ، شرف میں زیادہ ہیں
لڑکے تو سب سوار ہیں اور ہم پیادہ ہیں

پیدل تو عید گاہ میں جانا ہے ننگ و عار — ہم کو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار — معلوم اب ہوا ہی غصہ تھا میں نثار

ہاں آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہو جئے ہم اونٹ بنتے ہیں

فرما کے یہ کمر میں رکھا دامنِ قبا — رکھ کر زمیں پہ ہاتھ، بنے اونٹ مصطفٰیؐ
جیبِ قبا میں رکھ کے قدم کو وہ مہ لقا — پشتِ جنابِ سیّدِ لولاک پر چڑھا

پائے حسینؑ عرش کا سرتاج ہو گیا
وہ روزِ عید کا شبِ معراج ہو گیا

میر انیس نے امام حسینؑ کے لباس کے رنگ کو " پھولا ہوا خلد کا چمن" "اُس رنگ کا نہیں ہے جامۂ حسنؑ " اور یہ "رنگِ شہادت" ہے کہہ کر لباس کی سُرخی کو بتایا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ امام حسنؑ کا لباس شہادت سے سُرخ نہیں ہوگا بلکہ آپ کو زہر سے شہید کیا جائے گا۔ اس لیئے اُن کا لباس سبز ہے۔ "عید کو شبِ معراج" کہہ کر میر انیس نے ایک اور روایت کی طرف خفیف سا اشارہ کیا ہے۔

حضرت حضور اکرمؐ جب معراج پر تشریف لے گئے وہاں آپ نے دیگر مناظر کے ساتھ ساتھ دو قصر دیکھے ایک "قصرِ زمرد" تھا جو سبز رنگ کا تھا اور ایک "قصرِ یاقوت"

تھا جو سُرخ رنگ کا تھا، جبریلؑ امیں نے بتایا کہ "قصرِ سبز" امام حسنؑ کے لیئے ہے اور "قصرِ سُرخ" امام حسینؑ کے لیئے ہے، حضور اکرمؐ نے سبز اور سُرخ کی وجہ پوچھی تو جبریلؑ امیں نے دونوں شہزادوں کی شہادت کے واقعات بیان کیئے"۔[1]

میر انیسؔ نے ایک سلام میں "سبز اور سُرخ" رنگوں کا امتزاج پیش کیا ہے اور اسی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے:-

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے | کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے
محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ | تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے
کہا سُرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں | دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے
کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر | یوں ہی مرضیٔ حضرتِ ذوالمنن ہے
کروں مختصر عرض ہے طول اس میں | یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

اِسی سلام میں میر انیسؔ نے ایک اور نکتہ "سبز اور سُرخ" کے موضوع پر پیش کیا ہے کہ مہندی میں دونوں رنگ موجود ہیں "سبز اور سُرخ":-

کُھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگ حسنؑ ہے

امام حسنؑ کی شہادت زہر سے ہوئی۔ یہ زہر "زمرد" سے بنایا گیا تھا جس کا موجد عیسائی حکیم ابنِ آثال تھا جو معاویہ کا ملازم تھا، عبدالرحمٰن جامی کے بقول امام حسنؑ کو معاویہ کے کہنے سے جعدہ بنتِ اشعث نے یہی سخت زہر دیا تھا۔[2]

"امام حسنؑ کے جگر کے بہتر ۷۲ ٹکڑے ہو گئے اور طشت خونِ جگر سے بھر گیا، آپ زمین پر تڑپنے لگے، جب دن چڑھا تو آپ نے امام حسینؑ سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے، کہا "سبز" ہے، امام حسنؑ نے فرمایا کہ "حدیثِ معراج" کا یہی مقتضیٰ ہے

---

[1] "حیاتُ القلوب" علامہ مجلسی صہ ۲۵۲ امامیہ کتب خانہ لاہور۔
[2] "شواھد النبوۃ" عبدالرحمٰن جامی صہ ۳۰۳ مکتبہ نبویہ لاہور

لوگوں نے پوچھا کہ "حدیثِ معراج" کیا ہے، آپ نے جواب دیا کہ شبِ معراج میرے نانا رسولِ خدا نے عرش پر دو قصر ایک زمرد کا "سبز" اور ایک یاقوت کا "سُرخ" دیکھا تو جبرئیلؑ سے پوچھا یہ قصر کس کے ہیں، جبرئیلؑ نے کہا ایک حسنؑ کے لیئے دوسرا حسینؑ کے لیئے، رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ دونوں کے رنگ میں فرق کیوں ہے، جبرئیلؑ نے کہا حسنؑ زہر سے شہید ہوں گے اور زہر کے اثر سے اُن کا جسم "سبز" ہو جائے گا، حسینؑ تلوار سے شہید ہوں گے اور اُن کا جسم زخموں کے خون سے "سُرخ" ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر امام حسنؑ اپنے بھائی حسینؑ سے لپٹ گئے اور دونوں بھائی گریہ فرماتے تو در و دیوار بھی رونے لگے۔[1]

میر انیسؔ نے ایک بند کی بیت میں یہ پوری حدیث نظم کر دی ہے، یہ میر انیسؔ کی شاعری کا کمال ہے کہ وہ ایک واقعہ کسی مقام پر آدھا بیان کرتے ہیں اور دوسرے مقام پر اس کو کامل کر دیتے ہیں۔ "حدیثِ معراج" کے رنگوں کا تذکرہ انہوں نے سلام کے اشعار میں کیا اور روایت کے نتیجے کو مرثیے میں بیان کیا:۔

زینبؑ نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن　　ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سرورِ زمن
آئی جو نے تو کانِ جواہر بنا دہن　　الماس کھا کے لعل اُگلنے لگے حسنؑ
رنگِ زمردی کا سبب سب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب عیاں ہوا

امام حسنؑ کا چہرہ زہر کے سبب "سبز رنگ" کا ہو گیا اور امام حسینؑ کا چہرہ صدمے سے "زرد رنگ" کا ہو گیا، ایک مصرع ہے لیکن میر انیسؔ نفسیات اور حسیات پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے کہ حیرانی ہوتی ہے:۔

"اِن کا تو رنگ سبز تھا اور اُن کا رنگ زرد"

دونوں بھائیوں کا بچھڑنا جس طرح میر انیسؔ نے نظم کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے، معراج میں دیکھے گئے رنگین قصر، دونوں رنگ سبز اور سُرخ، ایک ہی مصرع میں کتنی باتیں کہہ دی ہیں، رنگ کا تلازمہ اپنی جگہ موجود ہے، (سوز و گداز اپنی جگہ):۔

---

[1] "چودہ ستارے" نجم الحسن کراروی ص۱۳۲ انصاف پریس لاہور

آلِ نبیؐ سے سبطِ محمدؐ جُدا ہوئے
زہراؑ کے آج لعل وزیر بجگر جُدا ہوئے

واقعہ کربلا میں جب میر انیس امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت قاسمؑ کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ "سبز اور سُرخ" کا استعارہ تمام جمال وجلال، آب وتاب، تلمیحات کی صداقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، حضرت قاسمؑ کو شہادت کی خوشی ہے، خوشی کا تعلق سرسبزی وشادابی کے ساتھ بھی ہے۔

بے وجہ منھ نہ سُرخ تھا اُس جاں فروش کا
لختِ جگر تھا وہ حسنِ سبز پوش کا

سبز رنگ کی اہمیت

اُردو میں اس رنگ کو سبز، ہندی میں "ہرا" کہتے ہیں۔ عربی میں "اخضر" فارسی میں زمردی اور انگریزی میں (Green) کہتے ہیں۔

سبز رنگ میں شادابی ہے یہ ہرا بھرا رنگ ہے۔ اس رنگ میں فخر کا جذبہ ہے۔ سبز رنگ دفاعی رنگ ہے، آنکھوں کی روشنی کے لیئے آئیڈیل (Ideal) رنگ ہے۔ انسان کی رگوں میں سنسناہٹ پیدا کرتا ہے، زندگی کے لیئے کرامت ہے اور آرٹ کی دُنیا میں بہت کارآمد رنگ ہے۔ سبز رنگ کسی رنگ کے ساتھ نہیں کِھلتا لیکن سُرخ رنگ کے قریب آتے ہی کِھل اُٹھتا ہے۔ سبز رنگ بہار کا رنگ ہے سبز رنگ پسند کرنے والا متوازن شخصیت کا مالک ہوتا ہے، سبز رنگ زندگی اور زندہ دلی کا رنگ ہے، سبز رنگ دیکھ کر ذہنی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ تمام نباتات میں سبز رنگ کا غلبہ ہے جس کے دیکھنے سے طبیعت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور افسردگی ختم ہوتی ہے اور بشاشت وخوشگواری آتی ہے۔

میر انیس نے "سبز" رنگ کی علامت اور استعارے کے لئے بہت سے

لفظوں سے کام لیا ہے اور سیکڑوں محاورے سبز رنگ کے لیئے بنائے ہیں اُن کی شاعری
میں سبز رنگ اس طرح پھیلا ہوا ہے جس طرح کائنات میں سبزہ زار نظر آتا ہے ،
میر انیس مندرجہ ذیل لفظوں سے سبز رنگ اُبھارتے ہیں :۔
سبزہ ، نہال ، زمرد ، فرشِ زمرد ، لہکتا سبزہ ، ہرا جنگل ، سرسبز ، درخت ،
سبزۂ صحرا کی لہک ، اطلسِ زنگاریٔ فلک ، زراعت ، سبزہ زار ، کھیتی ، ہرا بھرا باغ ،
شمشاد ، زمرد کے پر ، خط سبز رنگ ، خطِ سبز ، خیمۂ زنگاری ، سرو ، کوہِ زمرد ، زنگار گوں ،
چرخِ اخضری ، زہر ، طوبیٰ ، شاخِ سبز ، قصرِ زمرد ، جناب خضر ، سبز چادر ، سبز علم ، پھریرا
نخلِ زمردی ، اشہب ، زبرجد ، زبرجدی ، جوہر ، معشوق سبزہ رنگ ، کاہی ، طوطی ، خط ،
سیبِ جناں ، تروتازہ ، شاداب ، کامیاب ، بامراد ، باغ باغ ، دھانی رنگ ، سبز پتے
مُنّے آغا دکی (شاگرد آرزو لکھنوی) کا شعر ہے :۔

سبز پتوں پہ حسنؑ اور کلی پہ زہراؑ
سُرخ پھولوں پہ حسینؑ ابنِ علیؑ لکھا ہے

سائنس میں ایک سبز پتے کی بڑی اہمیت ہے :
ہنری۔ای آرمسٹرانگ ڈ ڈاکٹر آف سائنس لکھتا ہے :۔

" نباتات میں سبز رنگ اتنا عام ہے کہ درختوں اور پتوں کو دیکھ کر یہ احساس
ہی نہیں ہوتا کہ سبز بھی کوئی رنگ ہے ۔ ہاں اگر زمین سُرخ ہو تو اس پر گھاس کی سبزی
نمایاں معلوم ہوگی ۔ بہار میں جب ہرے کھیتوں میں سرسوں پھولتی ہے تو مقابلہ کی وجہ
سے سبز و زرد رنگ دونوں چمک اٹھتے ہیں ۔ زرد رنگ کے بعض پتے خزاں میں بادامی
ہو جاتے ہیں اور بعض دیگر سُرخ ، جب گلدستے بناتے وقت ایک مالی شوخ رنگ
پھولوں کے ساتھ کچھ سبز پتے بھی باندھ دیتا ہے تو یہ پتے بہت بھلے نظر آتے ہیں "[1]

---

[1] "سبز پتے کی کہانی" ۔ ہنری ای ۔ آرمسٹرانگ ۔ ڈاکٹر آف سائنس ۔
(The Great Design)

قرآن مجید نے سبز پتوں اور ہری شاخوں کی اہمیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا (سورۂ انعام آیت ۹۹)

"پھر ہم ہی نے پانی برسایا اور اس سے ہر طرح کا سبزہ اُگایا پھر ہم نے ہری ہری شاخیں نکال کھڑی کیں۔"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً

(سورۂ حج آیت ۶۳)

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بلندیوں سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز کر دیتا ہے"

سبزہ زار کی اصل پانی سے ہے، اس قرآنی نکتہ کی طرف میر انیسؔ نے اشارہ کر دیا ہے:

"زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر"

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (سورۂ اعلیٰ آیت ۱-۴)

"اپنے عظیم ربّ کی تعریف کر، جس نے ہر شے کو پیدا کر کے اُسے حُسن و تناسب عطا کیا، صلاحیت نشو و نما سے نوازنے کے بعد اُسے کمال کی راہوں پہ ڈال دیا۔ اور حیوانی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے سبزہ اُگایا۔"

وَسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ (سورۂ یوسف ۴۳)

"اور بادشاہِ مصر نے سات گیہوں کی بالیاں سبز اور سات بالیاں زرد (خشک) خواب میں دیکھیں"

سات سبز بالیوں کی تعبیر سات برس کھیتی سبز ہوگی، سات خشک زرد بالیوں کی تعبیر سات برس کا قحط ہے، یوسفؑ نے بادشاہ کو تعبیر بتائی۔ (سورۂ یوسف آیت ۴۶)

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (سورۂ یٰسین آیت ۸۰)

"وہی قادرِ مطلق تو ہے کہ بعض ہرے سبز درختوں سے آگ پیدا کرتا ہے۔"

سبز درخت کی اصل پانی ہے اور درخت میں آگ ہے، میر انیس کا یہ شعر سمجھنے میں آسانی ہوگئی:۔

اس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان

ذوالفقار بھی درخت کی ایک شاخ سے تخلیق ہوئی تھی (حدیث)

آئین اسٹائن کہتا ہے:۔

"میری رائے میں حسین ترین چیز وہ ہے جو پُراسرار ہو، سائنس اور سچے آرٹ کا ماخذ یہی ہے، جو شخص ذوقِ تماشا سے محروم ہو، جو بار بار رُک کر اظہارِ حیرت نہ کرے اور فطرت کی لاانتہائیت سے مرعوب نہ ہو، وہ مردہ ہے اور اس کی آنکھیں بند ہیں"

ہنری۔ ای۔ آرمسٹرانگ کہتا ہے:۔

God Becomes Weary Of Great
Kingdoms But Never Of Little
Flowers And Green Leaves.

"خدا بڑی بڑی سلطنتوں سے تو اُکتا جاتا ہے لیکن چھوٹے چھوٹے پھولوں اور سبز پتوں سے کبھی نہیں اُکتاتا۔[1]

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ کائنات میں جو مختلف رنگوں کا سبزہ زار بکھرا پڑا ہے، اُن پر غور و فکر کرنے والوں کے لیئے بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ قرآن نے اسی مقام پر یہ بھی کہا کہ جو لوگ کائنات کے رنگوں پر پھول پتوں پر غور و فکر کرتے ہیں وہی علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔

---

[1] "سبز پتے کی کہانی" از ہنری۔ ای۔ آرمسٹرانگ (ڈاکٹر آف سائنس)
(The Great Design)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نباتات پر گفتگو فرما رہے ہیں، درمیان کی سطریں ملاحظہ کیجئے:۔

"علاوہ بریں، نباتات میں اُس کے حُسنِ منظر اور شادابی سے وہ لذت و فرحت حاصل ہے جس کے برابر تمام جہان میں مناظر اور حُسنِ نظر جیسی کوئی چیز نہیں۔ درختوں کی سبزی دیکھ کر آنکھوں میں خنکی پیدا ہوتی ہے دل کو فرحت ہوتی ہے، طبیعت کی پژمُردگی دفع ہوتی ہے"۔[1]

حضرت علیؑ نے کائنات میں بکھری صنعتوں کے مشاہدے کو عبادت قرار دیا ہے اور شاعری میں یہ مشاہدہ میر انیسؔ کا طرۂ امتیاز بن گیا، انہوں نے جس طرح سبزہ زار، سبز پتوں، گیاہ اور سبز رنگ کا مشاہدہ کیا وہ انہیں کے لیئے مختص ہو گیا:۔

سبزہ یہاں کا رحمتِ خالق سے ہرا نہال

وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم

وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار

کربلا:۔

سبزہ ہے کہ اک فرشِ زمرّد کا بچھا ہے ــــ گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے

کوفے کے سرداروں نے امام حسینؑ کو جو خطوط لکھے اُن میں کوفہ کی سبزی کا حال یوں لکھا:

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پُر آب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب

---

[1] "توحید الائمہ" مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری ص۱۹۹

امام حسین علیہ السلام نے کوفے کے سبزہ زار پر کربلا کو ترجیح دی، اللہ نے مکہ کی طرح کربلا کو ہی سبزہ زار بنا دیا جہاں نواسۂ رسولؐ کے مبارک قدم پہنچ جائیں وہ صحرا سے سبزہ زار بن جاتا ہے :-

جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

حضرت خضرؑ کا معجزہ مشہور ہے کہ خشک لکڑی پر یا سفید و شفاف صحرا کی زمین پر بیٹھ جاتے تو وہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لیے اُن کو خضر (سبز) کہا جانے لگا ورنہ ان کا نام ارمیا بن ملکان تھا [1]

حضرت خضر کو بھی سبز رنگ سے نسبت ہے :-

جلوے جو نہر میں علم سبز نے دکھائے
اک شور تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام آئے

امام حسینؑ تو فخرِ انبیاء کے نواسے تھے اور فخرِ خضرؑ و الیاسؑ تھے اُن کے قدم خشک زمین کو سبزہ زار کیوں نہیں بنا سکتے، میر انیس نے کربلا میں سبز رنگ کے جلوے دیکھے تھے

اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر — لوٹی جاتی تھی لپکتے ہوئے سبزے پہ نظر

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریٔ فلک

اب میر انیس سبز پتوں اور سرخ پھولوں کے رنگوں کا (Contrast.) کرتے ہیں :-

پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا — تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

---

[1] جلی الشرائع : ص ۴۵

کاروانِ حق وصداقت کے قدموں کی برکت سے ۹ دن کربلا کا صحرا رشکِ جنت بنا رہا، کہ یہ بہار باغِ زہرؑا کی بہار تھی۔

سب باغِ فاطمہؑ نظر آیا ہرا بھرا

دیکھتے ہی دیکھتے پیاس نے نڈھال کیا تو باغِ زہرؑا پر خزاں آگئی۔ سب سیراب تھے اور زہرؑا کی کھیتی خشک تھی۔

سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی

قرآن نے سبزے کی اصل بادلوں کو قرار دیا ہے، ایک مرثیے میں حضرت علی اکبرؑ اسلام کی سرسبز و شادابی کا باعث امام حسینؑ کو قرار دیتے ہوئے سحاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے

ثقافتی و تہذیبی فضا میں میر انیسؔ نے سبز رنگ کا جائزہ لیا، سبز درخت کاٹنا یا اُکھاڑنا منع ہے، بلکہ یہ عمل نحوست لاتا ہے۔ میر انیسؔ کے اس طرح کے اقوال ہزاروں ہیں یہاں سرسبزی کی اہمیت پیشِ نظر ہے۔

سرسبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا　　ہاتھوں سے چمن اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

امام حسینؑ کی ایک نظرِ عنایت سرسبزی کی ضمانت ہے۔

کیوں نہ بالیدہ ہو اس کا چمن جاہ و جلال　　جس کو سرسبز کرے خود اسداللہ کا لال

قُرآن نے ایک ایسے درخت کا ذکر کیا ہے جس سے نورانی شعلے نکل رہے تھے، دور سے معلوم ہوتا تھا کہ آگ روشن ہے موسیٰؑ نے آگ سمجھا ورنہ درخت سے نور پھوٹ رہا تھا، میر انیسؔ کے ذہن میں وہ درخت صنعتِ تلمیح کے طور پر موجود ہے۔

سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

میرانیسؔ کبھی سبز رنگ کے مختلف شیڈ Shade دکھاتے ہیں سبز میں وہ دھانی اور فیروزی رنگ کو بھی شامل کر لیتے ہیں، زرد اور فیروزی کو ملانے سے اچھا دھانی رنگ وجود میں آتا ہے۔ یہاں زرد شگوفے نے رنگوں کا حُسن دو بالا کر دیا ہے:۔

سرسبزیٔ تقدیر پہ صحرا کو ہوا ناز ‏ ‏ ‏ مثلِ قدِ محبوب ہوئے نخل سرافراز
سبزی کی تراوت نے کیا رنگ جو آغاز ‏ ‏ ‏ ہیں کانِ ملاحت ہوں یہ دی خاک نے آواز
ہر چار طرف شور تھے حُسنِ نمکیں کے
افلاک بھی دھانی ہوئے پرتو سے زمیں کے

تھا فیض تراوت سے جہاں خورم و سرسبز ‏ ‏ ‏ تھے زرد شگوفے روشِ غنچۂ تر سبز
دشت و جبل و خار و خس و راہ گذر سبز ‏ ‏ ‏ وہ کون سی شے تھی جو نہ تھی پیشِ نظر سبز
افزائشِ جوہر تھے عیاں حُسنِ اثر تھے
فیروزے کے پتے تھے جواہر کے شجر تھے

خطِ سبز رنگ

رخساروں پر بالوں کے اُگنے سے جو سبزی نمودار ہوتی ہے اُس کو سبزۂ خط کہتے ہیں، میرانیسؔ نے کربلا کے اُن مجاہدوں کے لیئے خصوصًا یہ محاورے اور تراکیب استعمال کی ہیں جن کے سن ۱۴ سے ۱۸ تک تھے، خطِ سبز رنگ، خطِ سبز، رخسار پہ سبزۂ خط نمودار ہونا، سبزہ آغاز ہونا، کے محاورے اور تراکیب استعمال کرتے ہیں۔

یہ حاشیہ لکھا ہے اسی متن تنگ کا ‏ ‏ ‏ مطلب لکھا ہوا ہے خطِ سبز رنگ کا

سبزہ ابھی نمود ہے باغِ شباب میں ‏ ‏ ‏ اٹھارواں یہ سال ہے سن کے حساب میں

بھیگیں جو مَسیں موت کا پیغام یہی تھا آغازِ خطِ سبز کا انجام یہی تھا

مژ گانِ سیہ سبزۂ گردِ لبِ کوثر اشکوں سے صدا خوفِ الٰہی میں رہے تر

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح شیریں سخن، لبوں میں نمک، رنگتیں ملیح

سورۂ رحمان میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسی جنتوں کا ذکر کیا ہے جس کا سبزہ برنگ "کاہی" ہو گا

مُدْھَآمَّتٰن (سورۂ رحمان آیت ۶۴)

(سیاہی مائل سبز)۔ وہ دونوں نہایت سرسبز و شاداب ہوں گی گویا ایسا سبزہ جس پر سیاہ کا شک ہو اسی لئے "سبزۂ خط" اسی معنی میں اُردو شاعری میں مستعمل ہے۔

علم

دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی

مُدْھَآمَّتٰن جمع ہے دونوں کاہی (سبز) ہیں۔ مُدْھَآمَّۃٌ واحد ہے یعنی کاہی رنگ۔ اتنا سرسبز کہ اس کا رنگ کاہی ہو گیا۔ اِدْھِیْمَامٌ مصدر۔ سیاہ ہونا یعنی گہرا سبز کاہی ہو جانا۔ (لغات القرآن جلد پنجم۔ ص ۳۴۵)

اِدھم ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل سبز یعنی کاہی رنگ کا ہو۔ میرانیسؔ کہتے ہیں

ہر چند تیز رو ہے بہت اِدہم قلم
پر اس کی شوخیوں کو یہ کیوں کر کرے رقم

خیمۂ زنگاری

زنگاری رنگ، سیاہی مائل سبز ہے۔ ہرے رنگ کی ایک شاخ ہے۔ تانبے کے زنگ کا رنگ سبز ہوتا ہے لوہے کے زنگ کا رنگ زرد گہرا ہوتا ہے۔ دونوں رنگ

الگ ہیں۔ زنگاری رنگ مخصوص سبز کے لیئے ہے۔ میرانیسؔ نے بتایا کہ امام حسینؑ کا خیمہ "زنگار گوں"، یعنی سیاہی مائل سبز تھا۔ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد کبھی کبھی آسمان بھی اسی رنگ کا ہو جاتا ہے اس لئے آسمان کو فلکِ زنگاری کہتے ہیں۔ میرانیسؔ نے یہ رنگ خیامِ حسینی کے لیئے استعمال کیا ہے۔ دُنیا کے ہر مُلک میں خیموں کا یہی رنگ آج بھی ہے، میرانیسؔ نے سَو سال پہلے خیموں کا رنگ "زنگاری" بتایا تھا:۔

وہ سر بلند خیمۂ زنگاریٔ امام

وہ خیمۂ زنگاریٔ شاہنشہِ والا
بے چوبہ گردوں سے تھا رفعت میں دوبالا

کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و در

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں

خیمہ (کوہِ زمرّد) سبز

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریٔ شبیرؑ
اس ارضِ مقدس کی دو بالا ہوئی توقیر

تکتا تھا بہ حسرت سوئے مقتل فلکِ پیر
وہ شمسۂ زرریز کا اوج اور وہ تنویر

مثلِ شجرِ طور کلس نور فشاں تھا
خورشید سرِ کوہِ زمرّد پہ عیاں تھا

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریٔ شبیرؑ
اس عرضِ مقدس کی دو بالا ہوئی توقیر

میرانیسؔ کی شاعری میں "سبز علم"

دُنیا کی ہر قوم اپنے پرچم کو عزّت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اُسے

ملکی و قومی وقار کا نشان تصور کرتی ہے۔ پرچم کا رواج زمانۂ قدیم سے مسلسل آج تک کم و بیش کے ساتھ باقی ہے۔ مشرق و مغرب کے ملک اپنے پرچم کے لیئے آج بھی کوئی نہ کوئی رنگ پسند کرتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مقاصد اور مزاج کے مطابق رنگوں کا انتخاب کرتی ہے۔ شرافت اور پاکیزگی کے اظہار کے لیئے سفید رنگ پسند کیا جاتا ہے اور اگر کوئی ملک خونی انقلاب لانا چاہتا ہے یا قہر و غلبہ اور تسلّط کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو سُرخ رنگ منتخب کرتا ہے۔ کسی کے پیشِ نظر شادابی و خوش حالی، صلح و امن ہوتا ہے تو وہ سبز رنگ کا پرچم بلند کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایک ہی قوم کے دو مختلف رنگ کے پرچم بھی ہوتے ہیں اور دونوں رنگ مختلف مواقع پر استعمال کیئے جاتے ہیں مثلاً سفید رنگ کا پرچم قومی شرافت کی علامت کے طور پر اور سبز رنگ کا پرچم صلح و آشتی کے پیغام کی علامت کے اظہار کے لیئے۔

اسلام کی تاریخ میں پرچم کی بے حد اہمیت رہی ہے۔ جنگِ صفّین میں حضرت علی علیہ السلام نے پرچم کی عظمت پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"خبردار پرچم اپنے مرکز سے نہ ہٹنے پائے۔ اسے صرف بہادروں کے پاس رہنا چاہیئے جو شخص مصائب کو برداشت کر سکے اور شدائد کا مقابلہ کر سکے وہی محافظِ علم کہا جا سکتا ہے اور جو محافظت کا اہل ہوتا ہے وہی پرچم کے گرد و پیش رہتا ہے اور چار طرف سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ محافظ افراد اپنے پرچم کو ضائع نہیں کرتے۔ وہ نہ پیچھے رہ جاتے ہیں کہ پرچم دوسروں کے حوالے کر دیں اور نہ آگے بڑھ جاتے ہیں کہ پرچم کو تنہا چھوڑ دیں۔" (نہج البلاغہ)

اسلام کا پرچم بدر و اُحد میں حضرت حمزہؑ کو دیا گیا، خندق و خیبر و حنین میں حضرت علیؑ علمدارِ لشکر تھے، جنگِ موتہ میں حضرت جعفر طیار کے پاس لشکر کا عَلم تھا، کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے یہ عَلم حضرتِ عباسؑ کو عطا کیا تھا۔

آغازِ اسلام میں پرچم کا رنگ سفید تھا۔ جنگِ بدر میں جناب حمزہؑ کے پاس سُرخ علم تھا اور حضرت علیؑ کو زرد علم عطا کیا گیا تھا۔ جنگِ اُحد اور خیبر میں علم کا رنگ سفید تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کے قبیلوں اور دیگر قوموں نے اپنا ایک مخصوص رنگ قرار دے لیا۔ بنی اُمیہ نے سُرخ رنگ کا انتخاب کیا اور کبھی اپنا پرچم سیاہ رنگ کا رکھا، بدر کے بعد بنی اُمیہ سیاہ پرچم استعمال کرتے تھے۔ خارجیوں نے بھی سُرخ پرچم استعمال کیا تھا، بنی عباس نے سیاہ رنگ کا پرچم بلند کیا، شروع میں سادات نے اپنے عَلَم کا رنگ سفید رکھا تھا بعد میں سبز رنگ کا انتخاب کر لیا، حضرت امام رضا علیہ السّلام کو جب خلیفۂ بنی عباس مامون رشید نے ولی عہد بنایا تو اس نے اعلان کر دیا کہ اب حکومت کا رنگ سیاہ کے بجائے سبز ہو گا اور سیاہ رنگ کے پرچم ترک کر دیئے گئے۔

یہ حضرت امام رضا علیہ السّلام کا احسان ہے کہ ولی عہدی کا منصب سنبھال کر مسلمانوں کی سیاہی کو زائل کر دیا اور اُنہیں صلح و آشتی کا رنگ "سبز" دے دیا۔ اب پوری دُنیا سبز رنگ کو صلح و آشتی، امن و امان، بہار، فخر، شادابی، سرسبزی، دفاع بصارت، کرامت، افادیت کی علامت سمجھتی ہے اور آج بھی سُرخ رنگ جنگ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ دُنیا کے ۱۲۹ مُلکوں کے پرچموں میں سُرخ رنگ شامل ہے برطانیہ کا پرچم بھی سُرخ تھا کہ سُرخ رنگ غلبہ اور تسلط کا بھی رنگ ہے لیکن سبز رنگ کو اب اسلامی رنگ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تحفہ مُسلمانوں کو کربلا کے علم سے ملا ہے۔ اب دُنیا کے ۲۹ اسلامی مُلکوں کے پرچم سبز ہیں۔ کربلا کا سبز عَلَم اب جلوسِ عزاداری کا بھی نشان ہے۔

کربلا میں امام حسین علیہ السّلام نے اپنے پرچم کا رنگ "سبز" ہی رکھا تھا کہ آپ بتانا چاہتے تھے کہ ہم جنگ نہیں چاہتے بلکہ صلح اور امن کے پیغامبر ہیں جبکہ فوجِ یزید سیاہ پرچم بلند کئے ہوئے تھی اور خارجی جو کربلا آئے تھے مثلاً شمر وغیرہ کے پرچم سُرخ رنگ کے تھے۔

میر انیس کہتے ہیں:۔

تلواریں چمکتی تھیں علم سُرخ کھلے تھے　　　دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تُلے تھے

ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار　　　رایت سیاہ و سُرخ نظر آئے تین چار

جو مرد ہیں ہراس کے کرتے نہیں کلام — ہونے دو گر ہیں سُرخ علم یا سیاہ فام

میر انیس نے بنی اُمیہ کے پرچم کا رنگ سیاہ بتایا ہے ۔ یزید کے لشکر میں سیاہ پرچم کھُلے ہوئے تھے ۔ خارجیوں کے سردار شمر کا پرچم سُرخ تھا ۔

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ — کھُلنے لگے ہر صف کے علمہائے سیہ رنگ

واں فوجِ سیہ رو نے علم کھولے ہیں کالے — ہیں لعل کو زہرا کے ادھر جان کے لالے

اٹھا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ علم تھے — پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

جب رن میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے — تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے

نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تُل گئے — کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کھُل گئے

دس سو جو علم ہائے سیہ کھُل گئے یک بار — دن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کے شبِ تار

تلواروں سے واں برق بھی شرمندہ ہوئی ہے — اڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

لشکرِ یزید رسول اللہ کے گھرانے کا خون بہانے پر آمادہ تھا جبکہ حسینؑ ابن علیؑ کا سبز عَلَم اُنہیں انسانیت اور ہدایت کی طرف بلانے پر آمادہ تھا ۔

واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا — بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

میر انیس سبز عَلَم کے رنگ کے اظہار کے لیئے مختلف سبز اشیاء کا ذکر کرتے ہیں تاکہ عام ناظرین یا قاری سبز رنگ کو حسِ باصرہ سے محسوس کر سکے ۔

طوبیٰ کی شاخِ سبز، سرو، شمشاد، زمرّد، خضر، امام حسنؑ، زبرجد، سبزردا، کھیتی (زراعت)، چرخِ اخضری، کاہی، دھانی وغیرہ، جہاں بھی سبز رنگ نظر آیا میرانیس نے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اشیاء کی پاکیزگی بھی اُن کے پیشِ نظر ہے کہ علم ایک پاکیزہ وطاہر نشان ہے اور یہ سادات کا رنگ ہے:۔

رایت وہ سبز، لشکرِ سادات کا نشاں ‌ ‌ ‌ ‌ دامانِ پاک، کشتیٔ اُمّت کا بادباں

حضرت خضر علیہ السلام سے نسبت:۔

زوجۂ حضرتِ عباسؑ فرماتی ہیں:۔

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا ‌ ‌ ‌ ‌ خضرؑ اُن کو مل گئے علمِ سبز کیا ملا

———

جلوے جو نہر میں علمِ سبز نے دکھائے ‌ ‌ ‌ ‌ اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے

———

فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمعِ طور ‌ ‌ ‌ ‌ بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور

———

آسمان کی سبزی سے نسبت:۔

چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا

———

دکھلاتا تھا سرسبزیٔ افلاک پھریرا ‌ ‌ ‌ ‌ تھا دامنِ مریمؑ کی طرح پاک پھریرا

———

امام حسن علیہ السلام سے نسبت:۔ (سبز اور سُرخ)

اس کا علم یہ ہے جو رشکِ مشرقین ہے ‌ ‌ ‌ ‌ گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

———

دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی

سبزیٔ حسنؑ سُرخیٔ خونِ شہ دیں تھی ‌ ‌ ‌ ‌ سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

———

سبزہ زار سے نسبت :۔

سرو کا درخت بھی سبز ہوتا ہے، علم بھی سبز ہے، سرو بھی دلکش اور جاذبِ نظر ہوتا ہے اور علم بھی سبز رنگ کی دلکشی اور حُسن رکھتا ہے :۔

"سروِ چمن آرائے" ہدایت کا یہ رایت

دریا خجل ہے سبز پھریرے میں آ دہ لہر
سبزہ بھی اُس کے عشق میں کھائے ہوئے ہے زہر

غُل تھا کہ یہ ہے "سروِ رواں" باغِ وفا کا
پنجہ یہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا

شمشاد سبز پوش گلستانِ اقتدار
حمزہؑ کا اقتدار تو جعفرؑ کا افتخار

جنّت میں درختِ طوبیٰ بھی سبز ہے :۔

حدیث میں "طوبیٰ" کے معنی قلبی سکون کے ہیں، سبز رنگ دیکھنے سے قلبی سکون بھی ملتا ہے۔ میر انیس طوبیٰ کی سبزی سے علَم کے رنگ کو نسبت دیتے ہیں :۔

طوبیٰ ہو تو ایسا، مہ کامل ہو تو ایسا
ایسے علم نور کا حامل ہو تو ایسا

جنّت کی پھریرے سے ہوا آتی تھی رن میں
طوبیٰ نے جگہ پائی تھی زہراؑ کے چمن میں

صدقے علم کے حضرتِ عباسؑ کے نثار
طوبیٰ شکوہ، عرش تجمّل، فلک وقار

کس شان سے اُڑتا نظر آتا ہے پھریرا
طوبیٰ کو عروج اپنا دکھاتا ہے پھریرا

چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے
"طوبیٰ لکمؑ" کہا شہِ عالم پناہ نے

پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے   طوبیٰ کی شاخ سبز پہ مریمؑ کا ہاتھ ہے

علم کے سبز رنگ نے زمین کو سبز بنا دیا :۔

دامن جو کھُلا رنگ زمیں ہوگیا کاہی

اس کے کرم سے زمانہ فیضیاب ہوا :۔

سرسبز اُس نے کر دیا دُنیا کی کشت کو

مندرجہ ذیل دُو بند ہیں جس میں پانچ مرتبہ لفظ "سبز" استعمال ہوا اور زہر، طوبیٰ، زمرد، خضر، اور امام حسنؑ سے نسبت دیکر سبز کو بتایا گیا ہے۔ دوسرے بند کے آخری مصرع میں "سبز اور سُرخ" کا امتزاج پیش کر کے تصویرِ علم میں خوب صورت رنگ بھرے گئے ہیں۔ یہ ہے میر انیس کی رنگ آمیزی....

"سبحان اللہ"

دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر   سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر

دامن ہے بادبانِ جہاز امامِ دہر   موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر

پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے

طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریمؑ کا ہاتھ ہے۔

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور   نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور

فرقِ جنابِ خضرؑ پہ روشن ہے شمعِ طور   بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور

اس کا علم یہ ہے جو شہ مشرقین ہے

گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

پرچم نے لیا باج پرد بال ملک سے

خورشید کا منھ پھر گیا پنجے کی جھلک سے

میر انیسؔ کے سبز نگینے

سبز رنگ کے نگینوں میں سب سے قیمتی نگینہ "زمرد" ہے، اس کا رنگ بہت خوبصورت ہوتا ہے، گہرا سبز رنگ آنکھوں کو بہت بھاتا ہے۔ تمام سبز نگینوں میں زمرد سب سے افضل ہے۔ حکیم افلاطونؔ نے لکھا ہے کہ سبز رنگ کا زمرد استعمال کرنے والا دشمن پر فتح پاتا ہے۔ زمرد کو فصاحت، طاقت، عفت و عصمت، بصارت اور قوتِ پیش بینی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ زمرد چونکہ سبز ہوتا ہے اور سبز رنگ سے سکون، توازن اور ٹھنڈک کا تاثر پیدا ہوتا ہے

میر انیسؔ نے قصرِ زمرد، نخلِ زمرد، صحرا زمردی، زمرد کی زمیں، کوہِ زمرد کی جدید تراکیب سے سبز رنگ کے علم کی وسعت و توانائی کو بیان کیا ہے:۔

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور

وہ شان اس عَلَم کی وہ عباسؔ کا جلال
نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال

سبزی حسنؑ، سُرخی خونِ شہؑ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے
صحرا زمردی تھا پھریرے کے رنگ سے

خیمہ مثل کوہِ زمرد:۔

مثلِ شجرِ طورِ کلس نور فشاں تھا
خورشید، سرِ کوہِ زمرد پہ عیاں تھا

ذوالفقار کے جوہر:۔

ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

لہکتا ہوا سبزہ :۔

اُس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر　　لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر

جنت کے سردار کا قصر :۔

محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ　　تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

لعل و زبرجد :۔

آلِ نبیؐ سے سبطِ محمدؐ جدا ہوئے　　زہراؑ کے آج لعل و زبرجد جدا ہوئے

حضرت جعفرؑ طیار کے سبز بازو :۔

ہاتھوں کے عوض حق سے سرِ دست لئے ہیں　　اللہ نے پر اُن کو زمرد کے دیئے ہیں

حضرت رسولِ اکرمؐ کی حدیث ہے کہ اللہ نے جعفرؑ طیار کو دو بازو (پر) زمرد کے عطا کئے ہیں۔ حدیث ہے کہ جنابِ فاطمہ زہراؑ اپنے رومالِ سبز میں عزاداروں کے آنسو جمع کرتی ہیں جو رومالِ سبز میں موتی بن جاتے ہیں،

عاشورہ کو شبنم شہ دیں پر روئی تو اس کے آنسو بھی سبز زمین پر موتی بن گئے :۔

اس دشت میں روتی تھی جو شبنم شہؑ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

سبزہ ہے کہ اک فرش زمرد کا بچھا ہے　　گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے

زمرد سے زہر تیار کیا جاتا ہے۔ امام حسنؑ کو جو زہر دیا گیا وہ زمرد سے بنایا گیا تھا، اس زہر

کے اثر سے امام حسنؑ کا جسم سبز ہو گیا تھا، حضرت رسولِ اکرمؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کو یہ خبر سنائی تھی:۔

الماس پی کے ہوئے گا بے جاں ترا حسن	یہ وجہ ہے کہ چومتا ہوں اس کا میں دہن
بھر جائے گی کلیجوں کے ٹکڑوں سے یہ لگن	ہوگا زمردی زہر سے اس لال کا بدن

زبرجد بھی زمرد کی طرح سبز ہوتا ہے، میر انیس نے سبز رنگ کے حُسن کے اظہار کے لئے سبز کو زبرجد سے تشبیہ دی ہے:۔

چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا

پرچم سیاہ اور پھریرا زبرجدی

میر انیس نے زمرد اور زبرجد کو ایک شعر میں یکجا کیا ہے:۔

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار تو صحرا زمردی

آئی صدا درود کی ہر نخل و سنگ سے
دریا زبرجدی تھا پھریرے کے رنگ سے

تلوار کا سبز رنگ

میر انیس جوہر اور زہر دونوں کا رنگ سبز بتاتے ہیں، جوہر اور زہر دونوں تلوار کی خاص خوبیاں ہیں۔ تلوار کا رنگ جوہر اور زہر کی وجہ سے سبز ہے۔ میر انیس نے تلوار کو افعی، ناگن، معشوقِ سبزہ رنگ اور ہیرا بدن کہا ہے۔

ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا	جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

تھی سم کی حرارت جو بدن اُس کا ہرا تھا — افعی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا

جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں — معشوق سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

سر سیکڑوں کاٹے تھے پہ رنگ اس کا ہرا تھا — ہر ناب میں ناگن کی طرح زہر بھرا تھا

ذوالفقار کے رنگ میں میر انیس ایک جگہ "سُرخ و سبز" کا امتزاج پیش کرتے ہیں اور سیبِ جنت سے تشبیہ دیتے ہیں، سیب میں سبز اور سُرخ دونوں رنگ ہوتے ہیں، ذوالفقار کے جوہر سبز ہیں اور خون کا لباس پہن کر پری وش بن گئی ہے، سبز اور سُرخ رنگ دونوں ذوالفقار میں جھلک رہے ہیں:۔

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اُسے کہنا — معشوق بنی سُرخ لباس اُس نے جو پہنا
اُس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا — جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

اس بند میں ذوالفقار کو دلہن کہا ہے، دُلہن کا لباس شادی کے دِن "سُرخ اور سبز" ہوتا ہے۔——"

حضرت علی اکبرؑ کی تلوار بھی مثلِ ذوالفقار کے رنگیں تھی:۔
" رنگت زمردی وہی پانی میں سم وہی"

میر انیسؔ کی شاعری میں ”زرد رنگ“

قدیم زمانے میں زرد رنگ اور اس کے تلامذے سونا رنگنے کے لیئے استعمال ہوتے تھے یا سونے کی ملمع کاری میں استعمال ہوتے تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آرٹسٹوں نے اس رنگ کو اپنی (Paintings) تصاویر میں پہلی مرتبہ استعمال کیا۔ اس زمانے میں زرد رنگ مچھلیوں، جانوروں کے اعضائے جسمانی مثلاً پتہ، مثانہ اور سبزیوں سے بنایا جاتا تھا لیکن اس طریقے سے بنائے گئے رنگ ناپائیدار ہوتے تھے اور جلدی اُڑ جاتے تھے، خاص طور پر سبزیوں سے تیار کیا گیا زرد رنگ جلدی اُڑ جاتا تھا۔

سولہویں صدی کے شروع میں ایک زرد رنگ ایشیا میں پائے جانے والے گوند کے درخت سے بنایا گیا اور چونکہ یہ کمبوڈیا میں بنایا گیا اس لیئے اسے ”کمبوڈیائی زرد“ کہتے ہیں، ایشیا سے یہ رنگ ۱۶۱۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے یورپ پہنچا۔

ایک اور زرد رنگ جسے ہندوستانی زرد (پیلا) کہتے ہیں، یہ رنگ گائے کے ذریعے بنایا گیا تھا، گائے کو آم کے پتے کھلائے گئے اور پھر پانی پلایا گیا، گائے کے پیشاب کو جو زرد ہو گیا تھا اس میں مٹی ملا کر Refine کیا گیا تو اس طرح صاف زرد رنگ حاصل ہوا۔

اس وقت آرٹ کی دنیا میں زرد رنگ کے اکسٹھ تلامذے دریافت کر لیئے گئے ہیں جو استعمال کیئے جا رہے ہیں، یہ رنگ زرد پھلوں، زرد پھولوں، اور بعض فطرت کی رنگینیوں سے متاثر ہو کر بنائے گئے مثلاً دھوپ کو دیکھ کر، صحرا کے رنگ کا زرد، گندم کے رنگ زرد، سُورج کے رنگ کا زرد اور اس کے تلامذے،

عربی میں ”اصفر“ کہتے ہیں ”صُفر“ سونے اور پیتل کو کہتے ہیں، ”صفرہ“ ـ

معنی ہیں فاقہ زدہ یا زردی، "صُفار" زرد گھاس کو کہتے ہیں " صفارہ" مرجھایا ہوا زرد پھول، " صُفاریہ" زرد پرندہ، " اصفران" زعفران کو کہتے ہیں، "صفر" کا مہینہ یعنی زرد خزاں کا موسم،

قرآنِ مجید میں زرد رنگ کا تذکرہ پانچ مقامات پر ہوا ہے :۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ (سورہ بقرہ آیت ۶۹)

" بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا کہ ہم کو خدا سمجھائے کہ قربانی کی اس گائے کا رنگ کیا ہو؟ موسیٰؑ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ گہرے زرد رنگ کی گائے ہو تاکہ دیکھنے والوں کو اچھی لگے" (سورہ کا نام اسی آیت کی وجہ سے بقرہ (گائے) ہے۔)

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا (سورہ روم آیت ۵۱)

" اگر ہم ایسی ہوا چلا دیں کہ وہ رطوبت کو خشک کر دے تو یہ لوگ کھیتی کو زرد (پیلا) پڑا ہوا دیکھیں گے، تو کھیتی کے پیلے پڑنے پر یہ ضرور ہماری پہلی نعمتوں کا کفران کرنے لگیں گے"

يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا (سورہ زمر آیت ۲۱)

"پانی کے ذریعے رنگ برنگ کی کھیتی ہے پھر وہ زوروں پر آئی تو پک کر زرد ہو گئی "

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

(سورہ حدید آیت ۲۰)

" دُنیا کی زندگی کی مثال لہلہاتی ہوئی کھیتی کی طرح ہے کہ کاشتکار خوش ہوتا ہے پھر یہی کھیتی پک کر خشک ہو جاتی ہے اس وقت وہ زرد (پیلی پڑ جاتی ہے) ہو جاتی ہے، پھر آخر کار روندن میں آجاتی ہے "

میر انیس کہتے ہیں :۔

" روکا ہے کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو"

كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (سورۂ مرسلات آیت ۳۳)
"جہنم کے انگارے دور سے ایسے دکھائی دیں گے جیسے زرد رنگ کے اونٹ"۔

قرآن میں زرد رنگ خزاں، زوال، قحط اور جہنم کی آگ کا رنگ ہے، صرف ایک جگہ خوش رنگ گائے کے لیے اچھے معنی میں آیا ہے۔

اِن آیات سے یہ علم ہوتا ہے کہ زرد رنگ کے مختلف شیڈ (Shade) ہوتے ہیں۔ اسلامی نظریۂ الوان کے مطابق وہ مکروہ رنگ ہوتے ہیں، صرف ایک زرد کی قسم احسن تصوّر کی گئی ہے۔ زرد کی وہ قسم جو ہندوستانی پیلا ہے۔ جسے بسنتی بھی کہتے ہیں اور جو ابتدا میں گائے کے پیشاب سے بنایا گیا تھا ایسے زرد کی حدیث میں بھی مذمت موجود ہے، اس پیلے رنگ کو نجس تصوّر کر لیا گیا کہ سامری کا بچھڑا بھی اسی رنگ کا تھا۔

"جب امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُمّ الفضل (زوجۂ عباس بن عبدالمطلب) حضرت امام حسنؑ کو زرد رنگ کا کپڑا اُڑھا کر رسول اللہؐ کے سامنے لائیں، حضورؐ کی جبینِ مبارک پر شکن پڑ گئی اور کہا کہ میں نے تو تم کو منع کیا ہے کہ زرد کپڑے کبھی مولود کو نہ پہنانا یہ فرما کر وہ کپڑا زمین پر پھینک دیا اور سفید کپڑا بچے کو اُڑھا کر گود میں لے لیا"[۱]

زرد رنگ کو انگریزی میں (Yellow) کہتے ہیں۔ فارسی میں زرد رنگ خوف، شرمندگی، دہشت کی علامت ہے۔ سنسکرت میں زرد کے لیے "پیت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اسی لیے پیلی دھات کو "پیتل" کہتے ہیں۔ ہندی میں اس رنگ کے مختلف نام ہیں مثلاً، پیلا، بسنتی، کیسری، جوگیا، چمپئی، بناری، کپاسی، کندنی وغیرہ۔

اُردو میں زیادہ تر زرد اور پیلا یا کپاسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس رنگ کے محاورے اُردو میں بہت سے موجود ہیں، خون کی کمی سے چہرے پر سُرخی نہ رہنے پر کہا جاتا ہے کہ "چہرہ زرد پڑ گیا ہے" اسی طرح خوف، شرمندگی، خجالت کو

---

[۱] "الحسن"، مولانا سیّد آغا مہدی ص۱۷۱

زرد روئی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مہلک بیماریوں میں چہرہ زرد ہو جائے تو زرد مدقوق کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بے کیف زندگی، مایوسی، اضمحلال، تھکن کا استعارہ بھی زرد سے کیا جاتا ہے۔

زرد رنگ کو دیکھنے سے آرام نہیں ملتا، سونے کے کمرے میں زرد رنگ نقصان دہ ہے۔ چونکہ دھوپ کا رنگ زرد ہے۔ حرارت اور حدت کا رنگ بھی زرد ہے۔ جسم میں اگر زرد رنگ زیادہ ہوتا ہے تو بخار آجاتا ہے۔ بعض سائنس داں زرد رنگ کو بنیادی رنگ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ سُرخ اور سبز رنگ ملایا جائے تو زرد رنگ بنتا ہے حالانکہ یہ نظریہ درست نہیں اس لیئے کہ سُرخ اور سبز رنگ ملانے سے عنابی رنگ وجود میں آتا ہے جس کا تعلق کسی طرح بھی زرد رنگ سے نہیں ہے۔

گہرا زرد رنگ گرمی کا احساس دلاتا ہے مگر ہلکا زرد کسی حد تک طبیعت میں تازگی پیدا کرتا ہے۔ زرد رنگ کی ایک قسم نرگسی رنگ بھی ہے، شعراء نے اسے بیمار رنگ کہا ہے لیکن آنکھوں کے لیئے اچھی صفت کہا جاتا ہے۔

زرد رنگ کا تعلق اعصابی نظام اور تمام حسی اعضا سے بھی ہے۔

میر انیس نے زرد رنگ کے لیئے مندرجہ ذیل لفظ، ترکیب اور محاورے استعمال کیئے ہیں:۔

زرد آندھی، منہ زرد ہونا، زعفرانی، کیسری، گرد، دُھوپ، جراحت، زرد عبا شب چراغ دجگنو اور زرد ہیرا) نرگسی، چاند، کُندن، اشرفی، زرد پڑنا، زرد پڑ جانا، زرد ہونا، زرد پھول، زردی، زردی چھانا، زرد چہرہ، زرد رُخسار، زرد مٹی، گلِ زرد، زرد تنکوں۔ گلِ آفتاب (شورجمکھی)، زرد دھوپ۔

زرد مٹی:۔
کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد

کہربا درخت کا گوند ہے جس کا رنگ زرد شیشے کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت عباسؑ کی آمد پر لشکرِ یزید کا خوف سے منہ زرد ہونا۔

خوف کا زرد رنگ:۔

آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ　　سینوں میں جگر ہل گئے چہروں سے اُڑا رنگ
سب سوچ میں تھے دیکھئے اب ہوتا ہے کیا رنگ　　بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے
بے جنگ کئے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

خزاں اور ظلم کا زرد رنگ:۔

سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسولؐ　　تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جہول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول　　برچھی سے پھل کماں سے شاخیں سپر کے پھول
زہرؑا کا باغ اجاڑ کے راحت کر سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

زرد دھوپ

میر انیس کی شاعری میں "دھوپ" ایک اہم موضوع ہے، اُن کے کلام میں روشنی اور نور کے موضوع پر مقالے اور مضامین لکھے گئے ہیں لیکن "دھوپ" پر اب تک نہیں لکھا گیا۔ میر انیس نے "دھوپ" کا رنگ "زرد" بتایا ہے:۔

دھوپ آ کے یہاں زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے

عاشور کے دِن کربلا میں "دھوپ" کا رنگ کچھ زیادہ ہی زرد ہو گیا تھا:۔

چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد

اُردو کے فصیح ترین لفظوں میں "دھوپ" ایک ایسا لفظ ہے جس کے لیئے فارسی اور عربی میں کوئی مستعمل لفظ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اردو میں کوئی دوسرا لفظ مروج ہے۔

قرآن میں دُھوپ کے لیئے چار پانچ لفظ موجود ہیں، تضحیٰ، حُرور، شمسًا ضحیٰ، ضحٰھا، لیکن اُردو میں "دھوپ" کے معنی میں مروج نہیں ہیں۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى (سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۹) شیطان نے کہا جنت تو ایسی جگہ ہے جہاں آدمؑ پیاسے بھی نہیں ہیں اور نہ اُنہیں دُھوپ کی حدت محسوس ہو رہی ہے"۔

شیطان کو جنت میں آدمؑ کا سکون پسند نہیں آیا وہ چاہتا تھا کہ آدمؑ تیز دُھوپ میں کھڑے ہوں اور پیاس سے اُن کا جگر پھُنک رہا ہو،

عاشور کے دن شیطان اسی لیے خوش تھا کہ وارثِ آدمؑ حضرت امام حسینؑ تین دن کے پیاسے دھوپ میں کھڑے تھے:۔

اس دُھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ امم | نے دامن رسُولؐ تھا نہ سایہ علم
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم | اُودے تھے لب زباں میں کانٹے کمر میں خم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا (سورہ دہر آیت ۱۳) جنت میں دُھوپ ہے اور نہ سخت سردی "۔

دھوپ بس اِسی دُنیا کے لیئے ہے لیکن جیسی سخت دھوپ عاشور کو نکلی ایسی دھوپ پھر نہیں پڑی جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا دھوپ کی زردی اور حدت بڑھتی جاتی تھی۔

وہ لو کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
رن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں

قرآن نے اسی بڑھتے دن کی دھوپ کا ذکر کیا ہے وَالضُّحٰى (سورۂ ضحیٰ آیت ۱)

قسم ہے اس وقت کی جبکہ دھوپ چڑھ جائے"

"وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ"

یہ آیت بھی قرآن میں ہے وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ (سورۂ فاطر آیت ۲۱) "نور اور ظلمت کی طرح سایہ اور دھوپ رُتبے میں برابر نہیں ہیں۔"

عاشور کے دن امام حسینؑ دھوپ میں تھے لیکن دین پناہ تھے ظلِ ممدود تھے۔ عمرِ سعد اور شمر چتر کے سائے میں تھے لیکن ظلمات میں تھے، جہنم کے اندھیروں میں غرق۔

"دھوپ" کے موضوع پر قرآن کی آیات کو یہاں اس لیئے درج کر دیا گیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ "دھوپ" قرآن کا موضوع ہے یا پھر اس موضوع کو میر انیسؔ نے برتا ہے۔ سیکڑوں محاورے "دھوپ" کے لیئے میر انیسؔ نے ایجاد کر کے اُردو کو بڑی زبانوں کے مقابل صاحب وقار بنا دیا۔

دُھوپ میں رہنا:۔

آرام سے غریب مسافر کو کام کیا | رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا

دُھوپ میں آنا:۔

یہ کہہ کے آیا دھوپ میں زہرا کا آفتاب | برپا ہوئے خیامِ امامِ فلک جناب

دُھوپ سے مُنہ لال ہونا:۔ "فرزندانِ مسلمؑ"

منہ چاند سے اور اُلجھے ہوئے گیسوؤں کے بال | پوشاکِ سیہ جسم میں اور دھوپ سے مُنہ لال

دُھوپ میں سونلا جانا:۔ "حضرت علی اکبرؑ"

تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ | سونلا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ

جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

ڈھوپ سے نظر جلنا:۔

وہ لو وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر   تیزی تھی دھوپ کی کہ جلی جاتی تھی نظر

ڈھوپ کی حدت ہونا:۔

یہ ڈھوپ کی حدت تھی کہ تفتے کوہ دھکتے   چنگاریوں سے ریت کے ذرّے تھے چمکتے

ڈھوپ سے بیتاب ہونا:۔

کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایہ نہ شجر تھا   لو چلتی تھی اور ڈھوپ تھی بیتاب جگر تھا

دوپہر کی ڈھوپ:۔

اس دوپہر کی ڈھوپ میں تیغوں کی وہ چمک   دو بجلیاں سی کوندرہی تھیں تہ فلک

حضرت رسولؐ خدا کا معجزہ (دھوپ اور سایہ):

ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اس جنابؐ کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا

ڈھوپ اور سایہ

"ڈھوپ اور سایہ" بھی میرانیس کے مرثیوں میں جاذبِ نظر موضوع ہے، اور یہ موضوع قرآن میں بھی ہے، فزکس (Physics) کا اہم ترین موضوع ہے، "علم الافلاک" کی روح ہے "ڈھوپ اور سایہ"۔ میرانیس نے ایک لفظ "سایہ" کو حسِ بصری، حسِ خیالی اور حسِ حافظہ کے دائرہ کار میں پیش کیا ہے لیکن یہاں وہ مثالیں دیکھئے جن میں "ڈھوپ اور سایہ" کا (Contrast) "رنگ" کے موضوع میں موجود ہے۔ "ڈھوپ زرد ہے" "سایہ" مٹی ہے یا سیاہ ہے، میرانیس کے یہاں یہ "سایہ" مادیت میں "سیاہ" نظر آتا ہے لیکن نورانی ہستیوں کے لیے یہ "سایہ" سنہرا ہو جاتا ہے:۔

دُھوپ میں سایہ نہ ہونا:۔

خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر | اس دُھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

دُھوپ کا جوبن ڈھل جانا:۔ ''حضرت علی اکبرؑ''

خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا | چمکا جو نور دُھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا

دُھوپ سے رنگ سونلا جانا:۔ ''جناب سیدِ سجادؑ''

سردارِ دو عالم کا جو سایہ نہ تھا سر پر | سونلا گیا تھا دُھوپ سے رنگِ رُخِ انور

سر پہ دُھوپ ہونا:۔ (امام حسینؑ نے حضرتِ عباسؑ کی لاش پر کہا)

ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دُھوپ ہے | سایہ کرو عَلَم کا مرے سر پہ دُھوپ ہے

دُھوپ چہرے پہ آنا:۔

نرغے میں فوجِ ظلم کے بھائی ہے اب اٹھو | عباسؑ دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو

''دھوپ چھاؤں''، میں رنگ ہیں، میر انیسؔ نے مشاہدہ کیا ہے، برسات کی دُھوپ میں کسی دیہات میں کھیتوں کے کنارے بیٹھ کر کبھی ''دُھوپ چھاؤں'' کا کرشمہ دیکھئے حدِّ نظر تک رنگ ہی رنگ نظر آتے ہیں، اسی خیال کو بنیاد بنا کر ایک کپڑا ایجاد ہوا جس میں ایک تار سبز اور ایک تار سُرخ ہوتا ہے وہ کپڑا جنبش کے ساتھ کبھی سبز نظر آتا ہے اور کبھی سُرخ اُسے بھی ''دھوپ چھاؤں'' کہتے ہیں۔ میر انیسؔ نے یہاں بھی رنگینی کے جوہر دکھائے ہیں:۔

''تھا فرش ہر شجر کے تلے دُھوپ چھاؤں کا''

زرد اور سنہرے رنگ سے ''دھوپ چھاؤں''، کا منظر دیکھئے: میدانِ جنگ میں

حضرت عباسؑ کی آمد ہے نور پھیلتا جا رہا ہے دھوپ ہٹ رہی ہے :-

سائے کی جگہ دھوپ تھی اور دھوپ کی جا، نور
اشجارِ بیابانِ ستم تھے شجرِ طور

کہیں دھوپ کہیں چھاؤں ہونا :-

گردوں پہ تھے مہر کو یہ تاب نہیں تھی — ذرّے تھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی

کبھی دھوپ کبھی سایہ ہونا :-

خورشید جو ذرّے کے چھپا اور نکل آیا — گہہ دھوپ تھی سائے پہ کبھی دھوپ پہ سایا

دھوپ اُٹھاکے آنا :- "خزاں اور بہار" "زرد اور سبز" کا امتزاج، "دھوپ اور سایہ" کتنے موضوع ہیں اس ایک شعر میں .....

اس بزم میں دھوپ اُٹھاکے آتے ہیں جو لوگ
ہنس کر طوبیٰ تکم علیؑ کہتے ہیں

مظلومیت کی زردی

صدمہ، پیاس، فاقہ، نقاہت، دُکھ درد، کا رنگ میر انیسؔ نے زرد بتایا ہے، لیکن یہ رنگ جب آلِ محمدؐ کے چہرے پر آتا ہے تو نُور کی طرح ہوتا ہے، مدقوق اور مکروہ نہیں معلوم ہوتا :-

زرد ہو جانا :-

صدمے سے زرد چہرۂ پُرنور ہو گیا — ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

صدمے سے رنگ زرد ہونا :-

صدمے سے رنگ سبطِ نبیؐ زرد ہو گیا — کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

ہمہ تن درد ہو جانا:۔

غم گھٹ گیا امامِ زماں زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

چہرے کا رنگ زرد ہونا:۔

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد

فاقوں سے رُخ زرد ہونا:۔

کھانا تو واں خیموں میں کھاتے تھے وہ نامرد
تھا فاقوں سے رنگ رُخِ فرزندِ نبیؐ زرد

چاند سا چہرہ زرد ہونا:۔

ہوک اُٹھتی کبھی سینے میں تو دل میں کبھی درد
سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد

رخسار زرد ہونا:۔ ———— "جناب سید سجاد"

زرد رُخسار ہیں رونے سے کہ آنکھوں پہ ورم
ضُعف ایسا ہے کہ سینے میں سماتا نہیں دم

منھ زرد ہونا:۔

عابدؑ کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسمؑ کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

زردی سی چھانا:۔ ———— (حضرت علی اصغرؑ)

دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی
زردی سی ہے ان پھولوں کے رخسار پہ چھائی

زرد چہرہ ہونا:۔

زرد چہرہ ہے نحیف و نزار ہوں
ماتمِ سجادؑ ہیں بیمار ہوں

چاند سا مُنہ زرد ہونا:۔ ــــ "عبد اللہؑ ابنِ حسنؑ"

آنکھیں پھیرا ہیں چاند سا مُنہ زرد ہو گیا ــ منہ سے اُگل اُگل کے لہو سرد ہو گیا

آلِ محمدؐ کے مُجاہدوں کے سُرخ چہروں پر زرد رنگ نُور بن کر چھا جاتا ہے، یہ حضرت عباسؑ کا چہرہ ہے۔

یہ کہہ کے چُپ ہوئے تھے کہ اُٹھا جگر میں درد

رُخسار سُرخ سُرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد

حضرت امام حسینؑ کے سُرخ وسفید چہرے کی بشاشت کا حال مقتل میں یہ لکھا ہے:۔

وَكَانَ كُلَّمَا قَرُبَ الْاَمْرُ اَشْرَقَ لَوْنُهٗ

"حسینؑ کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے جیسے شہادت کا وقت قریب آتا جاتا چہرہ مبارک کا رنگ نکھرتا جاتا تھا"[1]

کیا مدح ہو حسینؑ کے جنگ وجدال کی ــ تصویر بن گئے تھے علیؑ کے جلال کی

چہرے پر رونق:۔

غصّے میں سب کھڑے ہوئے ہیں ریش کے جو بال ــ زیر و زبر ہیں صاف پئے مصحفِ جمال

نقطے عیاں ہیں سُورۂ والشمس پر کہ خال ــ سرخی کے مد کہ آنکھوں کے ڈورے ہیں لال لال

وہ خط و رنگِ چہرۂ تاباں کھلا ہوا

دیکھو دھرا ہے رحل پہ قرآں کھلا ہوا

تھا ضعف سے جوں مہر رُخِ سبطِ نبی زرد

گیسوئے معنبر بسرِ دوش تھے پُر گرد

---

[1] الخصائص الحسینیہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۹ آیت اللہ شیخ جعفر شستری مکتب اہل البیت کراچی۔

تلوار اور زرد رنگ

میر انیس نے تلوار کو "شعلہ رنگ" کہا ہے اور تلوار کے شعلوں اور اس کی آنچ کا رنگ زرد بتایا ہے:۔

غل تھا کہ چلے آگ سے کیا زور بشر کا
تلوار نہ سمجھو یہ زبانہ ہے سقر کا

"دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی"

خزاں کا موسم زرد ہے، ذوالفقار بھی کربلا میں "تیغِ خزاں رنگ بن گئی تھی" ذوالفقار عہدِ نبویؐ میں بہار تھی، جب کافروں پہ چلتی تھی گلشنِ اسلام کو سرسبز و شاداب کرتی تھی وہ خود کہتی ہے:۔

کُفّار کی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے
اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے

ایماں کے گلستاں میں ہر رونق مرے دم سے

عاشور کے دن لشکرِ یزید کے لیئے ذوالفقار خزاں کی تیغ بن گئی تھی، خزاں میں سبز پتے پژمردہ ہو کر زرد ہو جاتے ہیں،

میر انیس کا یہ بند چمن کے تلازموں پھل، پتا، شاخیں، قلم، گل، شجر، لالہ، تھالے سے بنایا گیا ہے:۔

پھل اڑ گئے پتا ہوئے سب برچھیوں والے
شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے
دیکھے جو گلِ زخم پڑے جان کے لالے
تھے ہر شجرِ قد کی جگہ خون کے تھالے
یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا
یوں تیغِ خزاں کو کبھی چلتے نہیں دیکھا

زرد سورج

امامِ حسینؑ کے رُخِ انور کو دیکھ کر سُرخ آفتاب کا رنگ بھی زرد ہو جاتا ہے۔ بلکہ کربلا کے سُنہرے ذرّوں کی چمک سے آفتاب زرد ہو گیا ہے،

حُسن ایسا کہ خورشید کا منہ زرد ہوا ہے
یوُسف کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

(کربلا کی خاک) ذرّوں سے اس کے اشرفیٔ مہر زرد ہے
مٹی طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے

پرچم فزوں تھا حُسن میں گیسوئے حور سے
(علم) خورشید زرد ہو گیا پنجے کے نوُر سے

حضرت علی اکبرؑ کے چہرے کا نور :-

زردی رُخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

حب اِس زمیں کے نور سے ہے چرخ لاجورد
مانندِ کہربا ہے رُخِ آفتاب زرد

زرد آسمان

کربلا میں ایسی جنگ ہوئی کہ صحرا کی گرد نے اُٹھ کر آسمان کا رنگ زرد کر دیا۔

گھوڑوں کے دوڑنے سے اُڑی دشت میں جو گرد
مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد

گھوڑوں کی جست وخیز سے اٹھا غبارِ زرد
گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد

امام حسینؑ کی جنگ :-

تودہ بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد — کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیٔ نبرد

زرد پھول

زرد رنگ کے پھولوں کے مختلف شیڈ (Shade.) ہوتے ہیں، سُورج مُکھی، ہزارہ، ببول کے پھول، سرسوں کے پھول، ڈھاک کے پھول، گُلِ ٹیسو، وغیرہ میر انیس نے سُرخ اور نیلے پھولوں کے رنگ کو نمایاں کرنے کے لیے "زرد پھولوں" کا ذکر بھی کیا ہے، زرد، سُرخ اور نیلے رنگ میں (Contrast.) کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

وہ پھولنا شفق کا۔ وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ، وہ گلہائے سُرخ و زرد

تھا فیض نزادت سے جہاں خورم و سرسبز
تھے زرد شگوفے ردشِ غنچۂ تر سبز

زردِ زعفران

زعفران مختلف رنگ کا ہوتا ہے، سُرخ، زرد، بنفشی، گہرا اودا وغیرہ، خود زعفران میں مہندی کی طرح تین رنگ موجود ہیں، پھول سُرخ و زرد ہوتے ہیں، پکنے کے بعد گہرا کشمشی ہو جاتا ہے، لیکن پانی میں ڈالنے کے بعد رنگ زرد برآمد ہوتا ہے، میر انیس نے آلِ محمدؐ کے چہروں پر بسنتی رنگ نہیں بلکہ زعفرانی رنگ دکھایا ہے :-

خوں سے عبا تھی سُرخ جراحت میں درد تھا
(حضرت علی) مانندِ زعفراں رُخِ پرُنور زرد تھا

چہرے سے ہے عیاں کہ سراپا میں درد ہے
(سید سجاد) مانندِ زعفراں رُخِ پرُنور زرد ہے

ہندی میں زعفران کو کیسر کہتے ہیں :-

پیری میں یہ اندوہ ضعیفی میں یہ دُکھ درد
صدمے سے رُخِ پاک ہے کیسر کی طرح زرد

ظُلم کا زَرد رنگ

"نمرود کے شاہی پرچم کا رنگ زرد تھا جس پر عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی، حضرت ابراہیم جب اُس کے قصر میں داخل ہوئے، پرچم حضرت ابراہیم کے قدموں پر آ گرا، یہی وجہ ہے کہ نعلین اور جوتوں کے رنگوں میں سب سے اچھا زرد رنگ ہے ۔معتبر حدیثوں میں وارد ہے کہ سیاہ جُوتا نہ پہنو کہ بینائی کو ضعیف کرتا ہے۔ اور رنج وغم پیدا کرتا ہے، زرد نعلین اور جوتا پہننے سے آنکھوں کی روشنی زیادہ ہوتی ہے"[1]

یہ زرد رنگ گہرا ہوتا ہے جس کا قرآن میں تذکرہ ہے :-

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو زرد جوتا پہنے جب تک وہ پاؤں میں رہے گا وہ برابر خوش و خرم رہے گا، کیونکہ اللہ نے سُورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی گائے کی تعریف میں ارشاد فرمایا :

صَفۡرَآءُ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ ۔

---

[1] تہذیب الاسلام ۔۔ صفحہ ۲۹ علامہ محمد باقر مجلسی ۔ افتخار بکڈپو ۔ لاہور

"گہرے زرد رنگ والی جس کے دیکھنے والوں کو سُرور حاصل ہو"۔

یہ زرد رنگ کُنفئی یا کشمشی مائل زرد ہوتا ہے، اسلام نے زرد رنگوں میں اسے سب سے اچھا زرد رنگ قرار دیا ہے،

ہندوؤں کے مذہبی زرد رنگ، بودھوں کے مذہبی زرد رنگ اور عیسائیوں کے مذہبی زرد رنگ کو اسلام نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا ایسے زرد رنگ مکروہ قرار دیئے ہیں۔ زرد رنگ میں ایک شیڈ .Shade "پھیکلی رنگ کا زرد" ہے۔ اس زرد کو بھی اسلام نے مکروہ قرار دیا۔

لشکرِ یزید کے افراد کے چہرے خوف، دہشت، ہراس، بے حواسی سے زرد ہو جاتے تھے۔

میر انیس نے لشکرِ یزید کو زرد سیاہ بتایا ہے، گویا اُن کے چہرے سیاہی مائل زرد یا زردی مائل سیاہ تھے اور یہ دونوں ہی رنگ دیکھنے میں مکروہ معلوم ہوتے ہیں:۔

خوف سے منہ زرد ہونا:۔

ہے خوف کے مارے پسرِ سعد کا منہ زرد
رنگ اُڑتا ہے آندھی سی جو اُٹھتی ہے کبھی گرد

لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے
بے جنگ کئے خوف کے منہ زرد ہیں سب کے

بے حواسی سے رنگ زرد ہونا:۔

تو رستمِ عراق ہے مردِ نبرد ہے
یہ بے حواس ہے کہ ترا رنگ زرد ہے

دہشت سے زرد ہونا:۔

دہشت کے زرد تھے یہ شجاعوں کا رنگ تھا
اسوار کی کمر تھی نہ گھوڑے کا تنگ تھا

ہراس سے رُخ زرد ہونا:۔

رُخ زرد تھا ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا

برگِ خزاں دیدہ :-

سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسولؐ
تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جہول

پتے بھی خزاں زدہ تھے :-

گرمی یہ تھی کہ زیست کے دل سب کے سرد تھے — پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

عاشور کو امام حسینؑ کی جنگ :-

گھوڑوں کے دوڑنے سے اُڑی دشت میں جو گرد
مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد

زرد غبار ——— دوسری محرم (امام حسینؑ)

زلفوں پہ آکے بادِ صبا خاک اڑا گئی
اُٹھا غبارِ زرد زمیں تھرتھرا گئی

میر انیس کی شاعری میں "نیلا" رنگ

اُردو میں "نیلا" فارسی میں "کبود" عربی میں "ازرق" اور انگریزی میں بلیو (Blue) کہتے ہیں۔ نیلے رنگ کے مختلف شیڈز (Shade) ہوتے ہیں۔ گہرا نیلا سیاہی مائل، ہلکا نیلا سُرخی مائل، آبی نیلا سفیدی مائل یعنی آسمانی رنگ جسے انگریزی میں (Indigo) کہتے ہیں۔

"نیلا رنگ چار ھزار برس قبلِ مسیح مصر میں دریافت ہوا تھا جسے (Egyptian Blue) کہتے ہیں، مصری آرٹسٹوں کے بعد یہ رنگ یونانی اور رومن تہذیبوں نے استعمال کیا۔ بارہویں صدی کے آغاز میں آسمانی (Indigo) رنگ دریافت ہوا۔ ۱۷۰۴ء میں ایک جرمن رنگ ساز نے پروشین بلیو (Prussian Blue) رنگ دریافت کیا یہ رنگ آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ قدیم مصوری میں سُرخ کے ساتھ نیلا رنگ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔"[1]

قرآنِ مجید میں نیلے رنگ کا ذکر صرف ایک مرتبہ آیا ہے:-

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۰۲)

"جس دن صُور پھونکا جائے گا اور ہم اُس دن گنہگاروں کو اپنے حضور میں جمع کریں گے اُس دن ان کی آنکھیں مارے خوف کے نیلی نیلی بے نُور ہوں گی"۔

"زُرْقًا" کے معنی ہیں نیلے رنگ کی آنکھیں، کبود چشم یہ لفظ "ازرق" کی جمع ہے، جس کی آنکھیں نیلگوں ہوں عرب میں اُسے ازرق کہتے ہیں۔

---

[1] قدیم مصوری :- زبیر احمد مدنی

علامہ زمخشری لکھتے ہیں :-

"نیلا (کبود) رنگ عرب کے نزدیک آنکھوں کے بارے میں سب سے مبغوض ترین رنگ ہے، کیونکہ رومی جو اُن کے دشمن ہیں گربہ چشم (نیلی آنکھیں) ہوتے ہیں، اسی لیئے عربوں نے دشمن کی صفت یہ بیان کی ہے "اسود الکبد اصہب السبال ازرق العین" سیاہ جگر، بھوری مونچھوں والا، کبود چشم، دوسرے یہ کہ اندھے کو بھی کبود چشم کہتے ہیں جس کی آنکھ کی روشنی جاتی رہتی ہے اور اُس کی پتلی نیلی ہو جاتی ہے۔ نیلی آنکھیں :- میر انیس نے بھی اہلبیتؑ کے دشمنوں کی آنکھوں کا رنگ نیلا بتایا ہے :-

ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بل

عربوں میں ایک محاورہ نیلے رنگ سے بنایا گیا ہے زَرَقَہٗ بِالمِزرَاقِ یعنی "نیزے سے اُسے مارا" نیزے کی انی جہاں پر لگتی ہے وہاں نیلے رنگ کا نشان پڑ جاتا ہے۔"
میر انیس کا یہ شعر حیرت انگیز ہے :-

نیزے کی نوک سے جگرِ آفتاب خوں
سینہ ہے آسماں کا اُسی دن سے نیلگوں

میر انیس کے یہاں آسمانی رنگ کا استعمال

آسمانی رنگ جسے انگریزی میں (Sky Blue) کہتے ہیں۔ یہ رنگ آسمان اور سمندر کا رنگ ہے۔ سمندر چونکہ پانی ہے اور لامحدود ہے اس لئے آسمانی رنگ کو سرد، برف اور لامحدود رنگ سمجھا جاتا ہے۔

بائبل میں آیت ہے کہ :-

لے لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانی جلد سوم ص۱۳۳ دارالاشاعت۔ اُردو بازار کراچی۔

"آسمان آئینہ نیلم کی مانند شفاف ہے"۔ (خروج ۲۴: ۔۱۰)

انجیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے بارہ نائبین کا روحانی لباس آسمانی رنگ کا تھا یہودی نیلے رنگ کو متبرک سمجھتے ہیں۔ امریکہ کے جھنڈے میں نیلا رنگ یہودیوں کی خوشنودی کے لیے شامل ہے۔ قرآن نے نیلے اور آسمانی رنگ کی مذمت کی ہے۔ پورے قرآن میں اس رنگ کی تعریف نہیں آئی ہے۔

عرب آسمان کو نیلے رنگ سے زیادہ سبز رنگ سے منسوب کرتے ہیں، میر انیس نے بھی عربی لغت کے اعتبار سے ایک جگہ آسمان کو سبز کہا ہے :۔

وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشید خاوری
وہ صاف صاف آئینۂ چرخِ اخضری

نیلے رنگ میں جب ہلکی ہلکی زردی اور سُرخی شامل ہوتی ہے اُس وقت آسمان کا رنگ سبز محسوس ہوتا ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں آسمان کو سبز اور نیلے دونوں رنگوں سے منسوب کیا ہے ،۔ (فرماتے ہیں)

"آسمان کے رنگ کو دیکھو! کیونکہ یہ رنگ نظر کے لیے تمام رنگوں کی بہ نسبت زیادہ مناسب اور مقوی ہے، یہاں تک کہ اطبّا بھی اُس شخص کے لیے جس کی آنکھ میں کوئی بیماری ہوگئی ہو آسمانی رنگ (خضرا) کی طرف برابر دیکھنا یا جو اُس سے قریب قریب رنگ مائل بہ سیاہی ہو تجویز کرتے ہیں اور حذاق اطبا اُس کے لیے جس کی نظر کمزور ہوگئی ہو ایسے لگن میں دیکھا کرنا بتاتے ہیں جس کا رنگ آسمانی یا سبز ہو اور اس میں پانی بھرا ہوا ہو، اللہ نے آسمان کا رنگ نیلا بنایا ہے جو مائل بہ سیاہی ہے تاکہ اُن نگاہوں کو روکے جو اُس پہ بار بار پڑتی ہیں اور دیر تک دیکھنے سے اُن میں خرابی نہ ڈالے آشوبِ چشم والے کو آسمانی یا سبز رنگ کی طرف دیکھنا چاہیئے"۔ [1]

---

[1] توحید الائمہ: ص۱۶۳ مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری ۔ دارالاشاعت اسلامی کراچی ۔

میر انیس نے لفظِ آسمانی صرف ایک جگہ استعمال کیا ہے :-

اس دم جو شریکِ دردِ ہووے میرا
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

آسمان کے رنگ کو تصویر میں بھرنے کے لیے میر انیس گلِ نیلوفر سے استعارہ کرتے ہیں.....

فلکِ نیلوفری ۔ نیلگوں آسمان ۔

تاروں کو اتارا فلکِ نیلوفری نے
پرچم جو کھلا کھول دیئے بال پری نے

نیلی رواق ۔ آسمان نیلے اوراق والا

رستے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
بلبل کی پھرتیاں ہیں طرارے براق کے

گلِ سوسن

فارسی اور اُردو میں "سوسن" کہتے ہیں ، لاطینی میں I. Florentina کہتے ہیں۔ خوشبودار نیلے رنگ کا پھول ہوتا ہے ، "سوسنِ سرخ" اور اودے رنگ کا سوسن بھی ہوتا ہے ، مشہور سوسن نیلے رنگ کا ہوتا ہے ، میر انیس نے نیلے رنگ کے "گلِ سوسن" کو استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے ،

"سجدے کا نشان"

روشن ہے جبیں آئینہ مہ کی تمثال ہے سجدۂ خالق کا نشاں اخترِ اقبال

ہے جلوہ گری نور کی پیشانیِ شہ میں
عکسِ گلِ سوسن ہے یہ آئینۂ مہ میں

"لبہائے مبارک"

لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گُلِ سوسن تلواریں سرِ پاک پہ چمکاتے تھے دشمن

نیلے تھے لبِ سُرخ جو مثلِ گُلِ سوسن
روتے تھے لہو، زرد تھا شہ کا رخِ روشن

"طمانچوں کے نشان"

ان بچوں میں تھا بالی سکینہؑ کا یہ احوال کانوں سے لہو بہتا تھا اور سوسنی تھے گال

نیلوفر

لفظ "نیلوفر" یونانی لفظ نینُوفر (کنول کا پھُول) سے ماخوذ ہے۔ J. Y. Hammer (
F. Taes-Chner کا قیاس یہ ہے کہ نیلوفر Olivera کی بگڑی ہوئی
شکل ہے حالانکہ اب تک اسے یونانی زبان ہی سے مشتق سمجھا جاتا رہا۔ یہ لفظ کبھی نُونُوفر
یا اُونُوفر سے بھی مشہور رہا ہے۔" [1]

فارسی میں "نیلوپر"، سنسکرت میں "نیلوپل" ہے، چونکہ سنسکرت میں نیل नील
بہ معنی نیلا اُت پل उत्पल بہ معنی پنکھڑی ہے۔ یعنی نیلی پنکھڑی والا پھول،....
نیلوفر کا پھُول "نیلے" رنگ کا ہوتا ہے اور کنول کے پھول کو نیلوفر کہتے ہیں، عربی میں
"ظل" کہتے ہیں یعنی آسمان کا سایہ یعنی نیلا پھُول، کتابِ حضرت ایوب علیہ السلام میں ہے
کہ نیلوفر (کنول) کے پھُول اُسے اپنے سائے میں چُھپا لیتے ہیں۔" [2]

نیلوفر کی دو قسمیں ہوتی ہیں نیلوفر مہتابی کی بیلیں ہوتی ہیں اور نیلوفر آفتابی یہ کنول
کا پھُول سُورج نکلنے کے بعد کھلتا ہے اور آسمانی رنگ کا ہوتا ہے۔

---

[1] اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ۔ جلد ۲۲۔ صفحہ ۵۴۶ [2] قاموس الکتاب ص ۱۰۱۲

میر انیس نے آسمان کا رنگ "نیلوفری" بتایا ہے۔

مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گُلِ خورشید نسیمِ سحری سے

امام حسین خیمے سے برآمد ہوئے ہیں :۔

تھا فرش سے تا عرش سماں جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی دریچہ فلکِ نیلوفری کا

میر انیس نے پیشانی پر سجدے کے نشان کو نیلوفر سے تشبیہ دی ہے :۔

دیکھو نشانِ سجدہ جبینِ جناب پر
غنچہ ہے نیلوفر کا گُلِ آفتاب پر

میر انیس کی شاعری میں نیلا رنگ غم کی علامت ہے

میر انیس نے آسمانی رنگ کے علاوہ جہاں جہاں سوسنی رنگ (درمیانی نیلا رنگ)، یا تازیانوں کے نشان یا ماتم کے نیل کا ذکر کیا ہے وہاں گہرا نیلا رنگ مراد لیا جائے گا۔
"نیل" بہت پُرانا یعنی قدیم سے قدیم تر ہے، یہ لفظ سُریانی، عبرانی، سنسکرت، لاطینی، عربی، فارسی، ہندی اور اُردو میں موجود ہے۔ اس لفظ کی قدامت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نیلا رنگ قدیم زمانے میں دریافت ہو گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار ہزار برس قبل کی تصاویر میں نیلا رنگ موجود ہے۔
میر انیس نے اپنی تصاویر میں نیلا رنگ بھرنے کے لیے مندرجہ ذیل محاوروں، استعاروں اور تراکیب سے کام لیا ہے۔
سینہ نیلگوں ہونا، نیل پڑ جانا، فلک نیلوفری، نیلے نشان، کبودی رخسار، عارض کبود، نیلے ڈورے، سوسنی لب، گُل سوسن، عکسِ گُلِ سوسن، نیلی چادر، مینائے لاجورد، چرخِ لاجورد، رنگ آسمانی ہونا، مسوڑے کبود ہونا، سینے کبود ہونا، لب نیلے ہونا،

غنچۂ نیلوفر، ہونٹ نیلے ہونا، ماتم سے سینے نیلے رہنا، نیلم، طاؤسِ آسماں وغیرہ،

نیلے جواھرات

میر انیس نے نیلے رنگ کو کہیں کہیں جواھرات کے نیلے رنگ سے بطور مجازِ مرسل اُبھارا ہے۔

"نیلم"

نیلم ہیں گو کہ فرطِ عطش سے عقیق لب ‏ ‏ نسبت بھلا ہے لعلِ بدخشاں سے اُن کو کب

تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لعل

"لاجورد"

ہے چرخِ چارمیں پہ رُخِ آفتاب زرد ‏ ‏ ڈر ہے گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد ‏ ‏ مخمل سی وہ گیاہ وگُل سبز و سُرخ و زرد

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخِ لاجورد ‏ ‏ مانندِ کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد

نیلے رنگ کی صفت

چوٹ یا ضرب لگنے سے کھال پر خون جم جانے سے نیلا نشان پڑ جاتا ہے، ایک طرف یہی نیلا رنگ ظالم کے ظُلم کو ظاہر کر دیتا ہے اور دوسری طرف مظلوم کے صبر کی علامت بن جاتا ہے، میر انیس نے صفت کے طور پر نیلے رنگ کا استعمال کیا ہے۔

"بازو کے نیل"

چھاپے ہیں خاک کے رُخِ نیکو پہ ہر غضب　　　　نیلے نشاں ہیں چاند سے بازو پہ ہر غضب

"نیلے نشان"

نیلے نشاں ہیں چاند سے کاندھوں پہ جلوہ گر　　　　لے کر اناج جاتے ہیں خود بیکسوں کے گھر

"عارضِ کبود"

زخمی ہیں کان پھول سے عارض کبود ہیں　　　　اب تک نشاں طمانچوں کے رُخ پر نمود ہیں

"تازیانوں کے نیلے نشان"

رُخ روشن سے عیاں بے پدری ہوتی ہر　　　　پُشت کے نیل دکھاتا ہے تو ماں روتی ہر

"نیلے ہونٹ"

گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں　　　　نیلے ہیں ہونٹ پھول سے رُخسار زرد ہیں

پیاس کی شدت میں ہونٹوں کی رنگت نیلی پڑ جاتی ہے اس لیے نیلے رنگ کو کبھی کبھی موت کے قریب ہونے کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے، میر انیس نے نیلے رنگ کی مثال اسی معنی میں بیان کی ہے :-

"آثارِ مرگ"

آثارِ مرگ پھول سے رخ پر نمود تھے　　　　ہچکی لگی ہوئی تھی منٹھ کبود تھے

"نیلے لب"

طاقت نہ سخن کی تھی نہ تشنہ دہاں میں　　　　نیلے تھے لب اور پیاس سے کانٹے تھے زباں میں

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا

گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ بے آس
رخ زرد تھا نیلے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس

نیلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہے
تلواریں ادھر کھنچی ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہے

میرانیس نے نیلے رنگ کو غم اور ماتم کی علامت بھی قرار دیا ہے،

"ماتم"

کیا خوب کٹے آٹھ دن اور دو یہ مہینے   نیلے رہے ماتم سے عزاداروں کے سینے

سینے تو ہیں کبود، گریبان چاک ہیں

کسی زمانے میں دفع نظر بد کے لیئے نیلے ڈورے کلائی میں باندھتے تھے اب کالے ڈورے باندھے جاتے ہیں، میرانیس کے عہد تک شاید نیلے ڈورے کا رواج تھا۔

باچھوں سے تھا نمود جسے دودھ کا اثر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینے پر

نیلی چادر غم کی علامت سمجھی جاتی ہے، یہاں میرانیس نے گہرے نیلے رنگ کا استعمال کیا ہے، ایسا نیلا جس پر سیاہ کا گمان ہو:۔

اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور
کالی کفنی بر میں ہو اور نیل سی چادر

میر انیس کی شاعری میں "سفید رنگ"

سفید رنگ پاکیزگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ سفید رنگ میں معصومیت، خالصیت، روشنی، ناموری، اعزازوری، شادمانی، پائی جاتی ہے، شرافت کے اظہار کے لیئے سفید رنگ اپنا جواب نہیں رکھتا لیکن رذیل اور سفلہ مزاج سفید رنگ پہن لے تو اُس کی حقیقت کو سفید رنگ چھپا نہیں سکتا۔ میر انیس کہتے ہیں :۔

نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید
بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

شُستہ و شو سے گو ہوا اُجلا رذیل
جامۂ اصلی میں دھبا رہ گیا

سفید رنگ صرف ان لوگوں کے لیئے موزوں ہے جن کی رنگت صاف اور بے داغ ہو۔ سفید رنگ پر عطارد ستارے کا اثر ہے اور مشتری کی برکت اس پر ہوتی ہے۔ جو سفید رنگ کو پسند کرتا ہے۔ سفید رنگ بلاؤں کے منحوس اثر کو دُور اور رفع کرنے کے لیئے بہترین سمجھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سفید رنگ کے جانور کو بھی مبارک سمجھا جاتا ہے۔ سفید مُرغابیاں حضرت علیؑ کے گھر میں پلی ہوئی تھیں۔

سفید رنگ صدیوں سے سچ اور خلوص کی نشانی رہا ہے۔ مغربی ممالک میں سفید رنگ عروسی کا لباس ہے۔ اکثر غریبی سفید پوشی میں چھپ جاتی ہے۔ سفید رنگ مذہبی اور روحانی رنگ بھی ہے۔ خصوصاً مسلمان اور عیسائی عبادات کے وقت سفید لباس پہنتے ہیں۔ حج میں "احرام" سفید ہوتا ہے۔

سفید لباس

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے معتبر حدیث ہے کہ سفید لباس پہنو کہ یہ رنگ سب سے عُمدہ اور پاکیزہ ہے اور اپنے مُردوں کو بھی اسی رنگ کا کفن دو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیؑ ابنِ ابی طالب علیہ السّلام اکثر اوقات سفید لباس پہنا کرتے تھے" حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے سر پر سفید عمامے تھے اور اُن کے پلّے چھوٹے ہوئے تھے"۔[1]

میر انیس کہتے ہیں جب کربلا میں فرشتوں کا لشکر آیا اُن کی پوشاک بھی سفید تھی:۔

نورانی عبائیں ہیں، سفید اُن کی ہے پوشاک
اور حُسن میں مہتاب سے روشن ہیں رُخِ پاک

کربلا کے مجاہدوں کا لباس عبائیں اور عمامے بھی سفید تھے۔ میر انیس کہتے ہیں:۔

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دُعائیں

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور

نمازِ صبح کے وقت امام حسینؑ سفید عبا پہنے ہوئے تھے، جنگ شروع ہونے سے پہلے رنگین عبا پہنی ہے اور عمامہ بھی تبدیل کیا تھا۔ عصر کے وقت بوسیدہ لباس زیب جسم کیا تھا تاکہ لباس بعدِ شہادت لُوٹ نہ لیا جائے، (تفصیلات "اسلامی لباس اور رنگ" میں دیکھیے، میر انیس کہتے ہیں:۔

مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا

---

[1] "تہذیب الاسلام" صفحہ ۱۹ اور صفحہ ۲۳ علامہ محمد باقر مجلسی۔ افتخار بکڈپو لاہور۔

سفید رنگ کی اہمیت

سائنس دان بنیادی رنگوں میں سفید رنگ کی اہمیت پر گفتگو نہیں کر سکے ہیں اسلامی فلسفہ الوان میں حضرت علیؓ نے چار بنیادی رنگوں میں، سُرخ، سبز، زرد کے ساتھ سفید کو بھی شامل کیا ہے۔ حالانکہ دو مشہور سائنس دانوں نے تین رنگ بنیادی بتلائے ہیں سُرخ، سبز، نیلا اُن کا خیال تھا کہ باقی تمام رنگ ان تینوں رنگوں کی آمیزش سے وجود میں آتے ہیں، دونوں سائنس دانوں ینگ اور ہیلم ہولٹز کے نظریے کو مسترد کر دیا گیا کیونکہ ان سائنس دانوں نے سفید رنگ کو بنیادی رنگ تسلیم نہیں کیا اُن کا خیال تھا کہ سفید رنگ دراصل سُرخ، سبز اور نیلے رنگ کے باہمی امتزاج سے بنتا ہے"۔[۱]

سفید رنگ بنیادی رنگوں میں شامل ہے، قرآن نے سفید رنگ کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً خطِ ابیض، محشر میں سفید اور سیاہ چہرے، یدِ بیضا، سفید آنکھیں، جنت میں سفید شراب، سفید حوریں وغیرہ عربی میں سفید رنگ کو" ابیض" کہتے ہیں، آنکھ کی سفیدی کو" بیاض"، چاندی کو" بیضا" اور سفیدۂ صبح کو" خطِ ابیض" کہتے ہیں۔

فارسی میں سفید رنگ کو" سپید" صبح کی روشنی کو" سپیدہ" اور گورے رنگ کو" سپیدی" کہتے ہیں۔ انگریزی میں سفید رنگ کو (White,) اور سفید کرنے، چونا پھیرنے کو (White Wash,) کہتے ہیں۔

خطِ ابیض

قرآن نے" خطِ ابیض" یعنی سفید دھاری کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے :۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷)

"یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نمایاں ہو جائے"۔

---

[۱] " بنیادی نفسیات" ص۲۱۱ پروفیسر عاصم صحرائی۔ اے ون پبلشرز اُردو بازار لاہور۔

میر انیس نے اسی سفید دھاری کو "خطِ ابیض"، "صبح صادق" اور سپیدیٔ سحر یا سپیدیٔ صبح کہا ہے:۔

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں

عاشور کے دن میر انیس نے سفیدی کا حق سے اور سیاہی کا باطل سے استعارہ کیا ہے:۔

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی

عربی میں سفید رنگ، شہرت، نیکنامی، تلوار، نعمت اور احسان کی علامت ہے، انگریزی میں سفید رنگ پاک صاف، معصوم، بے عیب اور امن کی علامت ہے، فارسی میں سفید رنگ معزز، محترم، سُرخرو اور خوش نصیب ہونے کی علامت ہے۔

میر انیس کی شاعری میں بھی سفید رنگ خوش آیند مستقبل کی خبر، طہارت، عظمت، حق و باطل کے درمیان فیصلے کی علامت ہے:۔

دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہ دیں نے
مُڑ کر رُخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہ دیں نے

فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

سیاہ لوگوں کے سیاہ کارناموں کے سیاہ پچاس برس گزر چکے ہیں، امام حسینؑ کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا سر پیش کر کے آج حق کو اور باطل کو جدا کرنا ہے۔ فیصلے کے بعد لقائے رب ہے کہ

"سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہ دیں نے"

شبِ فراق گزر گئی "خطِ ابیض" یوم وصال کی خبر دے رہا ہے:۔

"گزری شبِ فراق دن آیا وصال کا"

میرانیس سیاہ رنگ کے مقابلے میں سفید کو رکھتے ہیں، وہ خیر و شر اور نیک و بد کو سفید و سیاہ کے تضاد سے ظاہر کرتے ہیں۔ صبحِ عاشور کی سفیدی امام حسینؑ اور اُن کے لشکر کی معصومیت، پاکیزگی اور نیکی کی علامت بن کر نمودار ہوئی تھی اور باطل کی سیاہی کو مٹانے کے لیئے :۔

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور
پھیلی سپیدی ہو گئی ظلمت جہاں سے دُور

میرانیس کی شاعری میں سفید رنگ کا اُجلا پن اور مختلف شیڈ (Shade) ابھارنے کے لیئے خوبصورت اشیار کا ذکر اُن کے آفاقی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ شعورِ الوان میرانیسؔ کی قدر کرواتا ہے۔ تصویروں میں اُنہوں نے سفید رنگ مندرجہ ذیل چیزوں سے بھرا ہے :

یدِ بیضا، موتی، ہیرا، الماس، مہتابِ صبح، چاندنی، نورِ سحر، خطِ ابیض، بیاضِ چشم، سفید عبائیں، سفید عمامے، سپیدیٔ صبح، گھر کی سفیدی، ریشِ سفید، سیماب، پارہ، موج، تیغوں کی سفیدی، سمن، یاسمن، نسترن (سفید گلاب)، نسرین، بلوّر، کافور، شیشہ، آئینہ، عرقِ گلاب، شبنم، آنسو، پسینہ، دُرِ نجف، صدف ۔ ۔ ۔ ۔ ،

— ہیرا —

جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا ۔۔۔ گویا گلے میں نُور کے ہیرے کا ہار تھا

— سمن کی کلیاں —

کلیوں سے سمن کی بھی معطّر ہیں دنداں ۔۔۔ ہیرے کے نگینوں کی بھی بہتر ہیں یہ دنداں

پسینہ :—

قطروں کے پسینے کی یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام یہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

— بلوّر —

آئینۂ بلوّر سے شفاف گلا ہے

— احرام —

دامن جو پاک صاف تھا دستِ مصاف کا
احرام باندھا کعبہ نے اس کے طواف کا

— سیماب —

وہ شہسوارِ دوشِ محمدؐ کی ران و باگ
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ

— آبی رنگ —

طوفاں میں موج گرتی ہے جس طرح موج پر

— تیغوں کی سفیدی —

تیغوں کی سفیدی تھی کہ تھا نور کا تڑکا

— سمن —

باریک وہ جلدیں کہ خجل پھول سمن کے

— چاندنی —

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

— کافور —

ہر سنگ یہ تاباں ہے کہ شرمندہ ہے بلور
ڈھلتا نہیں دن دھوپ ہوئی جاتی ہے کافور

— پسینہ —

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

— آنسو —

تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

صبح صادق کے وقت پھر دن بھر چاند سفید نظر آتا ہے :۔

مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب

گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا

— شبنم —

ہر برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار

کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر

اُس دشت میں روتی تھی جو شبنم شہِ دیں پر تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

— سفید قمریاں —

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کو کو کا شور نالۂ حق سرۂ کی دھوم

— افشاں —

افشاں چُنے ہوئی تھی ستاروں کی کہکشاں

— چاندنی —

ہر دم تھا چاندنی سے فزوں نور چھاؤں کا
تھا فرش ہر شجر کے تلے دھوپ چھاؤں کا

— شیشہ —

حلقے میں سوادِ شب و نورِ سحری ہے
یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے

— الماس —

باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

— شیشے کے جام —

یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغرِ بلور

— ہیرے کے نگ —

جوہر کی چمک دیکھی نہ ہیرے کے نگوں میں
یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

— "بیاضِ سحر" —

جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا

— بیاضِ چشم —

جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید
مردم سیاہ پوش، اور سارا گھر سفید

— بیاض و سواد —

دکھلاتی ہے بیاض و سواد ان کی شان اب
دن کے قریب صبح، سحر کے قریب شب

—— یاسمن (چنبیلی) ——

قربان جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن

عرقِ گلاب (گُل آب)

عرقِ گلاب سفید رنگ کا ہوتا ہے، اُس کی سفیدی اس کے اصلی ہونے کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ حُکماء کہتے ہیں کہ عرقِ گلاب کی بوتل میں اوپر سے قدرے پانی ڈالیں اگر عرقِ گلاب اصلی ہوگا تو اس کا رنگ سفید دودھ کی طرح ہو جائے گا۔ عرقِ گلاب نہایت مشہور اور خوشبو کے لیے مرغوب ہے۔ فرحت پیدا کرتا ہے، دماغ، دل اور گرمی کے خفقان کے لیے مفید ہے، غشی اور دردِ سر کو دور کرتا ہے۔ گرمی کی پیاس بجھاتا ہے۔ آنکھوں کی بیماریوں کے لیے اکسیر ہے۔

"گلاب کے پھول پر جمع شبنم کے قطرے یا اس کی قدرتی نمی کو کشید کر کے بعض ایسی دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے جو مختلف امراض میں پیغامِ شفا ثابت ہوتی ہیں"[1]

مختصر یہ کہ سفید عرقِ گُل آب تقویتِ قلب کے لیے ایک فرحت بخش چیز ہے۔

میر انیسؔ کہتے ہیں:-

مفرّحِ جگر و قلب ہے تو قوّتِ روح
ہم اشکِ دیدۂ تر کو گلاب سمجھے ہیں

میر انیسؔ نے "گُل آب" (عرقِ گُل) کے حوالے سے بہت سے محاورے اور تراکیب اور رنگ کے تلازمے اردو ادب و لغت کو دیئے ہیں، مثلاً۔ گلاب پانی پانی ہو جانا، پھول سے گلاب بنانا، شیشے میں گلاب آنا، گلاب کھینچنا، پانی گلاب ہونا، گلاب کا چھڑکاؤ ہونا وغیرہ۔

---

[1] "پھلوں اور پھولوں سے علاج" صفحہ ۱۱۱ حکیم نور محمد چوہان۔ مکتبہ رفیق روزگار لاہور۔

کیا نور ہے رُخِ خلفِ بوتراب پر
ہے یہ عرق کہ عطر کے قطرے گلاب پر

خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک
عرق نہیں گُلِ رخسار پر، گلاب یہ ہے

بچھڑ کا وہ نخا گلاب کا اس سرزمین پر
گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب و تاب
غرقِ عرق تھا شرم کے مارے جہاں گلاب

آئینہ رنگ آئینہ رو کے سامنے
پانی گلاب جسم کی خوشبو کے سامنے

مجلس میں عجب بہارِ چشم تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گُلِ احمر ہے

جو آبرو کی طلب ہے تو کر عرق ریزی
یہ کشمکش ہوئی تب پھول کر گلاب بنا

اٹھائی لذتِ تلخی تنگنائے جہاں
عرق عرق ہوا شیشے میں جب گلاب آیا

پسینہ نہیں پوچھتے رُخ سے حضرت
گلاب گُلِ ارغواں کھینچتے ہیں

عجب نہیں ہے، جو شیشوں میں بھر کے لے جائیں
ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھے ہیں

یہ اشکِ تاک ہی کہتے ہیں جس کو آبِ طرب
یہ خونِ گل ہے، جسے سب گلاب سمجھے ہیں

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑا ے گردوں   یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب بہتا ہے

دریا میں عکس روئے مبارک جو ہے پڑا   ہیں اشکِ گُل حباب تو پانی گلاب ہے

گلاب پاش :۔ ــــــــ (امام باڑہ کی تعریف)

ہیں یہ گلاب پاش کہ فوارہ ہائے نور   شمعیں ہیں دستِ حور میں یا ہے چراغِ طُور

" گلاب پاش صراحی نما ظرف جس میں عرقِ گلاب بھر کے چھڑکتے ہیں عزاخانوں اور امام باڑوں کے علاوہ عام طور سے گلاب پاش کا رواج اب کہیں نہیں ہے ۔

سبیلِ حسینؑ :۔

زم زم کو اس کی چاہ میں ہر دم ہے اضطراب   خوشبو یہ ہے کہ شرم سے پانی ہے یاں گلاب

آئینہ رنگ

صاف ، شفاف اور چمکدار سفید رنگ ۔ لفظ آئینہ کی اصل آہینہ ہے جو آہن اور ہائے نسبتی سے مرکّب ہے ۔ اس کا موجد سکندرِ اعظم کو بنایا جاتا ہے ۔ سکندر نے جب یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی چیز بنانا چاہتا ہوں جس میں ہر چیز کا عکس نظر آئے تو ایک لوہار نے لوہے کے ٹکڑے پر ایسی جلا کی کہ اس میں صورت دکھائی دینے لگی ، چنانچہ صدیوں تک جلا کئے ہوئے لوہے سے وہی کام لیا جاتا رہا جو آج آئینہ سے کام لیا جاتا ہے ۔ جب شیشہ دریافت ہوا تو اس سے آئینہ کا کام لیا جانے لگا اور لوہے کے آئینے کا رواج ختم ہوگیا ۔

میر انیس نے آئینہ کا استعارہ حُسن ، دِل ، حیرانی ، سچائی ، حق ، ایمان ، عکس ، بینائی اور رنگ کے لیئے استعمال کیا ہے ،

میر انیس نے لفظ آئینہ سے بہت سے محاورے اور تراکیب ایجاد کئے ہیں۔
مثلاً آئینۂ دل، آئینۂ رخسار، آئینہ رو، آئینہ رُخ، آئینہ دکھلانا، آئینہ ہونا، دل آئینہ ہونا
آئینہ دیکھنا، آئینے میں چمکنا، آئینہ بنانا، آئینہ بن جانا، آئینہ رنگ وغیرہ۔
میر انیس تلمیح کے طور پر "آئینۂ حلب" اور "آئینۂ سکندر" کی تراکیب سے بھی اشعار
میں خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، آئینہ رنگ میں میر انیس کی رنگ آمیزی قابلِ دید ہے:۔

جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پوشۂ ابرار
دکھلانے لگی آئینہ فتنۂ جگر افگار

خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار
حضرت نے کہا آئینہ ہے حالِ تنِ زار

پر تو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا
میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئینہ ہے میرا

شیشے کو عربی میں "زُجاج" کہتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ شیشہ دُنیا میں تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح سے ہے۔ مصر کے لوگ اُسی زمانے سے اس کے وجود سے واقف تھے، رومی دستکار تقریباً دو ہزار سال قبل شیشہ کو خوبصورت و دلکش بنانے کے لیے اس کی تراش و خراش کیا کرتے تھے۔ اٹلی کے فنی ماہرین نے شیشہ کی صنعت کو کچھ مدت تک راز میں رکھا۔

قرآن میں شیشے کا ذکر موجود ہے:۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (سورۂ نور آیت ۳۵)

"اللہ کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو، اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہے اور شیشہ گویا چمکتا ہوا تارا ہے"۔

"مفسرین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ "مشکوٰۃ" سے مراد حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ کا سینۂ مبارک ہے "مصباح" سے مراد "نورِ علم" ہے۔ "زُجاجۃ" (شیشہ) سے مراد آنحضرتؐ کا علم حضرت علیؑ کے سینہ مبارک میں آیا" "نورٌ علیٰ نور"

یہ "نورِ علم" ایک امام کے بعد دوسرے امام کے سینۂ مبارک میں منتقل ہوتا رہا۔" [1]
امام حسینؑ کا سینہ مبارک بھی مثلِ "آئینہ" کے ہے، میر انیس کا یہ بند قرآن کی آیات کی روشنی میں لاجواب ہے :۔

پیشانی آئینہ رُخِ جاں پرور آئینہ ‏ ‏ ‏ دوش آئینہ ہے سینہ مہ پیکر آئینہ
بر میں دل آئینہ جسدِ انور آئینہ ‏ ‏ ‏ ہر آئینہ سے بہتر و خوشتر ہر آئینہ
بے حد و، بے حساب و شمار آئینے ہیں یاں
چار آئینے کے بدلے ہزار آئینے ہیں یاں

میر انیس نے اس آیت کا ترجمہ ایک مصرع میں بھی کیا ہے :۔
"مرأت نورِ حق قمرِ آسمانِ دیں"

آئینہ کی طرح پاک صاف پیشانی کی مدح میں کہتے ہیں :۔
سر لوحِ مصحفِ رُخِ پرنور ہے حسیں
آئینے کی طرح سے نہ جس میں شکن نہ چیں

حضرت علی اکبرؑ کی جبینِ مبارک کی تعریف میں "آئینہ حلب" اور "آئینہ سکندر" کی تلمیحات بھی موجود ہیں :۔

وہ خود فرقِ پاک پہ وہ چاند سی جبیں ‏ ‏ ‏ پرتو سے جس کے غیرتِ مہتاب سب زمیں
قرآں کی لوح مطلعِ نورِ آفتابِ دیں ‏ ‏ ‏ آئینۂ حلب یدِ بیضا مہ جبیں
اس کو جو اس جبیں کے برابر نہ دیکھتا
پھر اپنے آئینے کو سکندر نہ دیکھتا

امام حسینؑ کے سینۂ مبارک اور گلوئے مبارک کی تعریف
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ ‏ ‏ ‏ اس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا

---

[1] "القرآن المبین" صفحہ ۳۵۹ مولانا سید امداد حسین کاظمی۔ انصاف پریس لاہور۔

آئینہ حلب سے فزوں تر صفا میں ہے | یہ ضو نہ بدر میں ہے نہ شمس الضحیٰ میں ہے

آئینہ کو حیراں کیا گردن کی صفا نے | ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے

حضرت رسولِ خدا کا نور:۔

روشن تھے بام و در رُخِ روشن کے نور سے | آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

حضرت علی اکبرؑ کے رُخسارۂ مبارک:۔

عارض کبھی ہوتے نہیں اس حسن و صفا کے | کیا ایک سے دو آئینے ہیں نورِ خدا کے

آئینہ دنگ آئینہ رو کے سامنے | پانی گلاب جسم کی خوشبو کے سامنے

حضرت علیؑ اکبر کی تلوار:۔

لوہے سے اس کی تیغ کے آئینہ بنے گر | عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سَر

عَلم کا پنجہ:۔

پانی میں یکا یک جو پڑا عکس علم کا | تھا پنجۂ خورشید کہ آئینے میں چمکا

جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو جوان آئینہ زیادہ دیکھے اور بسبب اس خوبصورتی کے جو خدا نے اس کو عطا فرمائی ہے اور اُس میں کوئی عیب پیدا نہیں کیا خدا کی حمد زیادہ کرے تو خداوند عالم اس کے لئے بہشت واجب کرتا ہے۔

حضرت رسولِ خدا آئینہ دیکھتے جاتے تھے اور سرِ مبارک کے بالوں میں اور ریش مقدس میں کنگھا کرتے جاتے تھے، آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ جب

تم آئینہ دیکھو یہ دعا پڑھ لیا کرو اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ وَرِزْقِیْ "یا اللہ جیسے تونے میری صورت خوبصورت بنائی ہے اُسی طرح دین و دُنیا کی ہر چیز میں جو تونے مجھے عطا کی ہیں حُسن عطا کر دے"۔ [1]

حدیث میں یہ بھی ہے کہ آئینہ دیکھنا ثواب ہے اور آئینہ دیکھنے سے عمر بڑھتی ہے۔ چاند دیکھ کر بھی آئینہ دیکھا جاتا ہے۔

میرانیس نے کہا ہے:۔

سب نے مہ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کی چمکدار اور روشن ہتھیلی جسے قرآن نے "ید بیضا" "سفید موتی" کہا ہے، حضرت موسیٰؑ کا وہ ہاتھ جو فرعون کے دربار میں انگارہ اٹھا لینے سے ہتھیلی جل گئی تھی اور ایک قسم کا چھالا پڑ گیا تھا قدرت نے اس ہاتھ کو اور چھالے کو اُن کا معجزہ قرار دے دیا تھا اور اس میں ایسی روشنی عطا کر دی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، قرآن میں "ید بیضا" کا تذکرہ پانچ مقامات پر ہوا ہے:۔

"موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ سفید ہو کر چمکنے لگا" (سورۂ اعراف آیت ۱۰۸)

"موسیٰؑ یہ کسی طرح کی بیماری نہیں ہے بلکہ سفید براق ید بیضا ہے۔ یہ معجزہ ہے"۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۲۲)

"موسیٰؑ نے ہاتھ باہر نکالا تو سب کی نظروں میں وہ ایک سفید موتی کی طرح چمک رہا تھا" (سورۂ شعراء آیت ۳۳)

---

[1] "تہذیب الاسلام" صـ۵۱ اور صـ۵۲ علامہ محمد باقر مجلسی۔ افتخار بکڈپو لاہور

"موسیٰ یہ تو معجزہ ہے یہ بیماری نہیں بلکہ یہ سفید براق ید بیضا ہے"۔ (سورۂ نمل آیت ۱۲)

"بغیر کسی روگ کہ تمہارا ہاتھ سفید یعنی یدِ بیضا نظر آئے گا" (سورۂ قصص آیت ۲۲)

قرآن نے یدِ بیضا کا رنگ سفید بتایا ہے اور سفید موتی سے تشبیہ دی گئی ہے، اہلِ عرب کے یہاں چونکہ سفید رنگ تمام رنگوں میں بہتر خیال کیا جاتا تھا جیسے کہا گیا ہے:-

• اَلبیاضُ افضل وَالسَّوادُ اَهوَلُ وَالحُمرۃُ اَجملُ وَالصُّفرۃُ اَشکلُ

"سفید رنگ افضل ترین اور بہترین رنگ ہے، سیاہ (کالا رنگ) خوفناک ہے، سُرخ رنگ خوبصورت، حسین وجمیل ہے، زرد رنگ مُشتبہ شک وشبہات والا ہے"۔ [1]

قرآن میں بھی سفید رنگ فضیلت کی علامت ہے، "یدِ بیضا" حضرت موسیٰؑ کی فضیلت ہے۔ میرانیس نے پانچ مقامات پر حضرتِ عباسؑ کے عَلَم کے پنجے کو "یدِ بیضا" سے تشبیہ دی ہے:

پنجہ یہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا

پنجے میں ضیائے یدِ بیضا نظر آئی

پرُ نور تھا پنجہ کفِ موسیٰؑ سے ضیا میں

موسیٰؑ نے دھرا ہے یدِ بیضا کو عصا پر

---

[1] مفردات القرآن صفحہ ۱۳۳ امام راغب اصفہانی۔ اسلامی اکادمی اُردو بازار لاہور

پنجے سے تجلی یدِ بیضا کی عیاں ہے

"ید بیضا" سے سفید دودھیا اور پھیلتا تھا۔ نور میں آفتاب والی حدت نہیں ہوتی کچھ کچھ چاندنی سے مشابہ ہوتا ہے اور ہلکا ہلکا سنہرا پن جھلکتا ہے۔ اُردو میں اسے گنگا جمنی رنگ کہہ سکتے ہیں۔ پیغمبروں اور ائمہ طاہرین کے جسم سے جو نور ساطع ہوتا تھا اُس کی کیفیت بھی یہی تھی جس کا ذکر قرآن نے متعدد آیات میں کیا ہے۔

میر انیس نے حضرت علیؑ کے پائے مبارک کی مدح میں کہا ہے :۔

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا ء پائی
وہ نور حضرت موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

"دستیاب" کہہ کر "ید بیضا" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میر انیس کہتے ہیں، اللہ اپنی قدرت سے جسے چاہے "ید بیضا" عطا کر سکتا ہے :۔

"جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کر دے"

لیکن ہر ہاتھ "ید بیضا" نہیں ہو سکتا :۔

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

حضرت عباسؑ کی پیشانی پر سجدے کا نشان یدِ بیضا کی طرح تھا :۔

کثرت یہ نہ ہو گی یدِ بیضا میں ضیا کی
خورشید یہ اختر ہے یہ قدرت ہے خدا کی

حضرت قاسمؑ کے ہاتھ میں کنگنا "یدِ بیضا" کی مانند تھا :۔

حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں

پتے تمام آئینہ نور ہو گئے   صحرا کے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

دُرِ نجف

یہ نگینہ سفید رنگ کا بلوری چمکدار ہوتا ہے۔ نجف اشرف میں پایا جاتا ہے، صرف اسی زمین کو اِس دُر بے بہا کے لیے افضلیت و شرف حاصل ہے۔ اس کی عظمت میں سے اور کوئی نگینہ اس کے ہم رتبہ نہیں ہے۔ نواحِ نجف میں ایک پاکیزہ مقام "وادی السلام" بھی ہے جہاں بہت سے پیغمبروں کی قبریں ہیں یہاں کی خاک میں زائرین دُرِ نجف تلاش کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی قبرِ مبارک کے اطراف میں یہ نگینے پائے جاتے ہیں۔

زیرِ زمین بہت دستیاب ہوتا ہے، حدیث کے مطابق دُرِ نجف کو دیکھ کر مسرت حاصل ہوتی ہے، ہر شخص کے لیے فائدہ مند ہے، دردِ سر کو دُور کرتا ہے، اس کی انگوٹھی پہننا ثواب ہے۔ دُرِ نجف کے بارے میں اہلِ طریقت کہتے ہیں کہ یہ نگینہ اللہ نے حضرت علیؑ کو عطا فرمایا تھا۔ نجف کی زمین پر جب آبِ نیساں برستا ہے تو زمین میں یہ نگینہ پیدا ہوتا ہے نہایت آب دار، شفاف، سفید چمکدار نگینہ ہے اور حضرت علیؑ سے منسوب ہونے کے سبب سے شعرا اور خصوصاً مرثیہ نگار شعرا کی پسندیدہ تشبیہ اور پسندیدہ استعارہ ہے۔ اور کبھی فرزند کو بھی اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بہت سے نگینوں میں بہت سے باریک سیاہ بال ہوتے ہیں جسے "موئے دُرِ نجف" کہتے ہیں۔

یہ نگینہ چونکہ متبرک ہے اس لیے مجازاً اولادِ علیؑ و فاطمہؑ کو، نجیب الطرفین سید کو دُرِ نجف بھی کہتے ہیں۔ میر انیس نے حضرت عباسؑ کے لیے یہ تشبیہ استعمال کی ہے:

عباسؑ علی گوہرِ دریائے شرف ہے
سو لعل نہ پہونچیں جسے وہ دُرِ نجف ہے

عباسِ علی شیرِ نیستانِ نجف ہے — تابندہ دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ غنفرِ بیابانِ نجف ہے — آئینہ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے

طفلی سے اُسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہؑ اس پہ فدا تھے وہ شہؑ دیں پہ فدا تھا

کس باپ نے آفاق میں پایا خلف ایسا — خاتم پہ جہاں کے نہیں دُرِّ نجف ایسا

دیکھا نہیں جہاں میں شبیر اس جمال کا — دُرِّ نجف ہے فاطمہؑ زہرا کے لال کا

حضرت عباسؑ کی آنکھیں:۔ ...... "حدید اور دُرِّ نجف"...... "سیاہ اور سفید"
سادہ نگیں حدید کا دُرِ نجف میں ہے — پُتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہے

امام حسینؑ کے دندانِ مبارک:۔
جب مُسکرا کے گوہر یکتا دکھاتے ہیں — سُمرن دُرِّ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

حضرت عونؑ و محمدؑ:۔
خود وادی السّلام جو چھانے نجف کی خاک — ایسے کبھی ملیں نہ گہر ہائے صاف و پاک

سرزمین کربلا اور دُرِّ نجف:۔
اور سنگریزے دُرِّ نجف بن گئے تمام — صحرا کو مل گیا شرفِ وادیٔ السلام

حُرؑ کو حسینؑ مل گئے:۔
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف — جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا دُرِّ نجف

زمین کربلا:۔
خورشید دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے — روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِّ نجف ملے

امام حسینؑ کے اصحابِ انصار:۔
تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو؟ — دُرِّ نجف تھے وہ، جو ملے تھے امام کو

فن کی ناقدری :-

"کھو دیتے ہیں شیشے کے لیئے دُرِ نجف کو"

دُرِ نجف کی عظمت :-

کیا فیضِ علیؑ کے قدمِ پاک سے ہے
روضے کی زمیں بلند آفاق سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِ نجف قطرۂ آب
پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی
مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی
ملتا ہے قدم قدم پر دُرِ مقصود
چھانے تو نجف کی خاک چھانے کوئی

میرانیس کے موتی

موتی کو فارسی میں "مروارید"، عربی میں "لولو"، اُردو میں "گوہرِ نایاب" "دُرِ شہوار"، "گہرِ آبدار" کہتے ہیں۔ سچے موتی صدف میں ہوتے ہیں، صدف کو اُردو میں سیپ بھی کہتے ہیں جو سمندر سے نکلتی ہے۔ عام طور سے ایک صدف میں سے چودہ سے لے کر ڈیڑھ سو موتی نکلتے ہیں۔ انتہائی خوبصورت سفید چمک دار موتی کو "دُرِ خوشاب" کہتے ہیں۔ سب سے اُوپر جو موتی سڈول اور بالکل گول ہوتا ہے اُسے "دُرِ شہوار" اور "دُرِ غلطاں" کہتے ہیں۔ باقی موتی نیچے کے چھلکے میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ عام موتی لمبوترے، صراحی دار، گنبد نما یا چپٹے ہوتے ہیں۔ سچا موتی سفید صاف ہموار چمکدار اور گول ہوتا ہے، اُردو مرثیے میں گوہرِ نایاب، گہرِ آبدار، دُر، مروارید اور لولو کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

انسان چھ ہزار سال سے اپنی زیبائش کے لیئے موتی استعمال کر رہا ہے۔ موتیوں کی تلاش میں غوطہ خوری کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے۔ اس کی عزت اور قدر زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ غوطہ خوری کو میرانیس "غواصی" اور غوطہ خور کو "غوّاص" کہتے ہیں :-

غواص طبیعت کو عطا کر دہ لآلی — ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی — عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی

سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ ہے نبی سے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مرجان کے ساتھ موتی کو اپنی خاص نعمتوں میں شمار کیا ہے موتی جنت کی نعمت ہے اور امام حسن علیہ السلام سے منسوب ہے :۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

______ (سورۂ رحمان آیت ۲۲)

" دونوں سمندروں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے "

اس کے علاوہ قرآن کی تین اور آیتیں موتی کے سلسلے میں موجود ہیں :۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ (طور)

" وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی "

وَحُورٌ عِينٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (سورۂ واقعہ آیت ۲۳)

" اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں، جیسے کہ چھپا کر رکھے ہوئے موتی "

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا (سورۂ دہر آیت ۱۹)

" جب تم انہیں دیکھو گے وہ موتی جیسے معلوم ہوں گے "

قرآن نے موتی کو تشبیہ اور استعارے کے لیے استعمال کیا ہے، موتی وہ شے ہے جسے چھپا کر رکھا جاتا ہے لیکن اگر موتی ظاہر ہو جائے تو اُن کی طلعت و تنویر آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

موتی کی تخلیق صدف کے جسم میں اس طرح ہوتی ہے کہ جب اُس کے جسم میں کوئی کیڑا یا سنگریزہ چلا جاتا ہے تو وہ صدف کے کلیجے میں چبھنے لگتا ہے، صدف اپنے منہ سے اُس وقت ایک لعاب نکالتی ہے جو اس کیڑے یا سنگریزے کے گرد لپٹنا شروع ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے وہ لپٹتا جاتا ہے وہ موتی بنتا جاتا ہے، چونکہ کیڑے اور سنگریزے

چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اس لیئے موتی بھی مختلف حجم کے آڑے ترچھے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں"
لیکن تمام موتیوں کے اُوپر جو سب سے بڑا موتی ہوتا ہے اُسے شاہ موتی یعنی "دُرِ شہوار" یا
"گوہرِ شہوار" کہتے ہیں، یہ صرف ایک صدف میں ایک ہی ہوتا ہے یہ سب سے قیمتی سفید
رنگ کا آبدار مثلِ دودھ کے ہوتا ہے۔ میر انیسؔ کے پاس ہر طرح کے موتی ہیں وہ اپنے
آپ کو جوہری کہتے ہیں، اپنی فکر کو "غواصِ طبیعت" کہتے ہیں اور زیادہ تر "دُرِ شہوار" سے
اپنی شاعری کو سجاتے ہیں:-

نظم ہے یا گوہرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوھری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

"ارسطو کا کہنا ہے کہ موتی کا استعمال کرنے والے کی شادی کامیاب رہتی ہے اور زندگی
خوشگوار بسر ہوتی ہے" موتی مزاج میں پارسائی پیدا کرتا ہے، صبر و استقلال کی علامت
ہے، جسم کو قوت دیتا ہے، وہم و خفقان کو دفع کرتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے دُلھن کی نتھ میں
ایک سُرخ یاقوت کی چُنّی اور اِدھر اُدھر دو سچے موتی ضرور ہوتے ہیں، نتھ اور یہ سچے موتی
سہاگ کی علامت ہیں، دُلھن کے ٹیکے کا سہارا جو مانگ میں سجایا جاتا ہے وہ پوری لڑی بھی
سچے موتیوں کی ہوتی ہے گویا دُلھن کی مانگ سچے موتیوں سے بھری جاتی ہے،

میر انیسؔ کہتے ہیں "ذوالفقار" کی مدح میں:-

"جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی"

احادیث سے ثابت ہے کہ غمِ حسینؑ میں آنکھ سے گرنے والے آنسو قیامت کے
دِن پروردگارِ عالم موتیوں میں تبدیل کر دے گا۔ میر انیسؔ نے اس حدیث کو اکثر نظم کیا ہے:-

جوشِ غمِ شبیرؑ سے دل دریا ہے
آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

دُنیا کی جو شے نظروں سے گر جائے وہ ذلیل ہو جاتی ہے، آنسو وہ واحد "موتی" ہیں
جو آنکھ سے گرنے کے بعد قیمتی ہو جاتے ہیں:-

لہ "موتی کیسے بنتے ہیں" ماہنامہ نیا دور مارچ ۱۹۷۹ء، ص۹ سید مصطفےٰ حسن رضوی لکھنؤ

آنکھوں سے لگا کے اِن کو کہتے ہیں ملک
گوھر نہیں نورِ چشمِ کوثر ہیں یہ اشک

امام بخاری تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ، حضرت رسولِ خداؐ کے پاس تشریف فرما تھے کہ حضرت خدیجہؑ تشریف لائیں تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ حضرت خدیجہؑ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت سُنا دیجئے جو موتی کا ہوگا۔

شبِ معراج حضرت رسولِ خداؐ نے سفید موتیوں سے بنا ہوا قصرِ خدیجہؑ ملاحظہ فرمایا۔ حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ امام حسینؑ کے عزاداروں کے قصر بھی سفید موتیوں اور زبرجد دیاقوت کے ہوں گے۔ میرانیسؔ نے تعزیہ داروں کے سفید موتیوں کے قصر کا تذکرہ بھی کیا ہے:۔

جنّات عدن و گلشن فردوس روئے حور
وہ گوھر و زبرجد و یاقوت کے قصور

یہاں میرانیسؔ نے "روئے حور" کا تذکرہ بھی "سفید رنگ" کے ذیل میں کیا ہے۔ قرآن میں حور کے ملیے بھی "سفید رنگ" کا استعمال ہوا ہے ہلکے ہلکے نرگسی رنگ کے ساتھ:۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (سورہ صافات آیت ۴۹)

"اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں اس طرح ہوں گی گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے سفید موتی ہیں، جن کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی زردی جھلکتی ہوگی"

ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی موتی کا بہت ذکر ہے، عہدِ قدیم میں دیوتاؤں پر موتی چڑھانا بہت ثواب خیال کیا جاتا تھا۔ ستیا جی کی شادی کے موقع پر ان کے کان اور ناک میں اعلیٰ قسم کے موتیوں سے جڑے ہوئے زیور استعمال کئے گئے تھے۔ دُنیا کے سب سے عمدہ اور قیمتی موتی شاہی زمانے میں نواب ملکہ جہاں زوجۂ محمد علی شاہ بادشاہِ اودھ ہندوستان کے خزانے میں تھے۔ عہدِ قدیم سے اودھ کی تاریخ تک سچے اور سفید موتیوں کی شہرت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ

میر انیس کی شاعری میں یہ موتی بکھرے پڑے ہیں:۔

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو

اس مدح میں صلے کے جو ملنے کا ہے خیال
بھر دے گا موتیوں سے دہن فاطمہؑ کا لال

امام حسینؑ کی سوانح حیات میں تحریر ہے کہ جب حضرت علی اکبرؑ کمسن تھے ایک معلّم نے آپ کی رسم بسم اللہ کے موقع پر حضرت علی اکبرؑ سے جب بسم اللہ کہلوایا تو امام حسینؑ نے اس معلّم کے منہ کو سچے موتیوں سے بھر دیا تھا۔ عرب میں موتیوں سے منہ بھرا جاتا تھا یہ رسم اودھ خصوصاً لکھنؤ میں عرب سے آئی تھی، میر مونس نے جب یہ مرثیہ پڑھا۔

"مجلس افروز ہے مذکورِ وفاداریٔ حرؑ" تو ایک رئیس نے میر مونس کا منہ سچے موتیوں سے بھر دیا تھا۔ میر انیس نے موتیوں سے منہ بھرنے کا تذکرہ اکثر مقامات پر کیا ہے:۔

صد شکر کہ تو ناظمِ اقلیمِ سخن ہے
ہاں موتیوں سے بھرنے کے قابل یہ دہن ہے

قدیم دور سے اب تک موتیوں کی تجارت میں کبھی کمی نہیں آئی، اپنے سفرِ حج کے دوران میں نے خانہ کعبہ میں صفا اور مروہ کے قریب بازار میں سچے موتیوں کی دکانیں دیکھی ہیں جہاں نایاب ترین سفید چمکدار موتی خاصی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔ عہدِ قدیم میں تاوان اور خراج کے طور پر موتی وصول کئے جاتے تھے، مرد کے لئے موتی کی انگوٹھی مسرت و خوشی پیدا کرتی ہے۔ عورتوں کے لئے سچے موتیوں کا استعمال ہمیشہ سے مبارک سمجھا گیا ہے، سچا موتی طہارت اور عصمت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور سحر کے اثرات کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے گلے میں سچے موتیوں کا گلوبند تھا جس میں سات قیمتی اور سچے موتی تھے، یہ گلوبند جنابِ خدیجہؑ کی نشانی تھا جو حضرت فاطمہ زہراؑ کو جہیز میں ملا تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک سائل کو خیرات کر دیا تھا لیکن عمّار یاسر نے اُسے سائل سے خرید کر

حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں دوبارہ پیش کردیا، حضرت رسولِ خدا نے گلوبند حضرت فاطمہ زہرا کو واپس کردیا، ایک مرتبہ حضرت فاطمہ زہرا نے دونوں شہزادوں امام حسن اور امام حسین کی "خوش خط" تختی دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا ہم تم دونوں کو انعام دیتے ہیں یہ کہہ کر اپنے گلوبند کو توڑ دیا کہ اپنے اپنے حصّے کے موتی اُٹھالو، تین موتی امام حسن اور تین موتی امام حسین کے حصّے میں آئے ساتواں موتی بچا تھا کہ حضرت جبرئیل امیں نے اُس کے دو حصّے کردیئے آدھا امام حسن کے حصّے میں آیا اور آدھا امام حسین نے اُٹھالیا۔ میر انیس کہتے ہیں :-

آنکھوں میں اشک بھر کے جو سر کو فرد کیا
روح الامیں نے آن کے موتی کو دو کیا

حضرت امام حسین کے پاس یہ موتی ۶۱ھ تک محفوظ رہے کہ اُن کے ماں کی نشانی تھے، آپ نے ان موتیوں کے گوشوارے بنوائے تھے جو آپ نے اپنی بیٹی حضرت سکینہ کے کان میں اپنے ہاتھ سے پہنائے تھے۔ یہ موتی کے گوشوارے کربلا میں عاشور کی شام کو شمر نے کھینچ کر چھین لئے تھے جس کی وجہ سے حضرت سکینہ کے کان زخمی ہوگئے تھے :-

کہتی تھی بالی سکینہ کہ بچاؤ بابا
بدگہر چھیننے لئے جاتا ہے گوہر میرا

میر انیس نے سفید موتیوں کو تشبیہ، استعارے، علامت، بول چال اور محاورے میں جگہ جگہ اس خوبصورتی سے نظم کیا ہے کہ یہ سچے موتی انہیں کیلئے مخصوص ہوکر رہ گئے ہیں، وہ مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ اپنی شاعری میں آب دار موتیوں کی دوکان سجا دیتے ہیں :-

"موتی ایسا پانی، موتی ایسے دانت، اشکوں کے موتی، گوہر اشک، موتی اُگلنا موتی برسنا، موتی برسانا، موتی لٹانا، گہر بخشنا، موتی پرونا، موتی کی آبرو، موتی کی لڑی موتی کی آب، موتیوں سے مانگ بھرنا، موتیوں سے منہ بھرنا، موتیوں میں تولنا، موتیوں کے دانت، گوہر شہوار، گہر فشاں ہونا، گہر ہائے آبدار، دُر افشانی، دُرِ ثمیں، لآلی

دُرریزی، دُرمقصود، دُرِ یکتا، موتی کے کلیجے میں چھید، موتی کے تلازموں میں سمندر، قطرۂ نیساں، آبِ نیساں، بحر، غوّاصی، غوّاص، کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار　　ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسانہ خریدار　　ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار　　بہتر ہے موتیوں سے تری نظم آب دار

صدفِ طبع سے گوہر تو اُگلتا ہے انیس　　قدرداں ہوتا تو مُنہ موتیوں سے بھر دیتا

ہے سلکِ گہر یہ رشتۂ نظم　　کیا کیا موتی پرو رہے ہیں

دُر اور صدف :۔

دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو

دُر افشانی کرنا :۔

وہ نورِ قمر اور دُر افشانئ انجم

دُرِ ثمیں (قیمتی موتی) :۔

دریائے شرافت کے وہ سب دُرِ ثمیں ہیں

یاں اشک کا دانہ ہے تو واں دُرِ ثمیں ہے

موتی کیسے بنتے ہیں:- ؟

ذرّوں کو صدف کے دریا ابھی کر دے

گوہرِ یکتا:۔

ہے اشک ہر اک گوہرِ یکتا کے برابر

موتی برسنا:۔

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

گُہر فشاں ہونا:۔

گہر فشاں ہوئے لعل لبِ رسُولِؐ کریم

گہر ہائے آبدار:۔

پھُولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار

تلوار کے بیٹے کہتے ہیں:۔

جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول

حضرت علی اکبرؑ کے دندانِ مبارک:

ان موتیوں سے عشق ہے زھرّا کے لال کو

اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

حضرت علی اکبرؑ کی گفتگو :۔

تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

حضرت امام حسینؑ کے دندانِ مبارک :۔

گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں

خالق نے موتیوں سے بھرا ہے دہانِ حُسن

موتی بھرے ہیں منھ میں شہ بے نظیر کے

وصفِ دنداں میں زباں جس کی رہے گوھر بار
موتیوں سے دہن اس شخص کا بھر دے غفار

خالق نے سنوارا جنھیں خود دستِ کرم سے
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگِ ستم سے

حضرت امام حسینؑ کے چہرے کا پسینہ :۔

موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

حضرت عونؑ و محمدؑ کے چہرے کا پسینہ :۔

چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر

چہروں پہ صفا کہ خجل موتیوں کی آب

حضرت عباس کے دندانِ مبارک:۔

خورشیدِ رُخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ھیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے

ٹھہرا جو نہ وہ لائقِ تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

ذوالفقار کے جوہر کے لئے:۔

جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی

شبنم کے قطروں کے لئے:۔

تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

حضرت علی اکبرؑ جیسے فرزند کے لئے:۔

موتی بھی لُٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

امام حسینؑ حضرت علی اکبرؑ کی تلاش میں ہیں:۔

کبھی نہر سے یوں مخاطب ہوئے
کہ تجھ میں تو موتی ہمارا نہیں

بڑھاپے کی سفیدی

"بادام کے پھول سفیدی مائل ہوتے ہیں انجیل میں بڑھاپے میں سر کے

بالوں کے سفید ہونے کی تشبیہ بادام کے پھولوں سے دی گئی ہے"۔ [1]

"عربی میں بڑھاپے میں سر کے سفید ہونے کو" شَیب" کہتے ہیں۔ "شَیبَۃ" بالوں کا سفید ہونا۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ تین جگہ آیا ہے"۔ [2]

حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا:-

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا (سورۂ مریم آیت ۴)

"اے میرے پروردگار! بڑھاپے سے میرا سر سفید ہو گیا"۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اعلان کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

ضُعْفًا وَّشَیْبَۃً ط (سورہ روم آیت ۵۴)

"اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لیے بڑھاپا قرار دیا اور سر کے بالوں کو سفید کر دیا"

تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ قیامت کا دن اتنا سخت ہوگا کہ بچوں کے سر کے بال بھی سفید ہو جائیں گے"۔

حضرت عبد المطلب جب پیدا ہوئے اُن کے سر میں ایک سفید بال چمک رہا تھا تو اُن کی والدہ حضرت سلمیٰ نے اُن کا نام "شیبہ" رکھ دیا "سفید سر والے"۔ پھر آپ کا لقب "شیبۃُ الحمد" مشہور ہو گیا۔

میر انیس نے بھی سفیدی کو بڑھاپے کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے کیوں کہ بڑھاپے کے ساتھ ساتھ بال سفید ہونے لگتے ہیں اور سفیدی آنے کو بڑھاپا آنے کے ایک محاورے کی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میر انیس نے کربلا کے مجاہدوں میں صرف حضرت حبیب ابن مظاہر کی ریش اور سر کی سفید زلفوں کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت حبیب ابن مظاہر کی سفید ریش کی تشبیہ "مہِ نو" سے دی ہے:-

وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رُخِ تاباں
آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں

---

[1] قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل) صفحہ ۱۴۱ مؤلف: ایف ایس خیر اللہ۔ مسیحی اشاعت خانہ۔ لاہور
[2] لغات القرآن صفحہ ۳۰ تالیف محمد عبد الرشید نعمانی۔ دار الاشاعت اُردو بازار۔ کراچی۔

میر انیس نے "بڑھاپے کی سفیدی" سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انہیں اس ذکر میں اخلاقی درس دینے کا موقع بھی مل گیا ہے، اپنے شاعرانہ کمالات کے ساتھ ساتھ وہ سفیدی کو سیاہی سے (Contrast) کرتے ہیں:۔

٭ سب ریش سفید ہو گئی آہ انیس — پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گئی

پیدا ہے سپیدئ سحر پیری کی — لے خواب سے چونک رات آخر ہے اب

نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید — بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

ہلتا ہے جو سر، تو کہتے ہیں موئے سفید — راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا ہے

زوالِ طاقت و موئے سفید و ضعفِ بصر — انہیں سے پلئے بشر موت کے قرینوں کو

پیامِ مرگ ہے موئے سفید اے غافل — کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

دلا حجاب کر اب تو سیاہ کاری سے — سفید بال ہوئے، موسمِ خضاب آیا

بڑھاپے کے بعد موت ہے اور آخرت کا لباس کفن بھی سفید ہے۔ میر انیس نے سفید لباس کا تذکرہ بھی کیا ہے:۔

کپڑے سفید پہنے جو قاسمؑ نے، بولی ماں
اتنی بھی سادگی، نئے دولھا نہ چاہیئے

٭ یہ شعر ثبوت ہے کہ میر انیس داڑھی رکھتے تھے۔

میر انیس کے دل میں ذکرِ کربلا نے اتنا سوز و گداز بھر دیا تھا کہ وہ جب کفن کا ذکر کرتے ہیں اور سفید لباسِ آخرت تصور میں آتا ہے تو کفن بھی اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔

نازاں نہ ہو، رخت نو پہن کر غافل — اک روز یہی جسم کفن میں ہو گا

لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس — جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

"مشک" (سیاہ) "کافور" (سفید)، یہاں (Contrast.) کے ساتھ ہی ساتھ "کافور" سے جو کفن کا رشتہ ہے اُسے بھی ظاہر کیا ہے۔

مکان پر سفید چونا پھیرنا

ہندوستان و پاکستان میں یہ رسم اب بھی موجود ہے کہ محرم کے استقبال میں مکانوں پر سفید چونا پھروایا جاتا ہے۔ سفید رنگ سے مکان روشن اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے اب مکانوں پر پھیروانے کے نئے نئے رنگ ایجاد ہو گئے ہیں لیکن جو رونق سفید رنگ میں ہے وہ کسی رنگ میں نہیں ہے۔

لاہور کا مشہور امام باڑہ "خیمۂ سادات" موج دریا روڈ پر عرصۂ پچاس برس سے زرد رنگ کا تھا، میں وہاں تقریباً پانچ چھ برس سے محرم میں مجالس پڑھ رہا ہوں، میں نے سفید رنگ سے پورا امام باڑہ پوتنے کا مشورہ دیا۔ سفیدی سے ایک طرح کی روشنی اور رونق میں اضافہ ہو گیا۔ پورے لاہور کو ہمارا یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ اکثریت کو مکان کے کمروں میں سفید رنگ پسند ہے۔ جو لوگ، نارنجی، زرد، گلابی رنگ کرواتے ہیں اُنہیں عام طور سے گنوار سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ کے صدر کی رہائش گاہ بھی سفید ہے جسے "وہائٹ ہاؤس" سفید مکان کہتے ہیں، لکھنؤ کے زیادہ تر امام باڑوں پر سفید رنگ پھیرا گیا ہے۔ میر انیس کے دادا میر حسن کے عہد میں بھی مکانوں پر سفید رنگ ہوتا تھا:۔

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سفیدی پہ جن کی نہ ٹھہرے نظر

غالب نے بھی "سفیدی پھرنے" کا ذکر کیا ہے :-

نہ چھوڑی حضرت یوسفؑ نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوبؑ کی پھرتی ہے زنداں پر

قرآن مجید نے حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی سفیدی کا تذکرہ غم و اندوہ اور حُزن کے معنی میں کیا ہے۔ اس مقام پر سفید رنگ غم و حُزن اور صبر کی علامت قرار پاتا ہے، کیا عجب اسی لیے محرم میں امام باڑے سفید رنگ کے رکھے جاتے ہوں۔

يَآسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔

(سُورۂ یُوسف آیت ۸۴)

"یعقوبؑ نے کہا ہائے میرے یُوسفؑ! اور غم و اندوہ کی وجہ سے یعقوبؑ کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں، یعقوبؑ تو غصّے کو ضبط کرنے والوں میں تھے"۔

میر انیسؔ نے آنکھوں کی سفیدی سے امام باڑے کی سفیدی کا کنایہ کیا ہے، اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے :-

"جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید"

میر انیسؔ نے شہر کے امام باڑوں کی سفیدی اور عزاداروں کے سیاہ لباس اور سفید رنگ کے نور سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ خوبصورت بند تصنیف کیا ہے :-

ہے شہر مثلِ نورِ سحر سر بسر سفید — بام و ستون و خانۂ دیوار و در سفید
جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید — مردم سیاہ پوش ہیں سب، اور گھر سفید
روشن ہو کیوں نہ تعزیہ خانہ حسینؑ کا
سب نور ہے یہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا

"نُورِ عین" آنکھوں کو نور کہہ کر تیسرے اور چوتھے مصرعے سے مناسبت پیدا کی گئی ہے۔

سفید لہو

اردو میں لہو سفید ہو جانے کا محاورہ اچھے معنوں میں نہیں استعمال ہوتا، خون کی

سفیدی معیوب ہے، گویا خون میں سُرخی باقی نہیں رہی جو انسان کو حق کی حمایت پر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کر سکے، میرانیسؔ نے "سفید لہو ہونے" کا محاورہ اس طرح استعمال کیا ہے کہ حضرت عباسؑ کو یہ منظور نہیں کہ حق کی حمایت کرنے والوں پر یہ الزام آئے کہ اُن کا خون سفید ہو گیا ہے، حضرت عباس فرماتے ہیں:۔

ماراگیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دُنیا کا ہے غضب

بیوہ کا سفید لباس

حضرت مریمؑ نے تا حیات سفید لباس استعمال کیا۔ چونکہ اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی اور شوہر نہیں تھا۔ سفید رنگ کو پاکیزگی اور بزرگی کی علامت سمجھا جاتا تھا انجیل میں ہے:۔

"سفید رنگ پاکیزگی کی علامت تھا"

(یوحنا ۲۰: ۱۲ مکاشفہ ۴: ۴)

"حضرت مریمؑ نے دو فرشتوں کو پوشاک پہنے ہوئے دیکھا"۔۔۔۔ یوحنا ۲۰: ۱۲)

"ان تختوں پر چوبیس بزرگ سفید پوشاک پہنے ہوئے بیٹھے ہیں"۔ (مکاشفہ ۴: ۴)

عرب میں بھی سوگ کے موقع پر سفید لباس پہنا جاتا تھا اور سفید لباس بیوہ کے لئے مخصوص تھا ورنہ عرب میں غم کا لباس سیاہ تھا۔ بیوہ چونکہ رنگینی اور عیش و عشرت کے لباس سے بیزار ہو جاتی تھی اس لئے سفید لباس کو پسند کرتی تھی جس میں سادگی ہو اور احتیاطِ زندگی بھی ہو۔

اسلام نے عرب کی ان قدیم تہذیبی رسموں کو ختم نہیں کیا چونکہ ان رسموں میں اخلاقیات کے جزئیات شامل تھے اس لئے غم کا سیاہ رنگ اور بیوہ کے سفید لباس کو برقرار رکھا گیا۔

اسلام نے بہت سی اچھی رسموں کو جو زمانۂ قدیم سے چلی آ رہی تھیں اُنہیں دین میں شامل کر لیا، "عقدِ بیوگان" بھی ایک پرانی رسم تھی، حضرت نوحؑ پہلے پیغمبر ہیں جنھوں نے ایک

ایک بیوہ عورت سے عقد کیا تھا، اس عورت کے پہلے شوہر کا ایک بیٹا کنعان موجود تھا۔ حضرت نوحؑ کی یہ بیوی اور سوتیلا بیٹا دونوں نافرمان نکلے۔ قرآن نے دونوں کی مذمت کی ہے۔ "عقدِ بیوگان" کی رسم کی تجدید حضرت عبدالمطلب نے کی جو حضور اکرمؐ کے دادا اور عرب کے مشہور سردار ہیں انہوں نے دو بیوہ عورتوں سے شادی کی اور دونوں کے پہلے شوہروں سے فرزند موجود تھے۔ عباس کی والدہ سے عقد کیا اور ابولہب کی ماں سے عقد کیا، یہ دونوں حضرت عبدالمطلب کے سوتیلے بیٹے تھے۔ غرض "عقدِ بیوگان" کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں شامل کر لیا۔ لیکن واجب نہیں قرار دیا اور نہ جبر وزبردستی کو جائز سمجھا گیا۔ بیوہ کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ چاہے تو عقدِ ثانی کر سکتی ہے۔

حضور اکرم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں اور پورے خاندان میں یہ رسم تھی کہ بیوہ کا عقدِ ثانی نہیں ہوتا تھا۔" آنحضرتؐ سے چودہ پشت اوپر آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت الیاس ابن مضر جن کا لقب سید العشیرۃ تھا یہ مصلح عرب تھے۔ اُن کی زوجہ لیلیٰ بنتِ علوان قضاعیہ یمنیہ تھیں۔ جب حضرت الیاس کا انتقال ہو گیا تو زوجہ نے شوہر کی محبت میں اُن کی قبر کے کنارے بیٹھ کر ہی بقیہ زندگی گذار دی اور وہیں پر انتقال کیا[1]

بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی بیوہ خواتین نے عقدِ ثانی نہیں کیا تھا اس لئے آنحضرتؐ نے ان کے لئے اوقاف مقرر کئے تھے جس کی نگرانی حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی تھیں۔ حضرت ابوطالبؑ کی بیٹی اُمِّ ہانی فتح مکہ کے وقت بیوہ ہو چکی تھیں، آنحضرتؐ جب اُن کے گھر گئے تو اُنہیں شادی کا پیغام دیا۔ اُمِّ ہانی نے انکار کر دیا کہ میں آپ سے نکاح نہیں کروں گی۔

تاریخ اسلام کی مشہور کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے:۔

"اُمِّ ہانی کو رسول اللہؐ نے پیغامِ نکاح بھیجا، انہوں نے کہا قسم بخدا آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ شوہر کا حق عظیم ہوتا ہے اور میں تو بے باپ کے بچوں والی ہوں حقِ شوہر ادا کروں تو ان یتیموں کی جان ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اگر بچوں کی دیکھ بھال کروں تو اُن کے حقِ خدمت میں کوتاہی ہوگی۔ اُمِّ ہانی کا یہ عذر آنحضرتؐ نے

---

[1] معارج العرفان ص۹۹ پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری۔ مکتبہ لطیف سرگودھا۔

قبول فرماتے ہوئے قریشی خواتین کی توصیف کی اور فرمایا کہ اپنی اولاد کی صغر سنی میں ان کی پرورش و تربیت اپنے اوپر تکلیفیں اٹھا کر کرتی ہیں اور اپنے خاوندوں کی وفادار خدمت گذار رہتی ہیں"
(بحوالہ العقد الفرید جلد ۳ صلا۱، طبقات ابن سعد جلد ۸ صـ۱۵۲، و الاصابہ جلد ۳ صـ۵۰۳ تا ریخ طبری جلد ۳، صـ۵۲، البدایہ والنہایہ جلد ۵ صـ۳۰، تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صـ۱۵)

میر انیسؔ کے بعض ناقدین کا مندرجہ ذیل بیان آپ نے اکثر پڑھا ہوگا:۔

" بکا کا تاثر پیدا کرنے کے لیئے میر انیسؔ نے جگہ جگہ رنڈ سالہ کا ذکر کیا ہے۔ رنڈ سالہ کا تصور خالص ہندوستانی تصور ہے۔ اسلام میں بیوگی کوئی عیب نہیں۔ اسلام میں عقدِ بیوگان کی اجازت دی گئی ہے۔ ہندو کلچر کے اثر سے مسلمانوں نے اس رسم کو بھی منسوب کر دیا حالانکہ اہلبیت نبویؐ میں رنڈ سالہ جیسی کسی شے کے پائے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں رنڈ سالہ کا، رنڈ سالہ نبھانے کا، رنڈ سالہ کے سامان کا اس قدر تکرار و تواتر کے ساتھ ذکر آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ رسم مسلمانوں کی اپنی رسم ہے۔ پھر رنڈ سالہ کے تمام لوازم کی پابندی بھی ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، رنڈ سالہ پہنانے کی رسم کے معنی یہ تھے کہ بیوہ کی ناک کی نتھ جو سہاگ کی علامت ہے وہ اتروا دی جائے، بیوہ کے سہاگ کے کپڑے اتروا کر سادے کپڑے پہنا دیئے جائیں اور سفید چادر اڑھا دی جائے۔"[۱]

میر انیسؔ نے حضرت فاطمہ کبریٰؑ کی بیوگی، رنڈ سالہ (بیوہ کے لیئے سفید لباس) کا دو یا تین مرثیوں میں مختصر سا ذکر کیا ہے۔ اس تنقیدی بیان میں عقدِ بیوگان کا کیا محل ہے، کربلا کے واقعہ سے عقدِ بیوگان کا کیا ربط بنتا نظر آتا ہے؟

"تاریخ اسلام" سے ناواقفیت ہمارے ناقدین کی سب سے بڑی کمزوری ہے،
بنی ھاشم میں "عقدِ بیوگان" نہیں ہوتا تھا، کسی بیوہ کو دوسرے خاندان سے بیاہ کر بنی ھاشم کے مرد لاتے تھے لیکن اپنے خاندان کی بیوہ خواتین کا عقد دوسرے مرد سے نہیں کرتے تھے بنی ھاشم کی اسی عظیم خوددارانہ و شاہانہ رسم کے پیشِ نظر اللہ نے قرآن میں یہ حکم اُتارا کہ "رسولِ خداؐ کی ازواج سے نکاح حرام ہے" (سورۂ احزاب آیت ۵۳) وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

۱؎ مراثیٔ انیسؔ کا تجزیاتی مطالعہ صـ۵۹ سید سخی حسن نقوی۔ سخی اکیڈمی۔ کراچی۔

اس حکم میں تمام اولادِ رسولؐ آگئی، حضرت علیؑ کی ازواج سے بھی اُمت کا کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا، اسی طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ازواج کے لیئے بھی قرآن کا یہ حکم سند تھا۔ امام حسنؑ کی بیوہ اُم فروہ تاحیات بیوہ رہیں۔ امام حسینؑ کی زوجہ اُمِ ربابؑ کو عرب کے رئیسوں نے پیغام بھیجا تو آپ نے فرمایا" میں رسولِ خدا کی بہو ہوں اور قیامت تک انہیں کی بہو رہنا چاہتی ہوں۔ کربلا میں بیوہ ہونے والی کسی عورت کا عقد دوبارہ نہیں ہوا۔

اُمت کے لیۓ جو حکم ہو گا ضروری نہیں کہ ہر حکم اہلبیتؑ پر واجب ہو، بعض حکم صرف اُمت کے لیۓ ہیں، اہلبیتؑ اُس میں شریک نہیں ہیں" عقدِ بیوگان" کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔

اب یہ جملہ کہ" اسلام میں بیوگی کوئی عیب نہیں"؟ میر انیسؔ نے بیوگی کو عیب بنا کر نہیں پیش کیا بلکہ ایک عظیم مصیبت ضرور قرار دیا ہے اور اسلام میں بیوگی عیب ہو یا نہ ہو کربلا میں ضرور بہت بڑا عیب بن گئی، جس گھر کے تمام مرد قتل کر دیئے گئے ہوں، جن کا کوئی والی وارث نہ ہو، چادریں سر سے چھین کر اُنہیں قیدی بنایا گیا ہو، اس سے عظیم عیب اسلام کے لیۓ اور کیا ہو سکتا تھا۔

کربلا کا واقعہ ایک آفاقی واقعہ ہے اسے احکاماتِ شریعت کے آئینے میں ناپنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کربلا خود ایک شریعت ہے ایک آئین ہے ایک دستور ہے۔

بنی ھاشم کی خواتین بیوہ ہونے کے بعد سفید کپڑے پہن لیتی تھیں، اور تاحیات شوہر کی یاد میں سوگوار رہتی تھیں۔ امام حسینؑ کی زوجہ اُمِ رباب کا واقعہ تفصیل سے تاریخ میں موجود ہے۔

میر انیسؔ نے بیوہ کے سفید لباس کے ذکر میں ایک اخلاقی درس دیا ہے وہ اخلاقی درس کیا ہے؟ ہمارے اُردو کے ناقدین اگر ذہین ہیں تو خود سمجھ جائیں گے، اور اگر غبی ہیں تو........ لاکھ سمجھانے پر بھی یہی اعتراض دہراتے رہیں گے۔

میر انیسؔ نے بیوہ کے سفید لباس کا ذکر بہت ہی کم صرف دو یا تین جگہ کیا ہے:-

زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے	سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اُتارے	رو رو کے سکینہؑ سے یہ کرتی تھی اشارے

اس تاش کے جوڑے کو بس آگ لگا دو
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پہنا دو

اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور — کالی کفنی بر میں ہو اور نیلی سی چادر
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر — قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں در در
کیا کہیئے مقدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باچشم اشکبار — پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
چادر سپید اُڑھا کے دُلھن کو بحالِ زار — گودی میں لائیں زینبؑ غمگین و سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسمؑ بنے! اُٹھو! دُلھن آئی ہے لاش پر

لاش سے دولھا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو — رات کے جاگے تھے بس سو چکے صاحب اُٹھو
بیاہ کا جوڑا تو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو ! — اب پہنتی ہوں میں رنڈ سالے کا جوڑا دیکھو
والی حق ہیں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو
سادے کپڑے نئی دُلھن کو پہنواتے ہو

بانوؑ نے کہا لاش پہ لے آؤ دُلھن کو — اب شرم سے کیا فائدہ سمجھاؤ دُلھن کو
دولھا کا جو حال ہے دکھلاؤ دُلھن کو — جوڑا کوئی رنڈ سالے کا پہناؤ دُلھن کو
صف ماتمی بچھوا کے یہ مسند تو اُٹھاؤ
اے صاحبو نتھ ناک سے کبرا کے بڑھاؤ

بس ڈال کے اُجلی سی ردا فرق کے اوپر — کبرا کو اُٹھا لائیں وہاں زینبؑ مضطر
دیکھا نہ گیا اُٹھ گئے باہر شۂ صفدر — سر پیٹ کے بانوؑ نے کہا اے مہ انور
لاشے پہ نہ روئیں یہ تمہیں دھیان نہ جائے
لو بین کرو پھر کوئی ارمان نہ رہ جائے

سفید لباس رسولِ اکرمؐ کی نظر میں

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْجَنَّۃَ بَیْضَآءَ وَاَحَبَّ شَیْءٍ اِلَی اللّٰہِ الْبَیَاضُ۔

حضورؐ نے فرمایا — خدا نے جنت کو سفید رنگ کا بنایا ہے اور سفید رنگ اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

نہج الفصاحت ص ۳۵۸
تالیف / علامہ نصیر الاجتہادی
بشیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۹۶۱ء

آنکھیں :-

میر انیسؔ کے یہاں سفیدی رحمت اور صبح طرب ہے اور سیاہی غضب ہے، شام مصیبت ہے :-

وہ چشم سیہ آہوئے صحرائے ختن ہے
غصّے سے جو ہو سرخ تو پھر شیر ہرن ہے
گہہ شام مصیبت ہے گہے صبح طرب ہے
رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے

پسینہ :-

قطروں کے پسینے کی یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

میر انیس کی شاعری میں "سیاہ" رنگ

اُردو میں "سیاہ" یا "کالا" رنگ۔ عربی میں "اسود" کہتے ہیں اور انگریزی میں بلیک (Black,) کہتے ہیں۔

"کالے رنگ میں بازگشت نہیں ہوتی، یہ سخت گیر اور مستحکم رنگ ہے، یہ غم اور ماتم کا رنگ ہے، آرٹسٹ جہاں پر کالا رنگ استعمال کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر رنگ کے لئے کالا رنگ کنٹراس (Contrast.) ہے۔ کالے رنگ کی سنگت میں ہر رنگ واضح ہو جاتا ہے اور کھلنے لگتا ہے۔ کالے رنگ کا نعم البدل نہیں ہے اور نہ اس کی قیمت مقرر کی جاسکتی ہے لیکن کالا رنگ دوسرے رنگ کی قیمت بڑھا دیتا ہے۔ ڈزائنرس (Designers,) کالے رنگ کا مختلف مقامات پر استعمال کرتے ہیں، کالا رنگ بے شمار مقاصد کی نمائندگی کرتا ہے، لباس میں کالا رنگ طاقت کا رنگ ہے، کالے رنگ میں مدافعت کی قوت موجود ہے وہ دفع اور جذب کی قوت میں روشنی کی کرنوں کو اپنے میں جذب کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ کالا رنگ اطاعت بھی قبول کرتا ہے اور عزت بھی عطا کرتا ہے، مصوری کرنے والوں کے لیئے کالا رنگ دفائی رنگ ثابت ہوتا ہے، آج کل کے آرٹسٹ زیادہ گہرے کالے رنگ کا استعمال نہیں جانتے، اور اس کی قیمت کو ضائع کردیتے ہیں ظاہر ہے کالے رنگ کی قیمت کا تعین آسان نہیں ہے"[1]

کالے رنگ کا تعلق زُحل سے ہے، بلاؤں کو دُور کرنے کے لئے مغربی ممالک میں کالا رنگ تسلیم شدہ ہے، مشرق میں بھی کالے رنگ کو جادو اور سحر کو دُور کرنے کیلئے موزوں سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] Colour-Graphic Design By Andre Jute.

اسپند (کالا دانہ)

نظرِ بد کے اثر کو زائل کرنے کے لیئے بھی کالے رنگ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کالے رنگ کے اسپند (کالے دانے) کو بچوں پر صدقہ کر کے کالے دانے کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ میر انیسؔ نے امام حسینؓ کی ولادت کے موقع پر اسپند کا تذکرہ کیا ہے:

اسپند کرو فاطمہؓ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اُترا ہے زمیں پر

میر انیسؔ کالے رنگ کا استعمال ایک ماہر ترین آرٹسٹ کی طرح کرتے ہیں وہ اپنی بنائی تصویروں میں بہت سلیقے سے کالا رنگ بھرتے ہیں اور کالے رنگ کی قیمت متعین کر دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل بند میر انیسؔ نے کسی ماہر آرٹسٹ کی طرح کالے رنگ سے بنایا ہے، ابرو، تیرگی، گیسو، سُرمہ، آنکھیں، خالِ سیہ (کالا تِل)، کتنی سیاہ چیزوں کو جمع کر دیا ہے:۔

تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے ہے کجی عیب مگر حُسن ہے ابرو کے لئے
زیب ہے خالِ سیہ چہرۂ گُل رو کے لیئے سُرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لئے

"چہرۂ گُل رو" اور "نرگسِ جادو" نے تصویر کو "بلیک بورڈ" ہونے سے بچا لیا ہے، یہ ہے میر انیسؔ کی رنگ آمیزی کا ہُنر.....

میر انیسؔ نے کالے رنگ کے استعمال کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ، تراکیب اور محاورے استعمال کئے ہیں:۔

گیسو، کاکل، زُلف، مشک، خضاب، جدولِ سیاہ، کالی گھٹا، کالا، افعی سیاہ، اژدر، سپر، قیر، رو سیاہ، سوادِ حبش، زنگبار، سیہ کار، سیہ رنگ، سیہ رو، موذی، سیاہ بخت، سیاہ دل، سیاہ فام، سیہ قلب، شبِ تار، شبِ دیجور، شبِ ظلمات، شبِ یلدا، لیلائے شب، کالی ڈانڈ، کالی بلا، کالی آندھی، کاجل، ابرِ سیہ، کالی رات، مردمِ سیاہ پوش، سیاہ پوش، مثلِ کعبہ سیاہ پوش، کسوتِ کعبہ، اسپند، شبدیز، شبرنگ، سیاہ عبا، سیاہ خانۂ قبر، سیاہ خانۂ زنداں، ظلمت، سیاہ چہرے، کالا رنگ، سیاہ علم،

کالے علم، سیاہ رایت، کالے نشان، سیاہ جنگل، کالی عماری، سیاہ لباس، .....
میر انیسؔ کالے کے مقابل جب سفید رنگ کو رکھتے ہیں اُن کے اشعار میں قرآنی آہنگ محسوس ہوتا ہے دیکھیے یہ حمدِ باری تعالیٰ کا شعر جنابِ سیّد سجادؑ کی زبانی ہے:-

ذات اُس کی ہے دانائے سفیدی و سیاہی
چاہے تو وہ بخشے ابھی محتاج کو شاہی

شب کی سیاہی

عربی میں لیلٌ، اللیلُ، لیلۃٌ، نہایت تاریک و سیاہ رات کو کہتے ہیں۔
قرآن مجید میں ہے کہ:-
یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (سورۂ رعد آیت ۳)
اللہ رات کی سیاہی سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے، یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں نشانیاں ہیں۔ رات کا سیاہ رنگ انسان کو غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے، میر انیسؔ نے ایک متفکر کی طرح رات کی سیاہی کو موضوع بھی بنایا ہے اور تاریکی میں سیاہ رنگ بھرنے میں مصوری کا کمال بھی دکھایا ہے:-
شبِ یلدا:- سیاہ رات

روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغیر

لیلائے شب:- سیاہ رات " سیاہی پھیل جانا "
جب زُلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی

شبِ دیجور:- سیاہ رات " چاند کے مہینے کی آخری راتیں
لکھوں سیاہی شبِ عاشور کا جو حال　　　دفتر سیاہ ہوں، شبِ دیجور کی مثال

ڈھالیں اُٹھیں کہ دِن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی، نور ہو گیا

شبِ ظلمات:۔ سیاہ رات

حیراں شبِ ظلمات ہو، یہ تیرگی رنگ

امام حسینؑ کا سفر:۔ "شبِ ظلمات"

ملتی تھی نہ بستی نہ نظر آتا تھا راہی
گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی

شبِ اوّل:۔ "قبر کی پہلی سیاہ رات"

مُسافرو شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار
چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

کالی رات:۔

وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

امام حسینؑ سرزمینِ کربلا پر دوؔ محرّم کو پہنچے، سفر کی وہ رات بہت تاریک تھی، اُس کی سیاہی ظلمات کی طرح تھی، سکندر نے جب ظلمات میں سفر کیا تھا اور اُن پر چالیس۴۰ راتیں بہت اذیت کی گزری تھیں۔ میرانیسؔ نے رات کے سیاہ رنگ کو شبِ تار، شبِ یلدا، شبِ دیجور، شبدیز (کالا گھوڑا) کی سیاہی سے استعارہ کیا ہے،

تھی طُرفہ شبِ تار کہ تارے بھی تھے مستور — اک پارہ ہے جس کا شبِ یلدا شبِ دیجور
دوڑے کہیں شبدیزِ نظر کا تھا نہ مقدور — ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دُور

حضرت پہ وہ اُس تین پہر رات میں گزری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گزری

میر انیس نے تشبیہات واستعاروں میں عربی شاعری سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے' رسولِ خدا کی وفات پر جناب فاطمہ زہراؑ کے مرثیے کا یہ شعر بہت مشہور ہے:۔

صُبّت علیّا مصائبٌ لو انّها
صُبّت علی الایام صِرن لیالیا

"مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو دن سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے"۔

میر انیس کا یہ شعر دیکھئے:۔

وہ لو وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دُھوپ سے دن کا مثالِ شب

یہ عاشور کا دن ہے اور شبِ عاشور کی سیاہی و تاریکی کا حال بھی دیکھئے، میر انیس نے رات کی تاریکی کا سبب غمِ حسینؑ کو قرار دیا ہے اور اس تصویر میں میر انیس نے کالا رنگ اس طرح بھرا ہے کہ یہ کالی رات نہیں ہے بلکہ حسینؑ کے غم میں پوری کائنات سیاہ پوش ہو گئی ہے:۔

گزرا جو وہ دن شامِ مصیبت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شبِ آفت نظر آئی
راحت دلِ عالم سے فراموش ہوئی تھی
دُنیا غمِ سرورؑ میں سیہ پوش ہوئی تھی

میر انیس کربلا میں ۹ محرم کی شام اس طرح دکھلاتے ہیں:۔

آئی سیہ بلا کی طرح شامِ تیرہ فام

اور شبِ عاشور کا حال یہ تھا:۔

لکھوں سیاہیِ شبِ عاشور کا جو حال
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کی مثال

میر انیس کا یہ مرثیہ دیکھئے:۔

جب زُلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی

مرثیہ کا چہرہ "سیاہ رنگ" کی مصوری کا کمال ہے، میر انیس کا قلم اس رات کی سیاہی کو بتانے سے عاجز ہے:۔

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی
ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی

"شبِ عاشور کی سیاہی۔ تاریکی، سوگواری کا ماحول اور اس کی تصویر:۔

صدمے سے ہوا رنگ رُخِ ماہ کا کافور | اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دُور | تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حُور

کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طربِ محفلِ عالم بھی جو خاموش | تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش | ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش

مضطر تھے علیؑ اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہرؑا
مقتل تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہرؑا۔

رات کی سیاہی میں، خیمہ، خیمے کا پردہ، مشعل، شمع ان تمام اشیاء کا کیا عالم تھا؟

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا | آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا | خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اُڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چیں بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

شبِ عاشور "غمِ شبیرؑ میں" سیاہ پوش" تھی، ستارے بے نور تھے مثل آنکھ کی بے نور

پُتلی کے، یہ مصرع میر انیس کو جدید سائنس سے بہت قریب لے آتا ہے :۔

"اختر بھی بنے مردمک دیدۂ بے نور"

سنہ ۱۹۳۹ء میں دو امریکی سائنس دانوں نے بے نور ستاروں یعنی "سیاہ شگاف" (Black Holes.) کا کھوج لگایا تھا۔ دونوں سائنس دانوں کے نام ہیں جے رابرٹ اوپن ہائمر (J Robert Open Heimer) اور ہارٹ لینڈ ایس سنڈر (Hortland S Synder.)

"بے نور ستارے "بلیک ہول (سیاہ شگاف)" Black Holes " اپنے ہی بوجھ کے تحت اندر کی طرف منہدم (Collapses.) ہوتے ہیں، کششِ ثقل کا مادہ بے نور ہونے کے سبب بڑھ جاتا ہے اور اس کشش کی وجہ سے اس ستارے کی اپنی روشنی بھی ستارے سے باہر نہیں نکل سکتی، چنانچہ جب روشنی ہی اس میں مقید ہو جاتی ہے تو پھر یہ نہ دکھائی دینے والا ستارہ بن جاتا ہے۔"[1] میر انیس کا یہ مصرع ایک بار اور پڑھ لیجئے :۔

"اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور"

سیاہ لباس

سیاہ رنگ کا لباس سنجیدگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور عموماً یہ رنگ پُر وقار شخصیات پر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں ڈگریوں کی تقسیم کے وقت وائس چانسلرز اور چانسلرز کا لباس سیاہ ہوتا ہے اور عدالتِ عالیہ و سپریم کورٹ کے جج اور وکلاء کا لباس بھی سیاہ ہوتا ہے۔ روحانی شخصیات خصوصاً علماء بھی سیاہ لباس پہنتے ہیں، زندگی کی لذتوں اور رنگینیوں کو ترک کرنے کی علامت کی شکل میں کالے رنگ کو ہمیشہ مقبولیت حاصل رہی ہے اس لئے یہ روحانی رنگ ہونے کے علاوہ ماتمی رنگ اور سوگ کی علامت بھی قرار پا گیا ہے۔

---

[1] کائنات اور اس کا انجام ص۸ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم۔ جنگ پبلشرز لاہور۔

محمد بن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ اپنی کتاب "طبقات" میں اور اہلِ سُنت کے امام المحدثین ابنِ ماجہ لکھتے ہیں "جب فتح مکہ کے دِن حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو اُس روز آپ سیاہ عمامہ باندھے تھے"۔ شبلی نعمانی نے "سیرت النبیؐ" میں لکھا ہے "حضورؐ کا عمامہ سیاہ تھا"۔ طبقات ابنِ سعد اور ابنِ ماجہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "حضورِؐ اکرم کی اُونی چادر بھی سیاہ رنگ کی تھی، امام مُسلم نے لکھا ہے کہ ایک روز بوقتِ صبح حضورِؐ اکرم سیاہ کملی اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے"
میر انیس نے حضرت رسُولِ خداؐ کی سیاہ عبا کا ذکر کیا ہے:۔

اوڑھے سیہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرتِ زینبؑ نے سیاہ رنگ کو ماتم اور سوگ کی علامت قرار دیا، اُسی وقت سے ساداتِ بنی ہاشم سیاہ پوش ہو گئے۔ آہستہ آہستہ یہ رسم پوری دُنیا میں پھیل گئی۔ اب محرّم کے دِنوں میں سیاہ لباس اظہارِ غم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔
اُردو ادب میں بھی "سیاہ پوشی" کو غم کی علامت سمجھا جاتا ہے، غالبؔ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:۔

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

میر انیس نے "سیاہ لباس" کو سوگواری اور غم و الم کی علامت قرار دیا ہے، امام حسینؑ کے عزاداروں کو وہ سیاہ لباس میں دکھاتے ہیں:۔

"بر میں سیہ لباس تو رُخ آنسوؤں سے تر"

امام حسینؑ فرماتے ہیں:۔

بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

رسولِ خدا حضرت فاطمہ زہراؑ سے فرماتے ہیں :-

ہو گا عیاں فلک پہ محرم کا جب ہلال
رخت سیاہ پہنیں گے بر میں وہ خوشخصال

میر انیس نے دُنیا کو غمِ سرورؑ میں سیہ پوش دیکھا ہے :-

راحت دلِ عالم سے فراموش ہوئی تھی
دُنیا غمِ سرورؑ میں سیہ پوش ہوئی تھی

میر انیس بتلاتے ہیں کہ عاشور کے دن سے حضرت فاطمہ زہراؑ بھی سیہ لباس میں ہیں، جب امام حسینؑ کا سر تنور میں رکھا گیا وہاں پر حضرت فاطمہ زہراؑ سیاہ لباس میں تشریف لائی ہیں :-

اُتری اُسی حجرے میں پھر اک کالی عماری
غُل ہے کہ ہٹو آتی ہے زہراؑ کی سواری

ہودج سے سر برہنہ جو اُتری وہ حق شناس
چہرہ تو آفتاب سا تھا اور سیہ لباس

بکھرے ہوئے تھے بال گریباں تھا چاک چاک
کپڑے سیاہ، جسم پہ تھے اور سر پہ خاک

سیاہ غلافِ کعبہ

" اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا"۔[1] جب سے اب تک خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ رنگ کا ہے، میر انیس نے کعبہ کے سیاہ غلاف کا استعارہ سیاہ لباس کے لئے استعمال کیا ہے :-

عیشِ جہاں دلوں کو فراموش ہو گیا
سب شہر مثلِ کعبہ سیہ پوش ہو گیا

---

[1] تاریخ مکۃ المکرمہ جلد دوم ص ۱۴۹ تالیف : محمد عبد المعبود مکتبہ الحبیب راولپنڈی۔

پہنا لباسِ نیلگوں گردوں نے　　　　کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا

غلافِ کعبہ بنانے کا کارخانہ جو مکہ مکرمہ میں قائم ہوا ہے اس کا نام "دارالکسوت" رکھا گیا ہے، ظاہر ہے یہ نام اب رکھا گیا ہے میر انیس نے یہ لفظ "کسوت" غلافِ کعبہ کے لیے سو برس پہلے استعمال کیا ہے، میر انیس کے یہ نکات ان کی شاعری کو آفاقی بناتے ہیں:۔

کسوتِ خانۂ کعبہ ہے سیاہ　　　　کون حضرت کا عزادار نہیں؟

"کعبہ معظمہ پر ایامِ حج میں ایک سفید کپڑا لٹکایا جاتا ہے جسے لوگ "احرامِ کعبہ" کہتے ہیں، احرامِ کعبہ کا دستور قدیم زمانے سے ہے۔ ابنِ بطوطہ ۷۲۸ھ میں حج بیت اللہ کو گیا تھا بیان کرتا ہے کہ ۷ ذی الحجہ کو غلافِ کعبہ قد آدم بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کے نیچے سفید کپڑا لٹکایا جاتا ہے جسے "احرامِ کعبہ" کہتے ہیں اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ احرام کا طریقہ کب اور کیوں رائج ہوا" میر انیس نے "احرامِ کعبہ" کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"کربلا کی تعریف"

دامن جو پاک صاف تھا دستِ مصاف کا　　　　احرام باندھا کعبہ نے اس کے طواف کا

میر انیس کی بنائی تصویروں میں سیاہ رنگ کا استعمال

میر انیس کسی ماہر مصور کی طرح حضرت رسولِ خدا، حضرت امام حسینؑ، حضرت عباسؑ حضرت علی اکبرؑ کی تصاویر بناتے ہیں، میر انیس یہ تصاویر "ورقِ نور" پر کھینچتے ہیں:۔

کس حسن سے تشکل شہ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورقِ نور پہ تصویر کھنچی ہے

میرانیس اِن تصاویر میں رنگِ مہتاب، رنگِ آفتاب، گلابِ سُرخ، عقیق، یاقوت، مرجان، زعفران، سیب، نرگس، گُلِ بادام، موتی جیسے رنگ بھرتے ہیں پھر حسبِ ضرورت ایک تناسب کے ساتھ سیاہ رنگ استعمال کرتے ہیں، آنکھیں، زُلف، ابرو، ریش، خط، خال کا سیاہ رنگ تصاویر کو نمایاں کر دیتا ہے۔

"رسُولِ خدا کے سیاہ گیسو"

گیسو تھے وہ مفسرِ واللیل اذا سجیٰ
رُخ سے عیاں تھے معنیٔ والشمس والضحیٰ

"امام حسینؑ کے گیسو"

گیسو نہ تھے رُخِ خلفِ بوترابؑ پر
تھی جدولِ سیہ ورقِ آفتاب پر

"امام حسینؑ کی ریشِ سیاہ"

کیا خوشنما ہے گردِ قمر ہالۂ سیاہ
ہے صبح شام ایک جگہ کیجئے نگاہ

لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب
کعبے میں ہے خورشیدِ شرف غور کریں سب

دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رخسار غمِ ستہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

وہ ریش مطہر و رُخِ حضرتِ شبیرؑ
تھی سُورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر

"سیاہ اور سفید" کا کنٹراس (Contrast) بھی دیکھئے:۔

وہ ریشِ مطہر کی سپیدی و سیاہی
دیتی تھی زمانہ کی دو رنگی پہ گواہی

"امام حسینؑ کی آنکھیں"

کہہ شامِ مصیبت ہے کہے صبحِ طرب ہے
رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے

"حضرت عباسؑ کا چہرہ اور ریش مبارک"

پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لئے ہے   ظلمات کو آغوش میں یا نور لیے تھے

"سیاہ ابرو"

جوہر سا ہر اک موئے سیہ پیشِ نگہ ہے   تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگہ ہے

"حضرت علی اکبرؑ کے گیسو"

نور ایسا جہاں چادر مہتاب بھی میلی   گیسو وہ کہ مجنوں ہو جسے دیکھ لے لیلیٰ

"حضرت علی اکبرؑ کی آنکھیں"

آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و ختائی   دونوں نے یہ چیتوں پہ سیاہی نہیں پائی

"خالِ سیاہ"

اپنی جگہ پہ خال کے نقطے ہیں انتخاب   پُتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب

سیاہ نیزے

میر انیسؔ نے میدانِ جنگ میں نیزوں کا رنگ سیاہ بتایا ہے، سیاہ رنگ کسی چیز کی شدت کو ظاہر کرتا ہے اور خوفناک چیزوں کا سیاہ رنگ خوف و دہشت کا سبب بن جاتا ہے، "کالے" کا لفظ اسی لئے سانپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے پھن پھیلائے یا زبان نکالے زہریلے سیاہ رنگ کے سانپ کو دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے۔ میر انیسؔ نیزے کو سانپ سے تشبیہ دے کر میدانِ جنگ کی دہشت ناک صورتِ حال کو واضح کرتے ہیں۔ سیاہ رنگ کے سانپ کے لیئے عربی اور اُردو میں

جتنے بھی الفاظ ہیں میرانیس اُن تمام لفظوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں مثلاً کالا، ناگ، افعی سیاہ، مارارقم (سیاہ سفید دھاری دار بہت خبیث سانپ)

نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ گویا زباں نکالے تھا اک افعی سیاہ

ع: دو سانپ گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے

ع: نیزہ وہ دیکھ کے کانپے جسے مارِ ارقم

میرانیس نیزے کو اژدھے سے تشبیہ دیتے ہیں، قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰؑ کے عصا کا کبھی سانپ اور کبھی اژدھے کی شکل میں معجزہ دکھانا، جادوگروں کے سانپ اور اژدھے سے مقابلے کے منظر کی روشنی میں وہ نیزوں کی خوفناک صورتِ حال کی تصاویر بناتے ہیں،

اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا

کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سناں غل تھا کہ اژدھا ہے نکالے ہوئے زباں

بل کیا کسے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا غل تھا کہ اژدھے سے وہ افعی لپٹ گیا

سیاہ ڈھال

میدانِ جنگ میں ڈھال (سپر)، کا رنگ بھی میرانیس نے سیاہ (کالا) بتایا ہے، ڈھال زیادہ تر گینڈے کی کھال سے بنائی جاتی تھی اس لیے اُس کا رنگ سیاہ ہوتا تھا۔ ڈھال کی تشبیہات کے لئے میرانیس، کالے بادل، سیاہ ابر، کالی گھٹا کا استعمال کرتے ہیں:۔

پر تو فگن تھی یوں کبھی روئے جناب پر آجائے جیسے ابرِ سیہ آفتاب پر

اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار

جنگل سیاہ ہو گیا ڈھالوں کے ابر سے

ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی کالی

کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالوں کی نہر پر

کالی آندھی

شدید آندھی جس میں سیاہ گرد و غبار کثرت سے اُٹھنے کے باعث اندھیرا ہو جائے اور آسمان پر سیاہ بادل چھا جائیں تو اُسے "کالی آندھی" کہتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جب امام حسینؑ کو شہید کیا گیا اُس وقت کربلا کے میدان میں سیاہ آندھی سے مقتل میں قیامتِ صغریٰ بپا ہو گئی تھی، میر انیس نے فوجِ یزید کا سیاہ آندھی سے بھی استعارہ کیا ہے:-

سب فوج یوں بڑھی تھی دغا کو امام سے
آندھی سیاہ آتی ہے جس دھوم دھام سے

شہادتِ حسینؑ پر کالی آندھی کا اُٹھنا۔

ٹکرائے آہ آ گئے جنبش میں بام و در آندھی اُٹھی سیاہ کہ اُڑ اُڑ گئے شجر

خنجر ادھر تو شمر نے رکھا گلے پہ آہ　　آندھی اُٹھی کہ سارا جہاں ہو گیا سیاہ

سیاہ خانۂ زنداں

اندھیرے قید خانہ کی تمثیل کے لیئے بھی کالے رنگ کو اختیار کیا گیا۔ ظالم و جابر حکمرانوں کے قید خانے نہایت تنگ و تاریک ہوتے تھے، قرآن میں فرعون کے قید خانے کا اور عزیزِ مصر کے قید خانے کا خصوصی تذکرہ ہے جس میں حضرت یوسفؑ کو قید کیا گیا تھا ہارون رشید کا بنوایا قید خانہ ایران اور بغداد میں، متوکل کا بنوایا قید خانہ سامرہ میں اور یزید کا بنوایا قید خانہ دمشق میں اب تک موجود ہے۔ دمشق کے سیاہ خانۂ زنداں کی سیاہ دیواروں اور وہاں کی تیرگی کا ذکر میر انیس نے کیا ہے:۔

سیاہ خانۂ زنداں میں جب چلے عابدؑ
ہوا یہ شور کہ ظلمت میں آفتاب آیا

قید خانے کی تصویروں میں میر انیس نے موئے قلم سے سیاہ رنگ تناسب کے ساتھ بھرا ہے:۔

بوسیدہ چھتوں میں ہیں لٹکتے ہوئے جالے　　استادہ ہیں ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو سنبھالے
دیواریں بھی سب کالی ہیں روزن بھی ہیں کالے　　افعی بھی ہیں روزن سے زبانوں کو نکالے

برسوں سے یہ گھر مسکن آسیب و بلا ہے
نے شمع ہے نہ چراغ اس میں جلا ہے

انسان جب گناہ میں زیادتی کرتا ہے دل اس کا سیاہ ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں آیت ہے:۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (سُورۂ المطففین آیت ۱۴)

"اُن کے اعمال اُن کے دلوں پر زنگ (سیاہی) کی طرح ہیں۔"

پیغمبرِ اسلام سے حدیث ہے کہ جس وقت بندہ گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو اُس کا دِل صیقل ہو جاتا ہے لیکن مسلسل گناہ کرتا ہے تو دِل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کے پورے دِل کو گھیر لیتی ہے۔ دِل اُس کا سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ سیاہی مثلِ زنگ کے ہے" اس آیت میں اسی سیاہ دِل کی طرف اشارہ ہے۔

یزید کا دِل بھی سیاہ تھا، میرانیس نے قید خانے کی سیاہی کا استعارہ دِلِ یزید کی سیاہی سے کیا ہے:۔

"مثلِ دِلِ یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ"

قید خانے کی سیاہی کا یہ عالم تھا:۔

وہ تیرگی کہ ہو شبِ ظلمات اس سے دنگ — ہر در بسانِ حجرۂ چشم بخیل تنگ
تھی واں کی صبح شام سوادِ دیارِ زنگ — دیوار اور سقف و بام و زمیں سب سیاہ رنگ

قید اس میں تھے حرم شۂ گردوں مقام کے
کیا صبح مل گئی تھی خرابے کو شام کے

سیاہ اور سفید چہرے

سیاہ اور سفید چہروں کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے:۔

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۶، ۱۰۷)

"قیامت کے دن بعض لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، اور بعض کے مُنہ کالے (سیاہ)، جو لوگ رُو سیاہ ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے

کے بعد کافر ہو گئے تھے اب اس کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو (۱۰۶) اور جو لوگ سفید رو (نورانی) ہوں گے وہ اللہ کی رحمت یعنی بہشت میں ہوں گے، اور وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ آیات واضح طور پر مسلمانوں کے لیے ہیں، وہ مسلمان جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اُن کے مُنہ کالے ہیں، وہ کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن بدکار، سیاہ باطن اور سیاہ رو ہیں۔ ان آیات کا مصداق یزید اور ابنِ زیاد، ابنِ سعد اور پورا لشکرِ یزید ہی ہو سکتا ہے جنھوں نے کلمہ پڑھنے کے بعد اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر دیا۔ یزید تکبر کے ساتھ خدا اور رسولؐ پر جھوٹ بول رہا تھا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (سورۂ زمر آیت ۶۰)

"اے پیغمبرؐ تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہے اُن کے مُنہ کالے (سیاہ) ہوں گے۔ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنّم میں نہیں ہے؟

بائیبل میں بھی سفید چہرے شرافت اور پاکیزگی کی علامت ہیں اور سیاہ چہرے بدی کا نشان ہیں۔

"یروشلم کے شُرفا برف سے زیادہ صاف اور دودھ سے سفید تھے اُن کے بدن مونگے سے زیادہ سُرخ تھے، ان کی جھلک نیلم کی سی تھی، اب اُن کے چہرے سیاہی سے بھی کالے ہیں وہ بازار میں پہچانے نہیں جاتے۔"[۱] (نوحہ ۔ ۴: ۸)

میر انیسؔ کا شعورِ قرآن، حدیث اور سیرت ائمہ طاہرین کے افکار کی چھاؤں میں پروان چڑھا تھا۔ قرآن نے سفید اور سیاہ چہروں کا استعارہ حق و باطل سے کر کے میر انیسؔ جیسے الوان پسند شاعر کو فکر عطا کی ہے، میر انیسؔ نے خدا، نبیؐ، اور اسلام و قرآن کے

---

[۱] کتابِ مقدس ص۷۵۲ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔

دشمنوں کے چہرے سیاہ دیکھے ہیں، اُنھوں نے تاریخ اور قُرآن کی روشنی میں یزید اور لشکرِ یزید کو مغرور، سیاہ کار، سیاہ رو، سیاہ باطن، سیاہ بخت یعنی بدکار، مجرم، بدعمل، بے رحم، ظالم، شقی، فاسق، فاجر، گناہ گار اور جہنمی پایا ہے۔

"یزید روسیاہ"

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا — سب ملک روسیاہ کے زیرِ نگیں ہوا

"شمر روسیاہ"

کہتا تھا یہ جا کے پرے شمرِ روسیاہ — آتا ہے جنگ کو پسرِ فیضِ اللہ

"ظالموں کے چہرے"

بدخواہِ خاندانِ رسالت پناہ تھے — ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

کپڑے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے — تحت الحنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے

سر ہنگ دُژ پر غرور سیہ قلب و نحس و شوم — لنگر سے جس کے ہل گئے مقتل کے مرز و بوم

لشکر سیہ رُخوں کا جو پامال ہو گیا — مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا

موذی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ فام — کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علیؑ کا نام

میر انیس اپنے لفظوں کے معنی بھی بتاتے جاتے ہیں:۔

"بدصورت و بد ہیبت و بدسیرت و بد خو"

اور یہ شعر دیکھئے:۔

ایک ایک ستم پیشہ و سرہنگ و جفا جو　　مغرور و سیہ کار و سیہ رنگ و سیہ رو

"قیر" کالے روغن جیسے چہرے :-

شرمندہ جس سے قیر وہ چہرہ سیاہ رنگ　　رسوائے زنگبار سوادِ حبش کا زنگ

موذی تھے عداوت کو نہ باز آتے تھے ظالم　　جوں مار سیہ طیش سے بل کھاتے تھے ظالم

کلیم الدین احمد کو قرآن کے فلسفۂ سفید و سیاہ پر سخت اعتراض ہے (معاذ اللہ) وہ لکھتے ہیں :-

اگر رزمیہ شاعری میں صرف سفید و سیاہ کا مقابلہ ہو اور کوئی درمیانی رنگ نہ ہو تو اُس کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ انسان مختلف خواص کا مجموعہ ہوتا ہے، اچھے بھی بُرے بھی۔ اگر کسی میں صرف محاسن ہی محاسن ہوں تو وہ فرشتہ ہو سکتا ہے انسان باقی نہیں رہتا، اسی طرح اگر کوئی بدی کا مجسمہ ہے تو وہ شیطان ہو سکتا ہے لیکن انسان نہیں کہا جا سکتا، اگر ایسے دو مخالفین میں نزاع ہو، اگر ملائک و شیاطین میں جنگ ہو تو ممکن ہے کہ یہ اچھا خاصا تماشا ہو لیکن اسے دیکھ کر انسانی جذبات و کوائف نہیں اُبھر سکتے۔"[1]

قرآن نے صاف صاف کہا ہے کہ :

"قیامت میں سفید و سیاہ چہرے والے ہوں گے، سفید چہرے والے جنت میں جائیں گے اور سیاہ چہرے والے جہنم میں جائیں گے۔"

قُرآن نے "سفید اور سیاہ" کا درمیانی رنگ نہیں بتایا۔ سفید اور سیاہ کا درمیانی رنگ "نفاق رنگ" ہے۔ کلیم الدین احمد کا منافقانہ ذہن رزمیہ یعنی مرثیے میں منافقوں کی موجودگی کا حامی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

---

[1] اُردو شاعری پر ایک نظر ص ۲۶۷ کلیم الدین احمد عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور۔ اور "میر انیس" ص ۲۵۲ کلیم الدین احمد۔ بہار اردو اکادمی پٹنہ۔

"اِس نور پُر نور کی مخالف ہے ایسی ظلمت جس سے شبِ دیجور پریشان ہو، شمر میں خونخواری، بے حیائی، شقاوت اور کمینہ پن کے سوا اور کیا رکھا ہے، ایک بھی شریف، قابلِ تعریف جذبہ کا وجود نہیں، وہ قتلِ حسینؑ پہ آمادہ ہے، تو انعام کے لالچ سے ...... کوئی اور پرخاش کی وجہ نہیں، امام حسینؑ کی جماعت میں کسی نقص کا احساس ممکن نہ سہی، لیکن یہ تو ممکن تھا کہ گروہِ مخالف میں بھی جرأت و بہادری، ہمدردی و فیاضی کی مثالیں نظر آتیں۔ ایک مثال ہے وہ حُرؑ کی لیکن وہ بھی گروہِ مخالف سے نکل کر امام حسینؑ کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کی ظلمت نوُر سے بدل جاتی ہے، مرثیوں میں سفید و سیاہ و ملائک و شیاطین کی جنگ ہے۔ "تماشائیت" کچھ زیادہ ہے لیکن واقعات فوق العادت سے معلوم ہوتے ہیں، داستانِ امیر حمزہ میں یہ نقص نہیں، جہاں امیر حمزہ کے مخالفین جرأت و طاقت رکھتے ہیں وہاں وہ ہمدردی، ترحم، فیاضی سے بھی واقف ہیں، ظاہر ہے کہ داستان گو رزم کے اصول سے واقف ہے۔ جس سے مرثیہ گو نابلد ہیں .... انیسؔ رزم کے اصول سے واقف نہیں تھے اور تھے بھی تو وہ، (Committed) تھے ایک خاص قسم کی رزم کے یعنی نور و ظلمت کی، کعبہ و کنشت کی، حق و کفر کی۔ یا نیکی و بدی، .... سفیدی و سیاہی کی، وہ بار بار اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں:"

ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

ظلمت سے نور، نور سے ظلمت جدا ہوئی
وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی

حملہ کیا یہ سُنتے ہی ظلمت نے نور پر

کعبہ ادھر تھا جلوہ نُما اور ادھر کنشت | دوزخ تھا اُس لعین کی طرف اور ادھر بہشت

کعبہ ادھر تھا جلوہ نُما اور ادھر کنشت | دوزخ کی آگ ادھر تھی ادھر گلشن بہشت
کھیتی ادھر کرم کی ادھر تھی ستم کی کشت | یاں کار نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت
شیطاں تھا اُس طرف تو ادھر کردگار تھا
میدان میں مقابلۂ نور و نار تھا

اک نور کو گھیرے ہوئے ظلمت نظر آئی | دِن کو شبِ تیرہ کی علامت نظر آئی

کلیم الدین احمد، میرانیس پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ وہ قرآن کے "فلسفۂ نور و ظلمت" کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے لشکرِ یزید میں کچھ خوبیاں اور بہترین صفات دکھا دیتے تو اُن کے مرثیے "رزمیہ" کے معیار پر پورے اُترتے،

دراصل کلیم الدین احمد قرآن اور علمِ تفسیر سے نابلد تھے، وہ اسلام کی حقیقی روح سے بھی ناواقف تھے اُنہوں نے اقبالؔ کے یہ شعر بھی نہیں سمجھے ہوں گے:-

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز | چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئی | وہی فطرتِ اسداللہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

"جس دن سے ابلیس کو نافرمانی کے جُرم کی پاداش میں راندۂ درگاہ قرار دے دیا گیا یعنی ابتدائے آفرینش اور آغازِ حیات سے، ہی دو متحارب قوتیں قائم ہو گئیں، پہلی طاقت

"قوتِ باطل" قرار پائی، حضرت آدمؑ کا ابلیس سے مسابقہ ہوا، حضرت ہابیلؑ کا قابیل سے، حضرت نوحؑ کا اُن کی قوم کے ملحدوں سے، حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے، حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے، حضرت عیسیٰؑ کا مشرکینِ یہود سے، حضرت ہاشمؑ کا اُمیہ سے، حضرت عبدالمطلبؑ کا حرب سے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوسفیان، ابوجہل اور ابی لہب سے، حضرت علی علیہ السلام کا معاویہ اور خوارج سے، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید سے مقابلہ رہا۔ غرضیکہ اہلِ حق اور اہلِ باطل ہمیشہ مصروفِ پیکار رہے ہیں..... حق و باطل کی آویزش ابتدائے حیات سے شروع ہے اور انتہائے حیات تک جاری رہے گی۔"[1]

کلیم الدین احمد تشریحِ نور کی تفاسیر سے بھی واقف نہیں ہیں، تمام مخلوقِ خدا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ نور کے اکمل و اشرف افراد ہیں کیونکہ اُنہی کی بدولت تمام عالم بقعۂ نور بنا، قرآنِ پاک سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نور ایک مثبت حقیقت ہے جو خیر و رُشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ کربلا میں امام حسینؑ کا لشکر نور تھا، میر انیس کہتے ہیں:۔

ایک ایک رُخ پہ قدرتِ حق کا ظہور تھا
لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

یزید اور یزیدیوں کا لشکر ظلمت تھا، کربلا نور و ظلمت کی جنگ تھی، میر انیس نے ایک آیت اللہُ نورُ السمٰوٰتِ والارض (سورۂ نور آیت ۳۵) کا صرف رجز میں اس طرح کیا ہے:۔

قرآں میں کون نورِ سموات و ارض ہے
طاعت وہ کس کی ہے جو زمانے پہ فرض ہے

میر انیس نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں معرکۂ کربلا کو نور و ظلمت کی لڑائی قرار دیا ہے:۔

شیطاں تھا اُس طرف تو ادھر کردگار تھا
میداں میں مقابلۂ نور و نار تھا

کربلا میں یہ ابدی فیصلہ ہو گیا کہ نور سے کوئی ظلمت کی طرف نہیں جائے گا۔ حُر ظلمت

---

[1] اقبال اور حُبِّ اہلِ بیت ص ۲۲۷ سید محبوب علی زیدی۔ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور

سے نور کی طرف آئے یہ نور کی فتح تھی۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

(سُورۂ بقرہ آیت ۲۵۷)

"اللہ ولی ہے صاحبانِ ایمان کا، وہ اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے"۔

میر انیس نے حرؓ کے حال میں یہ بات یوں بیان کی ہے :۔

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر" ؎۱

کلیم الدین احمد نے انگریزی کتابوں میں "رزمیہ" کے مکمل اصول بھی نہیں پڑھے تھے، "رزمیہ" کے لیئے لازمی ہے کہ دشمن میں کوئی اچھائی نہ دکھائی جائے، یعنی سیاہی اور سفیدی میں درمیانی رنگ کی گنجائش "رزمیہ" میں نہیں ہوتی ہے :۔

جے، ای اسپنگرن لکھتا ہے :

"رزمیہ شاعر کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ بلند و بالا کرداروں کے اعلیٰ نصب العین اور بلند کارناموں کو سراہے اور بُرے کرداروں کے بُرے اعمال و افعال کی بُرائی کرے"۔ ؎۲

کلیم الدین احمد جدید جمالیاتی تنقید سے بھی ناواقف تھے اور دینی علوم سے بالکل ہی جاہل و اجہل تھے ورنہ قرآنِ پاک کی مشہور و معروف آیت سے واضح ہے کہ سفید اور سیاہ دھاری کے درمیان کوئی رنگ نہیں ہوتا ہے :۔

"اے مسلمانو! کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ رات کی کالی (سیاہ) دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے"۔ (سُورۂ بقرہ آیت ۱۸۷)

کلیم الدین احمد نے میر انیس کی شاعری پر جو کتاب لکھی ہے وہ تنقید اور تجزیہ تو نہیں ہے ہاں اُچھا مناظرہ ضرور ہے۔ اور یہ مناظرہ شیعوں کو مخاطب کر کے

؎۱ خاندانِ میر انیس کے نامور شعراء ص۳۹ ضمیر اختر نقوی۔ مرکزِ علومِ اسلامیہ، کراچی۔

؎۲ Literary Criticism In The Renaissance By J.E. Spingarn

کیا گیا ہے، جگہ جگہ توہینِ رسالتؐ کا پہلو نمایاں ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد ادب کے سلمان رُشدی تھے۔۔۔۔۔۔!!

بنی اُمیّہ کے کالے جھنڈے

جنگِ بدر میں بنی اُمیّہ کو رسُولِ خداؐ سے زبردست شکست ہوئی اور اُن کے نامی گرامی سُورما حضرت علیؑ اور حضرتِ حمزہؓ کی تلوار سے قتل ہوئے، شیبہ، عتبہ اور ولید یہ تینوں بدر کے مقتول ہیں اور ہندہ جگر خوارہ کے قریبی رشتے دار ہیں، ان کے سوگ میں بنی اُمیّہ نے اپنے جھنڈوں کا رنگ سیاہ رکھا، کربلا کی جنگ کے بعد بنی اُمیّہ کے وارث یزید نے اعلان کیا کہ ہم نے کربلا میں بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا ہے۔ خاندانِ رسالتؐ کو اُجاڑ کر یزید بہت خوش تھا گویا بنی اُمیّہ کا ساٹھ برس پُرانا سوگ ختم ہو جانا چاہیئے تھا لیکن بنی اُمیّہ کی بربادی تک اُن کے جھنڈوں کا رنگ سیاہ رہا۔

کربلا کی جنگ میں بنی اُمیّہ کا لشکر سیاہ جھنڈے لے کر آیا تھا، اور خارجی لشکر جو آئے تھے اُن کے جھنڈے سُرخ رنگ کے تھے، خارجیوں کا سردار شمر ذی الجوشن تھا میرانیسؔ نے لشکرِ یزید کے کالے جھنڈوں کا تذکرہ مختلف مرثیوں میں کیا ہے،

ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار　　　رایت سیاہ و سُرخ نظر آئے تین چار

کی عرض وہ لشکر ہے سیہ جس کے علم ہیں　　　اک شمر ہے اور چار ہزار اہلِ ستم ہیں

تلواریں چمکتی تھیں علم سُرخ کھُلے تھے　　　دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تُلے تھے

جو مرد ہیں ہر اس کے کرتے نہیں کلام　　　ہونے دو گر ہیں سُرخ علم یا سیاہ فام

نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تُل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کُھل گئے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ
کُھلنے لگے ہر صف کے علم ہائے سیہ رنگ

واں فوجِ سیہ رو نے عَلم کھولے ہیں کالے
ہیں لعل کو زہرا کے اِدھر جان کے لالے

اُٹھا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ عَلم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

جَب رَن میں فوجِ شام کے کالے عَلم بڑھے
تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے

دس سو جو علم ہائے سیہ کھل گئے یک بار
دِن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کے شبِ تار

تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہے
اُڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

بنی اُمیہ کے کالے جھنڈے سے فنا ہو گئے :۔

نہ وہ عَلم سیاہ ، نہ وہ روسیاہ تھے
تیغ وسپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے

میر انیس نے تصویروں میں سیاہ رنگ کا جو تناسب رکھا ہے وہ قابلِ دید ہے دیکھئے کس کس طرح وہ کالا رنگ بھرتے ہیں :۔

کالا ——— سیاہ رنگ

تلوار :۔

کاٹھی سے کھینچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
غل تھا کہ وہ منھ ناگ نے بانبی سے نکالا

قلم ــــ اِدہم "کالا گھوڑا"

ہر چند تیز رو ہے بہت اِدہمِ قلم
پر اس کی شوخیوں کو یہ کیوں کر کرے رقم

دوات کی سیاھی (روشنائی)

کچھ کچھ مدادکی بھی روانی ہوئی ہے کم
دوڑا بہت تو ذہن کا بھی بھر گیا ہے دم

آنکھ کی پُتلی ــــ "حدید" سیاہ نگینہ ــــ"

سادہ نگیں حدید کا دُرِ نجف میں ہے
پُتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہے

کالی گھٹا ــ "گیسو"

گیسو رُخِ روشن پہ نہیں حُسن سے خالی
خورشیدِ درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی

مارِ سیہ ــــ "نیمچے"

رنگ انعیٰ خونخوار بدلتے ہیں خبردار
لو مارِ سیہ زھر اُگلتے ہیں خبردار

سیاہ توا ــــ "شامی پہلوان کا چہرہ"

پہلے سے یہ کالا تھا مُنہ اس دشمنِ رب کا
بن جائے توا عکس سے آئینہ حلب کا

قبر کی سیاھی :۔

اب تک تو کسی آرٹسٹ نے اندھیری سیاہ قبر کی تصویر کشی کی نہیں، یہ سیاہ رنگ میر انیس نے اس لئے بھرا تاکہ یہاں قبر میں چاند طلوع ہو تو ایک خوبصورت تصویر تخلیق ہو جائے :۔

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضورؐ آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

میرانیس کی شاعری میں

سُنہرا "GOLDEN" اور رُو پہلا "SILVER" رنگ

اُردو میں سُنہرا رنگ عربی میں "زُخرُف" اور "طلائی" رنگ، فارسی میں "زر" یا زری رنگ"، ہندی میں "کُندنی" اور انگریزی میں "Golden" کہتے ہیں

اُردو میں "رُو پہلا" عربی میں "فِضّہ" اور "نقرئی" فارسی میں "سیم" ہندی میں "روپا" انگریزی میں "Silver Colour" کہتے ہیں۔

میرانیس نے سُنہرے و رُو پہلے رنگ کے اظہار کے لئے تین طریقے کے رنگوں سے تصاویر کی جگمگاہٹ میں اضافہ کیا ہے :۔

(الف) مادّی سُنہرے و رُو پہلے رنگ :۔

مثلاً سونا، چاندی، شمع، چراغ وغیرہ۔

(ب) فلکیاتی سُنہرے و رُو پہلے رنگ :۔

مثلاً سُورج، چاند، ستارے، کہکشاں، شہابِ ثاقب، خطوطِ شعاع، چاندنی وغیرہ۔

(ج) روحانی سُنہرے و رُو پہلے رنگ :۔

مثلاً شجرِ طور، تجلّیٔ طور، صاعقۂ طور، یدِ بیضا وغیرہ۔

(الف)

مادّی سنہرے و رُو پہلے رنگ

میر انیس نے لفظ "سُنہرے اور سُنہری" سے خود ہی اس رنگ کی وضاحت کر دی ہے:۔

ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھریرا
پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سُنہرا

پنجہ وہ سُنہرا نظر آتا ہے علم کا

بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی کبھی ٹھہری
تھی عکس سے دریا کی ہر اک لہر سُنہری "تلوار"

سونا

ایک سُنہری دھات جسے اُردو میں "سونا" فارسی میں "زر" عربی میں "ذَھَب" سنسکرت میں "سُورن" اور ہندی میں کنچن اور کُندن" اور انگریزی میں گولڈ old) کہتے ہیں۔ طلا مکنون، عقبان، شمس اور خورشید بھی سونے کے نام ہیں۔

سونا بہت قدیم بڑی قدر و قیمت والی اور تمام دھاتوں میں افضل، مشہور و چمکدار، وزنی دھات ہے۔ سب سے پہلے دو سو تو سے سال قبل مسیح مصر میں دریافت ہوئی۔ جب انسان معدنیات سے واقف ہوا تھا تو صرف سات دھاتوں تک رسائی رہی، سونا، چاندی، پارہ، تانبہ، لوہا، سیسہ اور ٹین، سونا ان تمام دھاتوں میں سب سے قیمتی سمجھا گیا۔ میر انیس نے چند اہم ترین دھاتوں کا ذکر مرثیوں میں کیا ہے:۔ ———

لوہا:۔

سکّے پڑے تھے اکبرؑ غازی کی ضرب کے
لوہا بھی دب گیا ہے یہ معنی ہیں ضرب کے

لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

لوہے کو ذوالفقار کے ماننے ہوئے تھے سب

سیم (چاندی):۔ "ستاروں کا رنگ میرانیس نے رُو پہلا بتایا ہے"

ع شبنم کی طرح سیم کو اک ہوئی بے آب

سیماب (پارہ):۔

ع سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل

ع غُل تھا کبھی یوں آگ سے پارہ نہیں اُڑتا

پارے کی طرح دھوپ بھی اڑنے لگی رن سے

اس طرح اُڑا جیسے اُڑے آگ پہ پارہ

مِس (تانبا):۔

صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مِس کو اک آن میں اکسیرِ طلا کرتی ہے

سونا:۔

زر ریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

قلعی (رانگا) :-

قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
مس پر جو مُلمّع ہو تو زر ہو نہیں جاتا

سونا آگ سے پگھل جاتا ہے، بعض لوگ کیمیا کے ذریعے مصنوعی سونا بنانے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ یہ شوق زمانۂ قدیم میں زیادہ تھا، کیمیا (کیمسٹری) کو اکسیر بھی کہتے ہیں، میرانیس نے اس علم کا ذکر مختلف مقامات پر مرثیوں اور سلاموں میں کیا ہے :-

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا طِلا کے سامنے

اے مُہوِس اپنی اپنی قسمت اس کا رشک کیا
کیمیا تیرے لئے خاکِ شفا میرے لئے
(مُہوِس یعنی کیمیاگر)

سونے کا سُنہری رنگ آتشی اجزاء کی آمیزش کے سبب ہے اور نرمی اجزائے روغنی سے، چمک اجزائے آبی کی صفائی سے، سختی اجزائے خاکی کی وجہ سے سونا کان سے نکلتا ہے، سونا ہی ایک ایسی دھات قدرت نے پیدا کی جس سے ہر دو فریق اس کے عیوض سے دوسری چیزوں میں مبادلہ کرتے ہیں، اس کا اہم ترین استعمال بطور زر اور دوسرا بطریق زیبائش ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "عورتوں کو زیورات سے خالی رکھنا اچھا نہیں"، مستورات کے لئے سونا جسم سے مَس ہو تو فکر و غم اور خفقان و امراض سوداوی دفع کرتا ہے، اسلامی فقہ کے مطابق مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے لیکن قرآن نے بتایا ہے کہ جنت میں مومنین کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ (سورۂ حج آیت ۲۳) قرآن میں ایک سورہ کا نام ہی

"زُخرُف" ہے جس کے معنی "سونا" اور سونے جیسا سُنہرا رنگ یا سونے کا مُلمّع" یا "سونے کا ورق" ہے۔

قرآن میں سونے کا ذکر آٹھ آیات میں آیا ہے، سورۂ الکہف آیت ۳۱ میں سبز رنگ اور سُنہرے رنگ کا ذکر ساتھ ہے۔

اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ يَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ

(سورہ کہف آیت ۳۱)

"مومنین جنت میں سونے کے کنگن اور مہین ریشم و اطلس کے سبز کپڑے پہنے ہوں گے"۔

سبز اور سُنہرا

میر انیسؔ نے بھی علم کے سبز پھریرے اور سونے کی طرح چمکتے سُنہرے پنجے کے رنگ میں (Contrast) دکھایا ہے:۔

دامن وہ سبز اور وہ پنجہ کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرّد سے روئے حور

فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمع طور
بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور

سبزیٔ حسنؑ سُرخیٔ رنگ شہِ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرّد کی زمیں تھی

لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک
شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہے خورشید فلک

سونے کی انگوٹھی پر سبز زمرّد کا نگینہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے، کھِلتے ہوئے سبز رنگ پر سنہرا بادلہ آنکھوں میں طراوت کو بڑھا دیتا ہے، میر انیس ماہرِ علم الوان ہی نہیں ہیں بلکہ نفسیات میں بھی رنگوں کے استعمال کا شعور رکھتے ہیں اور قرآن پر بھی اُن کی گہری نظر ہے۔

"سونے کا ورق" (ورق طلا) جسمانی حرارت میں اضافہ کرتا ہے۔ لکھنؤ میں سونے وچاندی کے ورق بنانے کی صنعت بہت مشہور تھی۔ اور اب بھی یہ فن لکھنؤ میں موجود ہے۔ سونے کے ورق پر تحریر بھی لکھی جاتی تھی کھانے اور ادویات میں جو ورق شامل ہوتا تھا وہ بہت باریک ہوتا تھا ہلکی سی ہوا کی اُلٹ کر بکھر جاتا تھا لیکن شادی بیاہ میں دعوت ناموں کے لئے جو سُنہرے ورق بنتے تھے وہ زیادہ باریک نہیں ہوتے تھے

سونے کا ورق

میر انیس نے سُنہرے کاغذ کا ذکر بطور استعارہ کیا ہے، حضرت عباسؑ کے چہرے کی تعریف میں کہتے ہیں:-

توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے
دیکھو خطِ ریحان ورقِ زر پہ رقم ہے

امام حسینؑ کے جسمِ مبارک پر زرہ کی تعریف:-

حلقوں میں دیکھو جلوہ اندام بے نظیر
سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشنِ کبیر

حضرت عباسؑ کی بینیٔ مبارک کی تعریف:-

ط گویا ورقِ زر پہ کلی گُل کی دھری ہے

روپہلے ورق پر سنہری تحریر :-

ہے نور کا سورہ ورقِ ماہ پہ تحریر

فیروزی اور سُنہرا گنبد

نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السلام کے روضۂ مبارک کے گنبد اور میناروں پر خالص سونا چڑھا ہوا ہے، ایران میں امام رضا علیہ السلام کے روضہ کے گنبد، دروازے اور ضریح کی خالص سونے سے تعمیر ہوئی ہے، حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضہ کا گنبد اور ضریح اور صدر دروازہ بھی خالص سونے کا ہے، سامرے میں حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے روضہ کے گنبد کی بلندی اور چمک دمک آسمان سے باتیں کرتی ہے، جس کے اوپر دنیا کا سب سے بڑا سونے کا گنبد ہے، اس کی تعمیر میں ۲۰۰۰ ۷ ہزار سونے کی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں[1]

اسی طرح بغداد میں روضۂ کاظمین حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام تقی کے روضے کا گنبد اور مینار بھی سونے کے ہیں، نادر شاہ دُرّانی نے روضۂ حضرت علیؑ پر ایک خالص سونے کی موٹی سی زنجیر چڑھائی تھی، امام رضا علیہ السلام کے روضہ پر سونے کے جڑاؤ زیورات آویزاں ہیں، خانۂ کعبہ کا دروازہ بھی خالص سونے کا ہے۔

ایران اور عراق کے تمام روضوں کی تعمیر میں ایران کا عمل دخل ہمیشہ رہا ہے، ایران میں کاشی کا کام جس میں گہرا نیلا اور فیروزی رنگ کا استعمال منقش در و دیوار اور گنبد دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، میر انیسؔ کے عہد تک حضرت عباسؑ کے روضہ مبارک کا گنبد فیروزی کاشی کے کام سے مزین تھا اور کلس (شمسہ) سونے کا تھا، میر انیسؔ حضرت عباسؑ کے روضہ کے گنبد میں فیروزی اور سُنہرے رنگ کی تصویر

---

[1] کتاب دلیل سامرا صفحہ ۲۰، تحفۃ العالم از سید جعفر بحر العلوم جلد دوم صفحہ ۳۰، امام علی نقیؑ، از علی محمد دخیل (اردو) صفحہ ۱۱

اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

ضو دیتا ہے کیا قُبّہ ایوانِ علمدار ہے مہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار
شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار گر پڑتی ہے بالائے زمیں مہر کی دستار
ہو جاتا ہے دھوکا فلکِ نیلوفری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر

سونے کا کلس (شمسہ)

معصومین کے روضوں کے کلس (شمسے) سونے کے ہیں، سورج کی روشنی میں اُن کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے، میر انیسؔ نے کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے خیمہ کے کلس کو بھی سونے کا بتایا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ خیمۂ حسینی کا سُنہرا کلس مثلِ خورشید درخشاں تھا، ......

اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں شمسے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں

چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا خورشید کی دستار پہ طُرّہ نظر آیا

دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر کیا کیا ہنسی ہے صبح گُلِ آفتاب پر

وہ شمسۂ زرریز کا اوج اور وہ تنویر

قربان ضیا پر ملک و حور کا دل تھا شمسے پہ تجلّی تھی کہ خورشید خجل تھا

اوج اس کا جو دیکھا تو دبا چرخِ مقرنس خورشید نے رخساروں کو شمسے سے کیا مَس

سرجا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا　　سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

مثل شجرِ طور کلس نور فشاں تھا　　خورشید سپہر کوہِ زمرّد پہ عیاں تھا

خیمے کا اوج گنبدِ خضرا سے کم نہ تھا
جلوہ کلس کا برق تجلّیٰ سے کم نہ تھا

کھنچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر　　روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و در
تار شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر　　پردا حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمہ کی شان سے
پلّہ زمیں کا اٹھ کے ملا آسمان سے
تھا اُس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور　　سکّان عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج اوج تھا خیمے کا دور دور　　گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سرجا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

سمجھا کے برادر کو بھرے سید بیکس　　میدان میں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
اوج اس کا جو دیکھا تو دبا چرخ مقرنس　　خورشید نے رخساروں کو شمسے سے کیا مس
یہ رنگ تھا اس پہ فلکِ مہر شرف کا
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبا ہے کلف کا

شمسے کا نور دیکھ کے ششدر تھا آفتاب
چمکی بسانِ خطِ شعاعی ہر اک طناب

خیمے کا اوج گنبدِ خضرا سے کم نہ تھا
جلوہ کلس کا برقِ تجلّی سے کم نہ تھا

سُنہرے پنجے اور پٹکوں پر سلما ستاروں کا سُنہرا کام

نواب رام پور کے امام باڑے ہیں، مہاراجہ محمود آباد کے امام باڑوں میں اور نظام دکن کے امام باڑوں میں سونے کے قیمتی پنجے ہیں جن میں فنکاری کا کمال دکھایا گیا ہے۔ پٹکوں پر سلمے ستارے اور زری کا کام سونے چاندی کے تاروں سے بنایا گیا ہے، فرانس کے ایک اسکالر نے اس موضوع پر پی ایچ ڈی کی سند بھی حاصل کی ہے، میر انیسؔ کے عہد میں اودھ کا ہر عزاخانہ خورشید کی کرنوں کی طرح چمکتا اور دمکتا تھا، لکھنؤ کے عزاخانوں میں مثلِ نور چمکتا ہوا سُنہرا رنگ:۔

پٹکوں کا نور اور عَلَم پاک کی جھلک
جس کی چمک زمین سے ہے آسمان تلک

کربلا میں سونے کی ضریح

کربلا میں امام حسینؑ کے قبر پر سونے کی اور چاندی کی گنگا جمنی ضریح رکھی ہے میر انیسؔ کے عہد میں لکھنؤ کے عزاخانوں میں بھی اس ضریح کی شبیہ موجود تھی۔ میر انیسؔ کربلائے معلیٰ نہیں جاسکے لیکن اُن کے تصور میں ضریح کا سُنہرا اور رُوپہلا رنگ موجود تھا:۔

روضہ میں جلوہ گر ہیں شہ آسماں جناب
سمجھا ضریح پاک کو میں برجِ آفتاب
قربان تھے ملک رُخِ روشن کی شان پر
تھی چاندنی زمیں پہ نور آسمان پر

ذوالجناح کے سُنہرے رُوپہلے زیورات

آج بھی خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لاہور کے ذوالجناح کو لاکھوں روپے کے زیورات سونے اور چاندی کے پہنائے جاتے ہیں، زین بھی سونے چاندی سے مرصّع ہوتا ہے اور اس کی چھتری بھی زری کے کام سے تیار کی جاتی ہے، یہ رسم زمانۂ قدیم میں بھی تھی، لکھنؤ میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ حسین آباد وقف کے ذوالجناح کو سونے اور چاندی کے قیمتی زیورات پہنائے جاتے تھے، ذوالجناح کی کفل اور کلغی میں سونے چاندی کے سُنہرے رُوپہلے پھول ٹنکے ہوتے تھے۔ سُنّی حضرات عاشورا اور چہلم کے روز بُراق نکالتے تھے۔ بُراق کو بھی سونے چاندی کے زیورات پہنائے جاتے تھے۔ بُراق کے بال پریوں کی طرح کُھلے ہوتے تھے۔

میر انیس کی نظر میں یہ تہذیبی و ثقافتی رسمیں رچی بسی تھیں اس لئے انہوں نے ذوالجناح کو دولھن کی طرح پیش کیا ہے اور یہ تمام سجاوٹیں دکھائی ہیں، ذوالجناح کی تصویر میں سُنہرا رُوپہلا رنگ دور سے نظر آتا ہے، گنگا جمنی سُنہرا اور روپہلا گھوڑے کا زین دیکھئے:۔

ع "کیا خوش نما تھا زینِ طلا کا رونُقرہ کار"

میر انیس کے مرثیوں میں سونے اور سونے جیسے سُنہرے رنگ کا ذکر جہاں جہاں آیا ہے وہ اُن کے عہد کی رنگین سجاوٹیں ہیں کچھ چیزیں ختم ہوگئیں اور کچھ باقی ہیں:

ع زیور نے عجب حُسنِ خداساز دکھایا

گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلھن آئی

زینِ مرصّع اور سُنہری کلغی مثل ستاروں کے اور بُراق کی شان بھی نظر میں رہے، بُراق، برق سے ہے۔ برق بھی سُنہری روشنی ہے:۔

وہ ساز اور وہ زینِ مرصع کی زیب و زین　اُس میں ہوا میں ارض و سما کا تھا فرق بین
کلغی سے سر کی صاف عیاں فرِ فرقدین　سینے میں دل قوی تھا کہ ہیں پشت پر حسینؑ
دعویٰ کہ میں بُراق کی توقیر پائے ہوں
ناز اس پہ ہے کہ بارِ امامت اٹھائے ہوں

قرآن اور حدیث میں سُنہرا، رُوپہلا رنگ

قرآن مجید کی تین آیات ایک ہی مقام کی ایسی ہیں جن میں سُنہرے، رُوپہلے رنگ کا تذکرہ موجود ہے، لبیوتھم سقفا من فضۃ ومعارج علیھا یظھرون ۝ ولبیوتھم ابوابا وسررا علیھا یتکون ۝ وزخرفا ط

(سورہ زُخرُف آیت ۳۳-۳۴-۳۵)

"کافروں کے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور تختوں میں سے کچھ کو تو ہم طلائی (سُنہرا) اور کچھ کو نُقرئی (رُوپہلا) بنا دیتے۔"

میر انیس نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں سونے کے پہاڑ (کوہِ طلا) کا تذکرہ ہے، ایک روز پیغمبرِ اسلام فاقے سے تھے، جبریل امیں نے آکر اللہ کا یہ پیغام پہنچایا:۔

گر ہوئے خوشی گھر کو جواہر سے میں بھر دوں
یہ کوہِ تہامہ جو ہیں سب سونے کے کر دوں

پیغمبرِ اسلام نے جواب میں فرمایا:۔

سونے کا کوئی کوہ نہ اے رب عُلا کر
اکسیرِ قناعت تو عوض اس کے عطا کر

کوہِ طلا (سونے کا پہاڑ)

"جبلِ نور" جسے فاران کی چوٹی اور جبلِ حرا بھی کہتے ہیں، یہ پہاڑ دو ہزار فٹ بلند ہے۔ ہدایتِ الٰہی کا نور یہیں سے ساری کائنات میں پھیلا، جس کے

انوار سے تاریکیاں دور ہوگئیں، پیغمبرِ اسلام پہ پہلی وحی یہیں نازل ہوئی۔ اس پہاڑ کے ذرات میں سونے کے ذرات چمکتے نظر آتے ہیں، ایک روایت کے مطابق

پیغمبرِ اسلام نے جب کافروں سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو "جبل حرا"، کو سونے کے پہاڑ میں تبدیل کر دوں تو اسی وقت یہ پہاڑ سونے کا ہوگیا، بحکمِ نبیؐ سے پہاڑ پھر اپنی اصلی حالت میں آگیا لیکن سُنہرے ذرات اس معجزے کو اب تک یاد دلاتے رہتے ہیں ہوسکتا ہے میر انیس نے کوہِ طلا (سونے کے پہاڑ) کا تصور یہاں سے قائم کیا ہو:۔

کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہِ طلا دے
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صِلا دے

میر انیس کی نظر میں مرثیہ گوئی کا صِلا "کوہِ طلا" سے کہیں زیادہ تھا، معصومینؑ کی خوشنودی کے سامنے وہ سونے کے پہاڑ کو ہیچ سمجھتے تھے، یہ فکر بھی انہیں معصومینؑ ہی سے ملی تھی:۔

سینے میں دل علائقِ دُنیا سے پاک تھا
کوہِ طلا بھی سامنے زہراؑ کے خاک تھا

انجیلِ مُقدس میں سونے اور چاندی کا رنگ

"سونے کو عبرانی زبان میں "زاھاب" اور عربی میں "ذَھَب" کہتے ہیں، قدیم ترین تہذیبوں کی تواریخ میں سونے کا ذکر ملتا ہے۔ دنیا کے عجائب گھروں میں سونے کے خوبصورت اور بڑی مہارت سے تیار کئے ہوئے زیورات بڑی اچھی حالت میں نمائش کے لئے سجائے ہوئے ہیں جو سونے کی قدامت کا اعلیٰ ثبوت ہیں۔ مصر میں چٹانوں پر کھدی ہوئی تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے پہل ریت کو کھنگال کر سونا حاصل کیا جاتا تھا۔ پھر اسے چھوٹی چھوٹی بھٹیوں میں پگھلا کر زیورات بنائے

جاتے تھے یہ غالباً ۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ ہوتا تھا۔

سونے کا ذکر کتابِ مُقدس میں سب سے پہلے آتا ہے، "حویلہ" کی زمین کا سونا چوکھا تھا (پیدائش ۲: ۱۱، ۱۲) سونے کی اتنی قدر و قیمت کی کیا وجہ ہے؟ اوّل تو یہ دیکھنے میں خوبصورت اور استعمال میں پائدار ہے۔ اس کو خوب چمکایا جا سکتا ہے اور اس کا رنگ اور چمک دمک آب و ہوا سے خراب بھی نہیں ہوتے تیزاب اسے حل نہیں کرتا۔ آگ سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ اور مُصفا ہو جاتا ہے۔ یہ متواق۔ نرم اور تشکیل پذیر ہے، اس کا مُلمع دیگر دھاتوں پر آسانی سے چڑھایا جا سکتا ہے اور یوں اُن کی خوبصورتی کو دوبالا کیا جا سکتا ہے، اسے ادنیٰ دھاتوں سے ملا کر سخت کیا جا سکتا ہے، خالص سونے کو اُردو میں کُندن کہتے ہیں

"خُداوند کے احکام برحق اور بالکل راست ہیں، وہ سونے سے بلکہ کُندن سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔" (زبور ۱۹: ۱۰؛)

"میں تیرے فرمان کو سونے سے بلکہ کُندن سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں" (زبور ۱۱۹: ۱۲۷؛)

"چاندی کو نہیں بلکہ میری تربیت کو قبول کرو اور کُندن سے بڑھ کر علم کو، کیونکہ حکمت مرجان سے افضل ہے (امثال ۸: ۱۰؛)

"حکمت کہتی ہے۔ دولت و عزت میرے ساتھ ہیں بلکہ دائمی دولت اور صداقت بھی، میرا پھل سونے سے بلکہ کُندن سے بھی بہتر ہے اور میرا حاصل خالص چاندی سے (امثال ۸: ۱۹؛)

سونے کا ذکر کلامِ مقدس کے آخر میں بھی آتا ہے۔ نیا آسمانی یروشلم "خالص سونے کا جو شفاف شیشہ کی مانند ہو" (مکاشفہ ۲۱: ۱۸) سونے کا ذکر کئی جگہ لغوی اور مجازی معنوں میں آتا ہے۔ خروج باب ۳۷ میں عہد کے صندوق اور سونے کی دوسری چیزوں کے بنانے کا ذکر ہے۔ اس باب میں سونے کا ذکر کم از کم ۲۰ مرتبہ آتا ہے۔ ایوب کی کتاب کے اٹھائیسویں باب میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ حکمت اور خرد کہاں ملے گی؟ تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ سونا چاندی اور جواہرات سے کہیں گراں قدر ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف قیمتی چیزوں کا ایک ایک مرتبہ ذکر آتا ہے لیکن سونے کا ذکر پانچ مرتبہ ہوا ہے۔"

خیال کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں چاندی سونے کی نسبت دس گنا زیادہ مقدار میں موجود ہے، مثقال اور قنطار اکثر چاندی کے ہوتے تھے۔ پہلے پہل چاندی کو تولا جاتا تھا (ایوب ۲۸: ۱۵) بعد میں اسے سکوں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ چاندی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے اکثر سونے کے ساتھ استعمال ہوتی تھی۔ ہم کئی جگہ سونا چاندی کا ذکر ایک ساتھ پاتے ہیں (خروج ۱۱: ۲؛ امثال ۲۲: ۱؛ یسعیاہ ۲: ۷؛ اعمال ۲۰: ۲۳، ۲ تمیتھیس ۲: ۲۰؛ ۱۔ [1]

پطرس ۱: ۱۸) چاندی کا لفظ مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (زبور ۱۲: ۶؛ یسعیاہ ۱: ۲۲؛ یرمیاہ ۶: ۲۹، ۳۰)۔"

میرانیس کی شاعری میں سونا چاندی

سونے کی اصلیت جاننے کے مختلف طریقے ہیں۔ جب سونا زمین سے حاصل کیا جاتا ہے تو یہ جاننے کے لئے کہ حقیقتاً سونا ہے یا کوئی اور دھات اسے آگ میں ڈال کر پرکھتے ہیں یا کیمیکل کے ذریعے جانچتے ہیں۔ ہائیڈروکونین نامی تیزاب سونے پر ڈال کر بھی اس کی اصلیت کو پرکھتے ہیں۔ سونا سُنار کے کہنے سے اصلی نہیں ہو جاتا، جب تک اسے کسوٹی (محک) پر پرکھا نہ جائے، یہی بات میرانیس بھی کہتے ہیں:۔

زرگر کی مدح قدح کا کیا اعتبار ہے
کہدے گی خود محک کہ طلا خوش عیار ہے

کربلا کی مٹی کُندن کی طرح دمک رہی تھی:۔

ذرّوں کی ضو سے مہر جہاں تاب زرد تھا
مٹّی میں یہ دمک تھی کہ کُندن بھی گرد تھا

---

[1] قاموس الکتاب صفحہ ۹۳۵ مؤلفہ: ایف ایس خیر اللہ۔ مسیحی اشاعت خانہ۔ لاہور

۱۹۱۴ء سے پہلے دنیا بھر میں سونا بہت اعلیٰ معیار کا ہوا کرتا تھا لیکن ۱۹۳۰ء میں دنیا کی سیاسی، معاشی اور سماجی حالت کی ابتری کے بعد سونے کا پہلے جیسا معیار برقرار نہ رہ سکا۔ ۱۹۷۰ء سے سونے کے بھاؤ میں نہایت تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا، بین الاقوامی طور پر سیاسی عدمِ استحکام کی فضا پیدا ہونے کے باعث لوگوں نے نجی سرمایہ کاری کے طور پر سونے کو ہر لحاظ سے مناسب سمجھا، سونے کے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ بھی عالمی حالات اور روپے کی قیمت میں کمی بیشی کی مرہونِ منت ہے دنیا میں سونے چاندی کے بھاؤ چاہے کم ہوں زیادہ، میر انیسؔ کا سونا چاندی خالص ہے اور اس کی چمک قیامت تک ماند نہیں ہو سکتی۔ اُن کی شاعری میں سونا چڑھانا، سونے کی زمین۔ سونے کے پھول، سونے کا فلک، سونے کا سہرا، اشرفی، تاج زری، زر افشاں، سونے کا ورق، زرریزی، زرنگار، زری، زری پوش، زریں کلاہ، زریں کمر، شمسے کی چمک، طلائی، طلاکار، کوہ طلا۔ جیسے لفظ، تراکیب، تشبیہ اور استعارے کے بطور استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے اشعار مرثیوں اور سلاموں میں سنہرے رنگ کو ظاہر کرتے ہیں

"سونے کے پھول"

ذرّے نہ تھے زمیں پہ سونے کے پھول تھے اختر نثار بخشش سبطِ رسولؐ تھے

"سونے کا فلک"

"سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی" ۔ ع ۔ (پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی)

"سونے کا ورق"

سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشنِ کبیر حلقوں میں دیکھو جلوۂ اندامِ بے نظیر

"سونے کی زمین"

سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا طبقہ تمام نورِ سواری سے عرش تھا

"اشرفی اور طلا"

ذرّوں سے اس کے اشرفی مہر زرد ہے — مٹی طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے

"طلائی زمین"

زردی رُخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی — پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

"سونے کا عصا" ہند زوجۂ یزید کی سواری"

رستے پہ سواروں نے پرے باندھ دیئے ہیں — سونے کے عصا ہاتھ میں خاموش لئے ہیں

"سونے کا پانی"

کچھ تیرگی سی آگئی ہے آب و تاب پہ — سونا چڑھاؤ پھر ورقِ آفتاب پر

"سُنہری لہر"

بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی کبھی ٹھہری — تھی عکس سے دریا کی لہر سُنہری

"سونے کا سہرا"

زرریزئ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر — دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

"سُنہرا لباس" (ہند کی سواری)

ع ہمراہ کئی سو ہیں کنیزانِ زری پوش

"زرّیں کمر غلام"

گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے — زرّیں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

"سنہرا کلس"

سرجا ملا جو شمشہ کیواں جناب کا | سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

سُنہرا سہرا

لغت نویسوں نے لفظ "سہرا" کو ہندی ثابت کیا ہے لیکن یہ لفظ عربی سے اُردو میں آیا ہے۔ عربی میں "سہواً" کے معنی ہیں ساری رات بیدار رہنا، رتجگے والی رات، بجلی کی طرح چمکنا، چاند کا ہالہ،

عربی میں دوسرا لفظ صہراً "ص" سے ہے جس کے معنی ہیں داماد، سسرالی قرابت اور سورج کی کرنوں کی طرح چمکنا، یہ لفظ قرآن میں داماد کے معنی میں آیا ہے:-

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ السَّمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط (سورۂ فرقان آیت ۵۴)

ترجمہ:- "اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا، پھر اُس نے اُسے نسب اور داماد ٹھہرایا"

"تفسیر مجمع البیانؒ میں ہے کہ "یہ آیت پیغمبرِ اسلام اور حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے" حضرت علیؑ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے شوہر اور پیغمبرِ اسلام کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ دونوں بزرگوار نسب اور صہر ہیں:-

"صہر" وہ قرابت جو عورتوں سے چلتی ہے اور اس سے سُسر اور دامادی کا رشتہ قائم ہوتا ہے"۔ (لغات القرآن نعمانی، جلد ۳ ص ۳۹)

عربی کے لفظ سہرا اور صہرا میں ایک معنی مشترک ہے، سورج کی کرنوں کی طرح چمکنا یا چاند کا ہالہ اور بجلی کی طرح چمکنا، "سہرا"، سُنہری کرنوں کی طرح ہوتا ہے اور دولہا کے چہرے کا ہالہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

میر انیس پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے ہندوستانی رسموں کو مرثیوں میں جگہ دی ہے لیکن محققین نے ابھی یہ سراغ کہاں لگایا ہے کہ کتنی ہندوستانی رسمیں عرب میں بھی رائج تھیں۔ مہندی اور سہرا عرب میں بھی ہے اور ہندوستان میں بھی، میر انیس نے پانچ

جگہ سے زیادہ "سہرے"، کا ذکر نہیں کیا ہے اور جہاں بھی ذکر کیا ہے اُس کے سُنہرے رنگ کو اُجاگر کیا ہے :۔
علم کے لئے کہتے ہیں :۔

دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

حضرت قاسمؑ کے لئے کہتے ہیں :۔

مہ نو ہے ابرو ، جبیں ماہِ کامل
یہ چہرہ ہے خورشید، سہرا کرن ہے

سہرا رُخِ پُر نور پہ شادی کی نشانی

ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں

اللہ ری چمک رُخِ پُر آب وتاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

خوں میں تر ہو گیا مقیّش کا سہرا سارا

ایک جگہ کنگنے کا بھی ذکر ہے :۔

اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں

سونے کا سُورج مُکھی

ماہی ومراتب وہ اعزازی نشانات تھے جو بہ شکل سیارات بادشاہوں کی سواری

کے آگے آگے ہاتھیوں کی ایک قطار ہوتی تھی جس پر لوگ سونے کے بنے ہوئے یہ نشان لئے ہوئے بیٹھے ہوتے تھے یہ سات شکلیں باعتبار سیارات ہوتی تھیں :۔

۱۔ ہیکل آفتاب یعنی سورج کا نشان ۲۔ نشان پنجہ ۳۔ نشان میزان ۴۔ اژدھا پیکر ۵۔ مچھلی ۶۔ گولہ یعنی کُرہ ۷۔ سُورج مُکھی۔

میرانیس نے ایک جگہ "سُورج مُکھی" کا ذکر کیا ہے، "سُورج مکھی" میں چاروں طرف سونے کی پنکھڑیاں ہوتی تھیں اور بیچ میں سُنہرا سُورج جیسا چہرہ انسانی چہرہ ہوتا تھا ہم نے راجہ صاحب محمود آباد کے جلوسِ عزا میں یہ نشان دیکھے تھے ان میں ایک نشان ہلال بھی تھا جو سونے کا ہوتا تھا، مچھلی سب سے آگے ہوتی تھی، بعض جلوسوں میں صرف گولہ یعنی کُرہ ہوتا تھا "سُورج مُکھی" میں سُنہری کرنیں بہت دیدہ زیب ہوتی تھیں،

میرانیس کہتے ہیں :۔

نیزے پہ تھا جو دھوپ میں سبطِ نبیؑ کا سر
سُورج مُکھی تھا، مہرِ منوّر لئے ہوئے

سُنہرا پرندہ

"سیمرغ" ایک خیالی پرندہ ہے جس کے پر سونے کے خیال کئے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق خیال ہے کہ یہ کوہِ قاف میں رہتا ہے۔ عربی میں اسے "عنقا" اور فارسی میں "ھُما" کہتے ہیں، بچوں کی کہانیوں میں ہے کہ یہ ہاتھی کو پنجے میں لے کر اُڑ سکتا ہے۔ میرانیس نے اس سُنہرے پرندے کا ذکر کیا ہے، میرانیس کی شاعری کا کچھ حصّہ بچوں کے لئے بھی ہے۔ میں نے ایک مضمون "بچوں کا انیس" لکھا ہے اس میں یہ باتیں واضح کی ہیں میرانیس اُس سُنہرے پرندے کا ذکر کرتے ہیں :۔

ع "سیمرغ نے گرا دیئے پر کانپ کانپ کے"

ع "لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے"

عَلَم کے پنجہ کا سُنہرا رنگ

تاریخ اسلام اور حدیث کے علاوہ قرآنِ مجید میں بھی علم کا ذکر موجود ہے، میرانیس کہتے ہیں:۔

ذکرِ عَلَم حمد ہے قرآن میں آیا
شیعوں کے سروں کا ہے یہی حشر میں سایا

قرآن کا سورہ "زُخرُف" جس کے معنی سونا اور سُنہرا رنگ ہے، اتفاق سے اِسی سورہ میں علم کا بھی ذکر ہے:۔

اِنَّہٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ (سورۂ زُخرُف آیت ۶۱)

ترجمہ:۔ وہ قیامت کی نشانی "علم" ہے۔

امام راغبؒ نے لفظ "علم" کی شرح میں لکھا ہے کہ ایسا نشان جس سے کوئی شے پہچانی جا سکے جیسے "عَلَمُ الطریق" اُس نشان کو کہتے ہیں جو راستے کی پہچان کے لئے اس میں استادہ کر دیا جاتا ہے اور فوج کے جھنڈے کو "عَلَمُ الجیش" کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے فوج کی پہچان ہو جاتی ہے، قرآن کی یہ آیت اس طرح ہے وَ اِنَّہٗ لَعَلَمٌ یعنی وہ نشان جس سے کسی چیز کی پہچان ہو، جھنڈے کے ساتھ تشبیہ کے اعتبار سے یہ معنی مراد ہوتا ہے (مفردات القرآن تالیف امام راغب اصفہانی ص ۱۹۲ جلد دوم)

عِلمِ حمد (لوائے الحمد) یعنی محشر میں جو علم نصب کیا جائے گا، میرانیس کربلا کے علم کو "عِلمِ حمد" کہتے ہیں، (ایک جگہ امام حسین فرماتے ہیں):۔

ہو سب کے سروں پر عِلمِ حمد کا سایا

میرانیس نے کربلا میں "عِلمِ فوجِ خدا" کی منظر کشی میں علم کی اہمیت کو محسوس کیا اور اپنے مرثیوں میں جہاں جہاں بھی علم کا تذکرہ کیا ہے اُسے اللہ کی ایک نشانی کے طور پر خالص جمالیاتی نقطۂ نظر سے اس کے ظاہری حُسن کی تصویر کشی کی ہے، علم کی مرقع کشی میں میرانیس نے اس کے پنجے کی آب و تاب، چمک دمک، اس کے سُنہرے رنگ کی جلوہ نمائی اور نور پاشی کے ساتھ ساتھ تقدس کے التزام کا

اہتمام بھی کیا ہے۔

میر انیسؔ کی نظر میں علم صانعِ قدرت کا شاہکار ہے:۔

جب کھینچ چکا شکل علمدار و علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

علم کی نورانیت

فوجِ خدا کا علم مصدرِ انوارِ الٰہی ہے اس لئے میر انیسؔ علم کو "منبعِ نور" کہتے ہیں، علم جوہر ہے اور نورِ علم عرض ہے، میر انیسؔ نے علم کی نورانیت کے پیشِ نظر حضرت عباسؑ کے علم کو "علمِ نور" سے تعبیر کیا ہے:۔

طوبیٰ ہو تو ایسا مہِ کامل ہو تو ایسا
ایسے "علمِ نور" کا حامل ہو تو ایسا

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ "علمِ نور"
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا النور انا النور

کس جنگ میں ایسے "علمِ نور" کھلے ہیں

اور یہ نورِ علم دراصل "نورِ الٰہی" ہے:۔

پنجہ جو بلا پھیل گیا "نورِ الٰہی"

پنجہ کی چمک:۔

علم کی نورانیت اور خصوصاً پنجہ کی چمک سے ایسا نور ساطع ہو رہا تھا کہ ساری فضا اور زمین کربلا منور ہو گئی تھی۔ میر انیسؔ اس نور کے رنگ کو دکھانا چاہتے ہیں تاکہ اُن کا سامع اور قاری اپنی حسِ بصارت سے سنہرے رنگ کو دیکھ سکے، میر انیسؔ نے نور کا رنگ نہ خالص سنہرا اور نہ خالص رُوپہلا بتایا ہے بلکہ کچھ کچھ گنگا جمنی کیفیت ہے کہتے وہ سنہرا ہیں لیکن تشبیہ سنہرے اور رُوپہلے دونوں رنگوں

سے دیتے ہیں۔ رنگ اور نور دو مختلف جوہر ہیں، نور لطیف ہے اور رنگ کثیف ہے، نور جب مادّے میں آتا ہے تو رنگ کا وجود ہو جاتا ہے، رنگ جب تک نور ہے اس کا نظر آنا دشوار ہے اسی لئے بہت سے رنگ نظر نہیں آتے، ایسے رنگ ماورائے حسیات ہوتے ہیں، بہت سے رنگ اللہ نے ایسے بھی خلق کئے ہیں جن کو انسان کی آنکھ اب تک نہیں دیکھ سکی ہے۔ نخلِ طور سے جو نور ساطع ہوا اس کا رنگ کیا تھا؟ ید بیضا کا نور جو حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے ساطع ہوتا تھا اس کا رنگ کیا تھا؟ قرآن نے ان رنگوں کو تیز سفید روشنی سے تعبیر کیا ہے لیکن حسّ بصارت ان رنگوں کا تعین نہیں کر سکتی، تجلّیٔ طور یعنی جو صاعقہ کوہِ طور پہ چمکا اس کا رنگ کیا تھا؟ قرآن نے اس کو بجلی کہا ہے، بجلی کا رنگ سُنہرا ہوتا ہے لیکن انسان کی آنکھ ان رنگوں کا احصا نہیں کر سکتی۔

میرانیس پنجہ کی چمک کو ان روحانی رنگوں سے قریب لے آتے ہیں اور مادّی سُنہرے رنگ جو انسان دیکھ سکتا ہے ان سُنہرے رنگوں کا استعارہ بھی علم سے کرتے ہیں، مثلاً وہ تمام روشن اور چمکدار چیزوں سے پنجہ کا ربط قائم کرتے ہیں، مثلاً سورج کی چمک، سونا، خطوطِ شعاع، صاعقہ وغیرہ، یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں انسان دیکھ سکتا ہے، میرانیس "سُنہرے رنگ" کی تشکیل میں خورشید، آفتاب، سورج کے لفظ استعمال کر کے سُورج کی روشنی کے رنگ کو اجاگر کرتے ہیں:-

خورشید ہے یا پنجۂ تابانِ علم ہے

یہ شانِ علم اور پھریرے کا وہ عالم
یہ ابرِ کرم ہے تو وہ نیّرِ اعظم

اللہ رے نورِ علم و حُسنِ علمدار
صحرا کی زمیں بن گئی سب مطلعِ انوار

پہنچی جو ضیا چرخ پہ پنجے کی زمیں سے
آوازِ درود آنے لگی چرخِ بریں سے

پنجہ مثالِ پنجۂ خورشید زرفشاں

جوں پنجۂ خورشید علم دور سے چمکا

پنجہ نہ تھا نشانِ ثریا مآب کا
تھا فرقِ جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

پانی میں یکایک جو پڑا عکس علم کا
تھا پنجۂ خورشید کہ آئینے میں چمکا

پنجہ کا سُنہرا رنگ

یہ بات واضح ہے کہ میرانیس پنجہ کا رنگ خالص سُنہرا بتاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ پنجہ کے نور سے دشت بھی سُنہرا ہو گیا تھا:۔

پنجہ وہ سُنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

ناگہہ نظر آیا علم دین کا پھریرا
پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سُنہرا

میرانیس نے علم کی تصویر میں سبز رنگ کے ساتھ سُنہرا رنگ بھی بھرا ہے، اُن کی کوشش ہے کہ سُنہرا رنگ واضح سے واضح تر ہو جائے، ابر میں بجلی چمکنے کا سماں بھی سب نے دیکھا ہے، وہ سُنہرا رنگ بھی میرانیس کی نظر میں ہے:۔

ع بجلی نہیں پنجہ یہ لپکتا ہے علم کا

ایسا نہ ہو کہ اُن کے بنائے ہوئے سُنہرے رنگ کو خورشید اور بجلی کا سُنہرا رنگ تسلیم کر لیا جائے اس لئے وہ علم کے پنجہ اور خورشید کا تقابل کرتے ہیں اور پنجہ کے سُنہرے رنگ کو خورشید کی چمک سے افضل قرار دیتے ہیں:۔

پنجہ کی ضیا دیکھ کے خورشید تھا ششدر

خورشید بھی منھ رشک سے تکتا ہے علم کا

تھی اس کی ضیا آئینہ مہر سے دہ چند

سورج چوتھے آسمان پر ہے اور حضرت عیسیٰؑ بھی چوتھے آسمان پر ہیں، میرانیس رنگ بھی بتاتے ہیں اور عظمت بھی، عبرانی زبان میں عیسیٰ کے معنی سُرخ رنگ ہیں' دیکھئے میرانیس کی فکر میں کیسا رنگ آیا ہے:۔

عیسیٰؑ نے پکارا کہ نثار اُس کے حشم کے
خورشید نے منھ رکھ دیا پنجہ پہ علم کے

پنجہ کی چمک آسمان پر تھی اور سورج کی روشنی زمین پر

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
اس کی ضیا تھی خاک پر ضو اس کی عرش پر

پنجہ کی زرریزی کو میرانیس مختلف زاویوں سے واضح کرتے ہیں:۔

زرریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

پرچم فزوں تھا حُسن میں گیسوئے حور سے
خورشید زرد ہو گیا پنجے کے نور سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
اعمیٰ کی پُتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر

اللہ ری چمک علم بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم
پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بدم

زرریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند
یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند

پنجہ کی چمک دمک اور سنہرے رنگ کے سامنے سورج کا رنگ پھیکا تھا :۔
کیوں کر نہ جھپکے چشمِ جہاں بینِ آفتاب
پنجے سے اُس کے آنکھ ملانے کی کس کو تاب

لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجہ کی چمک
شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہے خورشیدِ فلک

ہم پنجہ ہو پنجہ سے یہ کیا مہر کا مقدور

تھی اُس کی ضیا آئینہ مہر سے دہ چند

خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

میرانیس کہتے ہیں خورشید کے ساتھ چاند بھی علم کے پنجہ سے خجل ہے کہ علم نورِ مصدرِ انوار الٰہی ہے :۔

پنجہ سے خجل پنجۂ خورشید و رُخِ ماہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ

پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی

اور چونکہ یہ مصدرِ انوارِ الٰہی ہے اسے خورشید نہ سمجھا جائے :-

خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا

علم کے پنجہ کا رنگ سونے جیسا یا سورج کی روشنی جیسا نہ سمجھ لیا جائے اس لئے میر انیسؔ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ پنجہ کا رنگ ہے تو سُنہرا لیکن سونے، چاندی اور سُورج کی روشنی سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے :-

پرچم فزدں تھا حُسن میں گیسوئے حور سے
خورشید زرد ہو گیا پنجے کے نور سے

یدِ بیضا اور پنجہ :-

یدِ بیضا اور پنجہ میں ہاتھ کی مناسبت ہے، قرآنی آیات میں یدِ بیضا نور ہے، اور اب میر انیسؔ روحانی رنگوں کی طرف حسِ بصارت کو مبذول کرتے ہیں تاکہ پنجہ کی چمک، اس کا سُنہرا اور رو پہلا رنگ (گنگا جمنی رنگ) اور اس کے تقدس کا بیک وقت تصور پیدا ہو سکے، چنانچہ وہ یدِ بیضا کی چمک سے معنوی مناسبت پیدا کرتے ہیں :-

پنجہ پہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا

ہے نور کا عالم علمِ فوجِ خدا پر
موسیٰؑ نے دھرا ہے یدِ بیضا کو عصا پر

پُر نور تھا پنجہ کفِ موسیٰؑ سے ضیا میں

پنجہ سے تجلّی یدِ بیضا کی عیاں ہے

پنجے نے جلوۂ کفِ موسیٰ دکھا دیا

پنجہ میں ضیائے یدِ بیضا نظر آئی

تجلّیٔ طور اور پنجہ :۔

یدِ بیضا کے بعد انیسؔ کا ذہن شجرِ طور، شمع طور، تجلّیٔ طور اور رُخِ حور کی طرف جاتا ہے:۔

دامن وہ سبز اور وہ پنجہ کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرّد سے روئے حور

فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمع طور

عکس اُس کا فزوں حُسنِ رُخِ حور سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ رُخِ طور سے چمکا

پنجہ سے نشاں آیۂ رحمت کا عیاں تھا
اس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا

لیکن شمع طور، تجلّیٔ طور، شعلۂ طور، اور روئے حور سے علم کے پنجہ کی تعبیر میر انیسؔ پنجہ کی چمک دمک اور سنہرے رنگ کو سمجھانے کے لئے کرتے ہیں ورنہ علم کا پنجہ اور زیادہ پُرنور ہے :۔

موسیٰؑ نے تجلّی میں نہ دیکھی چمک ایسی

پھر تقدیس اور چمک دمک کی ملی جُلی مناسبت کے لئے میر انیسؔ کی نظرِ انتخاب قرآن کی سُورۂ والشمس کی آیت پر پڑی وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا " قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی "

ع یا سورۂ والشمس کی آیت ہے یہ رایت

آخر میں میرانیس کو قرآن سے ایک افضل ترین اور محکم دلیل مل ہی جاتی ہے :۔

دیکھو تو حشم بازوئے شاہِ شہدا کا
سایہ سرِ پُر نور پہ ہے دستِ خدا کا

اب میرانیس علم کے پنجہ کو "اللہ کا ہاتھ" کہتے ہیں، قرآن کی آیت ہے "یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" "اللہ کا ہاتھ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔"

نجفِ اشرف میں حضرت علی علیہ السلام کے روضۂ مبارک کے گنبد پر جب نادر شاہ دُرّانی نے سونے کا پنجہ نصب کیا تو اس کی تاریخ اِسی آیت سے نکلی۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (سورۂ فتح آیت ۱۰)

"اللہ کا ہاتھ سب پر فوقیت رکھتا ہے"

علم کا پنجہ مصدرِ انوارِ الٰہی ہے اور یہ سُنہرا پنجہ ہر رنگ پر فوقیت رکھتا ہے کہ اللہ کا بھی ایک رنگ ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (سورۂ بقرہ آیت ۱۳۸)

"اللہ کا رنگ سب سے بہتر رنگ ہے اور اللہ کا رنگ اختیار کرو"

دوسرا ترجمہ:۔ اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر رنگنے والا کون ہے"

میرانیس کہتے ہیں :۔

پنجہ سے خجل پنجۂ خورشید و رُخِ ماہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ

"ب"

فلکیاتی سُنہرے، روپہلے رنگ"

میرانیسؔ کی شاعری کا نظامِ شمسی جس میں مہر کے پرتو کی چمک، چاند کی جلوہ گری، ستاروں کی چھاؤں، جادۂ کہکشاں، ٹوٹتے تاروں کی روشنی، خطوطِ شعاع کی تنویر، سحاب میں تڑپتی بجلی، دائرۃ البروج کے رنگوں کا سیلاب ہے۔ یہ سُنہرے رنگ میرانیسؔ کی بنائی تصویروں کی جگمگاہٹ میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

سُورج

سُرخ رنگ کے باب میں سُورج کا رنگ سُرخ بتایا جاچکا ہے، عاشور کی صبح اس کے منھ پر سُرخی تھی پھر اُس میں سُنہرا پن پیدا ہوا اور امام حسینؑ کی جنگ کے وقت اس پر زردی چھاگئی، وقتِ عصر جب امام حسینؑ کی شہادت ہوئی سورج میں گہن لگ گیا اور وہ سیاہ ہوگیا۔

یہاں سورج کے سُنہرے رنگ کے چند (Shade.) دیکھئے، میرانیسؔ سُورج کے لئے حتی الامکان تمام اُردو، فارسی اور عربی لفظ استعمال کرتے ہیں آفتاب، خورشید، مہر، نیرِ اعظم، شمس، سورج، اشرفی، خاور، علاوہ ناموں کے تراکیب میں آئینہ، مہر، پنجۂ آفتاب، پیمانۂ خورشید، پنجۂ خورشید، تاجِ آفتاب، خورشیدِ خاور، تاجِ زری، نیرِ افلاک، شمس الضحیٰ، والشمس استعمال کرتے ہیں۔ سُورج کی کرنوں کے لئے تارِ شعاع، خطِ شعاع، شعاعِ مہر، کی تراکیب لاتے ہیں۔ سورج اُن کے یہاں ایک کردار بن کر اُبھرتا ہے، اس لئے خورشید کا جلال، رُخِ خورشید، آفتاب کی مسافت، آفتاب کی ڈھال، چشمِ آفتاب، آفتاب کا آنکھ جھپکنا، نیزے پہ آفتاب، درخشانی مہر، آفتاب کا شرمانا، رجعتِ آفتاب، ضیائے شمس، چشمِ شہ خاور میں آنسو، تنِ خسروِ خاور میں لرزہ، آفتاب کی حدت اور تاب و تب، خورشید کا نور، رنگِ رُخِ خورشید، منازلِ خورشید، نیرِ تاباں، رعشۂ خورشید، آئینۂ خورشید،

سُورج کی آگ، خورشید کے شعلے، مُہرِ مہر متعدد تراکیب سے سورج کی سُنہری روشنی میرانیسؔ کی تصادیر میں سُنہرے رنگ کا سونا بکھیر دیتی ہے :۔

میرانیسؔ نے مرثیوں میں سورج کا لفظ بہت کم استعمال کیا ہے :۔

ع سورج کی چمک، چاند کا منہ نور کی آنکھیں

ع سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں

ایک جگہ سُورج کو "سلطانِ غرب و شرق" کے خطاب سے نوازا ہے :۔

ع سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

سُورج بھی ایک ستارہ ہے لیکن وہ نسبتاً دُنیا کے اتنا پاس ہے کہ اس پر دُنیا کی دونوں گردشوں کا اثر پڑتا ہے"۔[۱]

میرانیسؔ نے بھی سورج کو ایک جگہ ستارہ کہا ہے :۔

ع خورشیدِ جہاتاب ستارہ نظر آیا

آفتاب کی تصویر کے سُنہرے رنگ دیکھنے کے لئے یہ یاد رکھئے کہ میرانیسؔ نے سورج کا لفظ دو تین ہی مرتبہ استعمال کیا ہے لیکن سب سے زیادہ لفظ "آفتاب تقریباً دو سو مرتبہ اُن کے کلام میں آتا ہے۔ اس کے بعد "خورشید" کا لفظ ہے نو ۹۰ے مرتبہ۔ "مہر" کا لفظ چونتیس ۳۴ مرتبہ اور "نیّر" کا لفظ پانچ ۵ مرتبہ خاور کا لفظ تین مرتبہ اور چراغ کا لفظ سورج کے لئے ایک مرتبہ آتا ہے، لیکن یہ حتمی تحقیق نہیں ہے کم زیادہ بھی ہو سکتا ہے

سورج کی اہمیت؛

سُورج روشن اور چمک دار کُرہ ہے اور ہماری زندگی کا ضامن ہے، اس کے دم سے یہ بزم قائم ہے، سورج اپنے پورے نظام کا سربراہ ہے، عطارد، زحل، مریخ، مشتری،

---

[۱] سیرِ افلاک مؤلفہ مرزا محمد رشید ایم اے ص۵۰ انجمن ترقی اردو کراچی۔

زھرہ ۔ یورنیس ، نیپچون اور پلوٹو اس کے گرد گھوم رہے ہیں ،

حضرت علی علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ سورج کے عقب میں کیا ہے ۔ فرمایا " ایک دوسرا سورج " ، پوچھا کہ اس کے پیچھے کیا ہے " ایک دوسرا سورج " پھر ارشاد فرمایا کہ اگر قیامت تک پوچھتے رہو گے تو میں کہتا رہوں گا کہ " دوسرا سورج " اس بات سے سورجوں کی تعداد اور کائنات کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ،

ستارے بجائے خود سورج ہیں ، یہ منبع نور ہیں اور اپنی ہی روشنی سے روشن ہیں یہ کروڑوں ستارے کہکشاں میں سورج سے کئی ھزار گنا بڑے ہیں ، میرانیس نے یہ بات بہت ہی اچھوتے انداز میں کہی ہے :۔

ع " خورشید میرے پاس ہیں انجم سے زیادہ "

میرانیسؔ اپنے آفتاب کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں :۔

دنیا میں آفتاب نہ ہو جب تو رات ہے

خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے

سورج کا سفر :۔

سورج بھی ایک روشن ستارہ ہے لیکن وہ دنیا کے اتنا پاس (فقط نو کروڑ میل سے کچھ اوپر دور) ہے کہ اس کی مسافت کا احساس ہوتا ہے ۔ وہ روزانہ مشرق سے مغرب کو چلتا دکھائی دیتا ہے ، اسی لئے میرانیسؔ نے کہا تھا :۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کا رُخِ بے حجاب نے

علم ہیئت میں یہ مثالِ عُرفی ہے سورج نہیں چلتا بلکہ ہماری زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے لیکن کہتے یہی ہیں کہ سورج چل رہا ہے ، سورج نکلا ، یعنی طلوع ہوا سورج غروب ہوا ۔ حالانکہ سورج نہ طلوع ہو رہا ہے اور نہ غروب ہو رہا ہے بلکہ زمین گھوم رہی ہے تو زمین پر رات اور دن ظاھر ہو رہے ہیں ، مثالِ عُرفی ہیں جب ہم

ٹرین پر بیٹھ کر سفر کرتے ہیں تو کہتے ہیں لکھنؤ آگیا، الہ آباد آگیا، حالانکہ ہم وہاں پہنچے ہیں وہ نہیں آیا اسی طرح آفتاب آیا ہے کہتے ہیں مراد زمین وہاں پہنچی تو صبح ہو گئی،

میرانیسؔ نے سورج کا سنہرا رنگ اپنی تصویروں میں سورج کی روشنی سے بنایا ہے:-

جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا
اور جلوۂ خطوطِ شعاعی عیاں ہوا

چھپا جو چاند زمانے میں آفتاب آیا

سحر کو چاند چھپا دن کو آفتاب آیا

گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب

وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشید خاوری

نکلا ہے چیر کر شب یلدا کو آفتاب

پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے

خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر

خورشید کا وہ نور سحر کا وہ سپیدا

تاباں جو رخِ نیرِ افلاک ہوا تھا

خورشید نے جو رُخ سے اُٹھائی نقابِ شب

پہنچا جو مُہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب

سورج کے طلوع ہوتے ہی فضا میں سُنہرا رنگ پھیل گیا۔

گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

جلوہ وہ دم صبح کا وہ نور کا عالم

طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے

قرآن نے سُورج کے سُنہرے رنگ کی روشنی کو "ضیاء" کہا ہے، "جَعَلَ الشَّمسَ ضیاء"
میر انیسؔ نے قرآن کی روشنی میں یہی بات کہی ہے :۔

خورشید کا وہ نور، سحر کا وہ سپیدا
شرح جَعَلَ الشَّمسَ ضیاءً تھی ہویدا

چاند

سورج کے بعد آسمان میں سب سے روشن چیز یہی چاند ہے، چاند کا رنگ نقرئی ہے۔ چاند کی کرنیں، چاند کی چاندنی کا رنگ، چاند کا گھٹنا بڑھنا، کبھی اس کا ہلال بننا اور کبھی چودھویں تاریخ کو بدر کامل بن جانا، چاند کا برج شرف میں آنا، برج شرف سے باہر آنا، کسی روشن ستارے کا چاند کی اوٹ میں آنا میر انیسؔ کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ میر انیسؔ نے یہ چاند کے روپہلے مناظر تصویروں میں محفوظ کر دیئے ہیں، میر انیسؔ نے چاند کے مختلف نام بتائے ہیں مثلاً

زیبا ہے اس کو کہیے اندھیرے کا چاند گر

چاند، ماہ، بدر، ہلال، قمر، مہتاب، مہ نو، ماہِ دو ہفتہ، مہ کامل وغیرہ میر انیس کی شاعری میں چاند اپنے خوبصورت روپہلے نور کے ساتھ تاریک راتوں کا چراغ ہے، یہ ماہِ تاباں نہ صرف بیابانوں میں رات کے مسافروں کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کی مناسب اور ملائم روپہلی روشنی سارے کرۂ ارضی کے رہنے والوں کے لئے سکون و آرام اور نشاط و مسرت کا باعث ہے، میر انیس کی شاعری میں روپہلا رنگ چاندنی کے روپ میں بہتا نظر آتا ہے:۔

تھا اک طرف تو جلوۂ مہتاب آسماں
اک سمت اختروں کے چراغوں کا وہ سماں
کم تھی وہ جا جہاں میں نہ ہو روشنی جہاں
افشاں چنے ہوئی تھی ستاروں کی کہکشاں
جلوہ جدا تھا عقدِ ثریا کے نور کا
روشن تھا جھاڑ بام فلک پر بلور کا

تاباں تھے شہر و بحر و بیاباں و کوہسار
اک اک شجر پہ سرو چراغاں کی تھی بہار
تحریک سے ہوا کے جو ملتے تھے برگ و بار
گرتا تھا چھن کے نور درختوں کے بار بار
ہر دم تھا چاندنی سے فزوں روپ چھاؤں کا
تھا فرش ہر شجر کے تلے دھوپ چھاؤں کا

ستارے، افشاں، کہکشاں، عقدِ ثریا، بلور، روپ چھاؤں، چاندنی دھوپ چھاؤں کے نقطوں سے میر انیس نے روپہلا رنگ تصویر میں بھر دیا ہے۔

قرآن نے چاند کو "نور" کہا ہے" نور بھی وہ نور جو گنگا جمنی ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (سورۂ نوح آیت ۱۶)

" ان میں سے چاند کو نور اور سورج کو چراغ قرار دیا ہے" میر انیس بھی یہی کہتے ہیں:۔

ع " مہتاب خجل نور میں خورشید ضیا میں"

نور کے ساتھ ساتھ چاند کی منزلیں بھی مقرر کر دی گئی ہیں:۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ (سورۂ یونس آیت ۵)

" اللہ نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور قرار دیا ہے اور اس کے لئے منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ تم برسوں کی تعداد اور کاموں کا حساب جان لو"

میر انیس نے شمسی اور قمری حساب کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے :۔

ہے آسمانِ حسن و شرف یہ فلک جناب ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب ہاں دیکھ لیں رُخِ خلفِ ابنِ بوتراب

باریک بیں سمجھ گئے مطلب انیس کا
انتیس ۲۹ کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس ۳۰ کا

پہلی رات میں چاند ایک باریک سا ہلال ہوتا ہے اور پھر ہر روز بڑھتا رہتا ہے تقریباً آدھے مہینے تک یوں ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ کم ہوتا ہے یہاں تک مہینے کے آخری ایک دو دن میں محاق (اماوس) کی تاریکی میں ڈوب جاتا ہے اور پھر دوبارہ ہلال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ یہ ایک زندہ طبعی تقویم ہے جسے عالم و جاہل پڑھ سکتے ہیں اور اس سے اپنے امورِ حیات کا حساب رکھ سکتے ہیں اور یہ شمسی و قمری حساب علاوہ روشنی کے ہمارے لئے چاند و سورج کا ایک اور فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔

میر انیس نے " منازلِ قمر " کے سلسلے میں اشارے کئے ہیں :۔

ع " گردش اُسے آتی ہے نظر دورِ قمر میں "

صرف چاند ہی نہیں بلکہ سورج کی بھی منزلیں ہیں اور وہ ہر وقت کسی مخصوص برج میں ہوتا ہے ۔ برجوں کا یہی اختلاف تاریخ اور شمسی مہینوں کے بننے کی بنیاد ہے ۔ میر انیس نے سورج کی منزلوں پر بہت کچھ کہا ہے :۔

ع " خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

بہر حال یہاں گفتگو ہے چاند کی ۔ میر انیس نے چاند اور سورج کی منازل اور طلوع و غروب کو موضوع بنایا ہے :۔

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دِلو طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا ، شب کو آفتاب نہ تھا
جہاں میں رہتی ہے روشن دلوں کی آمد و رفت
سحر کو چاند چھپا ، دن کو آفتاب آیا

ستاروں کا علم یا علم النجوم (Astronomy.) ایک باقاعدہ سائنس کا روپ اختیار کر گیا ہے جسے علم فلکیات یا علم کائنات (Space Science.) کی صورت میں معروض وجود میں آ گیا ہے''۔ [۱]

سورج کے گرد نو[۹] سیارے اور ان کے قمر، پندرہ[۱۵] سو سے زائد سیارچے، ان گنت دم دار ستارے اور شہاب ثاقب گردش کرتے ہیں اور اس نظام پر سورج کی حکمرانی ہے نظامِ شمسی کے اہم اراکین عطارد، زہرا، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورے نس، نیپچون، پلوٹو ہیں۔ زمین پہ ایک چاند طلوع ہوتا ہے، مریخ پر دو[۲] چاند نظر آتے ہیں۔ مشتری پہ بارہ[۱۲] چاند ہیں، زحل سے دس[۱۰] چاند نظر آتے ہیں، یورے نس کے پانچ چاند اور نیپچون کے دو[۲] چاند ہیں، خلا میں پہنچنے والے انسانوں نے یہ حسین مناظر دیکھ لئے ہیں، یہ سنہرے رو پہلے رنگ فضا میں بکھرے ہوئے ہیں۔ میر انیس نے خلا میں سفر کس طرح کیا اور وہ بھی جب کہ خلائی سفر کا تصور ذہنِ انسانی میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا میر انیس نے اتنے چاند دیکھے اور دکھائے ہیں کہ اُن کے رنگوں سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں:۔

''آٹھ مہ نو'':۔

ع تابندہ تھے جو آٹھ مہ نو اِدھر اُدھر

''سترہ چاند'':۔

ع یہ سترہ[۱۷] تو چاند ہیں، باقی ستارے ہیں

''دو[۲] مہ نو'':۔

ع ہیں دو[۲] مہ نو، بال سے، اک بدر کے نیچے

ع دو[۲] بدر شبیں چار، شش و پنج کی جا ہے

''دس[۱۰] چاند'':۔

ہر سفتہ میں دس[۱۰] بدر ہیں اور دس[۱۰] مہ نو ہیں

(زُحل میں دس چاند طلوع ہوتے ہیں)

---

[۱] کائنات اور اس کا انجام ص۵۔ تالیف پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم مطبوعہ جنگ پبلشرز لاہور

"بارہ[۱۲] قمر":-

بارہ قمر ایک برج سے باہر نکل آئے

"چار چاند":-

گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

"دو[۲] چاند":-

ع دو راتوں میں دو[۲] چاند نظر آتے ہیں دن کو

ع دو[۲] چودہویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

"ہزاروں ہلال"

ع اک آفتاب تھا تو ہزاروں ہلال تھے

"بہتر[۲] چاند":-

کیا اُس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتر[۲] ہیں وہاں ایک قمر ہے

گردوں کو ایک، اُس کو بہتر[۲] قمر ملے

"چار[۳] بدر اک ہلال":-

اس شب میں چار بدر تھے اور اک ہلال تھا

دیورے لس، میں پانچ[۵] چاند طلوع ہوتے ہیں

نظامِ شمسی کے سیارے

سورج کے گرد نو سیارے اور اُن کے چاند، ڈیڑھ ہزار سے زائد سیارچے، لاکھوں دم دار تارے اور شہابِ ثاقب گردش کرتے ہیں اور اس نظام پر سورج کی حکمرانی ہے۔ اس وقت زمین کے علاوہ نظامِ شمسی کے دریافت شدہ آٹھ اہم سیارے ہیں اُن کے نام ہیں عُطارد، زُھرہ، مریخ، مشتری، زُحل یورے نس (ستارۂ سکینہ) نیپچون اور پلوٹو، ان کے علاوہ ایک ہزار چھ سو سے زائد چھوٹے سیارے ہیں جنہیں سائنس داں اسٹرائڈز (Asteroids.) کہتے ہیں اور یہ سب مریخ اور مشتری کے مدار کے درمیان گردش کرتے ہیں۔

جو سیارے آفتاب کے گرد گردش کر رہے ہیں وہ میر انیس کی نظر میں ہیں:۔

ع "گویا سارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے"

میر انیس سیاروں اور ثوابت کا فرق واضح کرتے ہیں، سیارے جو گردش کرتے ہیں ثابت جو گردش نہیں کرتے،

ع سیاروں پہ ثابت تھا کہ اب گرتے ہیں افلاک

ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اختر سیار

سیاروں پہ ثابت ہے کہ یہ حشر کا دن ہے

سیاروں پہ ثابت ہے کہ راحت ہوئی نایاب

"سبع سیارہ"

(مریخ، مشتری، زحل، زہرہ، عطارد، شمس اور قمر یہ سبع سیارہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں، میر انیس نے ان سات سیاروں کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

ع "پانچوں حواس سبعہ سیارہ ہو گئے"

سیارے کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چلتے چلتے تھم گئے یا تھوڑی دیر کے لئے اُلٹے پاؤں مشرق سے مغرب کو چلنے لگے، اسی اُلٹی روش کو ہمارے ہیت داں "رجعت قہقری" (Retrogredemotion.) کہتے ہیں اور جن پانچ سیاروں، عُطارد، زُہرہ، مرّیخ، مُشتری، زُحل، میں یہ رجعت پائی جاتی ہے اُن کو خمسۂ متحیّرہ کہتے ہیں۔ سورج اور چاند میں یہ رجعت نہیں پائی جاتی، وہ تاروں کے حساب سے ہمیشہ تقریباً ایک رفتار سے مغرب سے مشرق کی طرف برابر حرکت کرتے رہتے ہیں۔

"خمسۂ متحیرہ میرانیس کی نظر میں"

عطارد:۔ ہندی میں "بدھ" فارسی میں "دبیر فلک" اور انگریزی میں (Mercury.) کہتے ہیں، عُطارد سیاروں میں سب سے چھوٹا ہے۔

میرانیس نے متعدد مصرعوں میں "عُطارد" کا ذکر کیا ہے:۔

دانتوں میں پکڑتا تھا عطارد قلم اپنا

ہاتھوں سے عطارد کے قلم چھوٹ پڑا ہے

منشیٔ آسماں مع دفتر ہوا طلب

ع تھرا کے عطارد نے صدا دی کہ چلا تیر

زُہرہ:۔ ہندی میں "سُوکھ اور شُکر" کہتے ہیں، فارسی میں "ستارۂ ناہید" انگریزی میں (Venus.) اور عربی میں "زُہرہ" کہتے ہیں۔ "ستارۂ سحری" اور "صبح کا تارہ" بھی کہتے ہیں تیسرے آسمان پر ہے۔ زُہرہ مثل چودھویں کے چاند کے روشن ہے، سورج سے ظاہری

قرب کو قِران اعلیٰ کہتے ہیں۔ سورج اور چاند کے بعد زُہرہ ہی سب سے روشن چیز آسمان میں ہے، باقی سب سیارے اُس کے آگے گرد ہیں۔ شام ہوتے ہوتے اُس کی قندیل آسمان میں جگمگانے لگتی ہے۔ اپنے پورے جوبن کے ساتھ سورج کے پیچھے پیچھے اس کا سفر جاری رہتا ہے۔

میر انیسؔ نے زُہرہ کے طلوع کا یہ حسین منظر پیش کیا ہے:۔

ع دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زُھرہ"

ع "طالع سرِ خورشید پہ ہے زُہرہٗ ازھر"

ع خورشید پہ اختر ہے یہ قدرت ہے خدا کی

ع زُہرہ کو آرزو ہے کہ رشکِ قمر بنوں

ع سجدے کا نشاں ہے کہ یہ صبح کا تارا

ع مثلِ ستارۂ سحری تھا وفورِ حُسن

ع یہ چاند تھا شب کا وہ ستارہ تھا سحر کا

حضرت علیؑ کے گھر میں یہی ستارہ اُترا تھا، جس کا ذکر قرآن کے سُورۂ والنّجم" میں کیا گیا ہے:۔

والنجم اذا ھَویٰ ..... میر انیسؔ کہتے ہیں:۔

حصّے میں ستارہ یہ نہیں اور کسی کے
تارا یہ وہ ہے گھر میں جو اُترا تھا علیؑ کے

مرّیخ :۔ فارسی میں "بہرام" ہندی میں "منگل" انگریزی میں (Mars.) کہتے ہیں، "ترکِ فلک، القاہر، جلّادِ فلک، سفید گھوڑا، اسی کے خطابات ہیں۔ زمین کے سب سے نزدیک سیارہ مرّیخ ہے۔ دُور سے یہ سیارہ سُنہرا نظر آتا ہے لیکن دوربین سے تمام رات آسمان میں سُرخ انگارے کی طرح دہکتا دکھائی دیتا ہے، اُس کی سُرخ خونی رنگت ہی اُس کا امتیازی نشان ہے۔ اور غالباً اسی رعایت سے اس کا نام جنگ کے دیوتا کے نام پر مرّیخ یا منگل رکھا گیا تھا۔ مرّیخ کا بیشتر حصہ ایک صحرا کی مانند ہے جس کی ریت یا مٹی نارنجی رنگ کی ہے، محور کے دونوں سرے سفید ہیں، موسم بہار میں سبزی نظر آتی ہے، گرمیوں میں رنگ بھورا ہو جاتا ہے، خزاں میں زرد، مرّیخ کی مٹی میں لوہا ہے، لوہے کے ذرّوں سے مل کر زنگار بن گئی ہے، اسی زنگار کی وجہ سے سیارے کا رنگ سُرخ نظر آتا ہے۔ مرّیخ میں دو چاند طلوع ہوتے ہیں۔ یہ چاند مرّیخ کے مغرب سے طلوع ہوتے ہیں اور مشرق میں غروب ہوتے ہیں، یہ چاند نہایت تیزی سے چلتے ہیں کہ آسمان میں جہاں تھے وہاں پھر چند گھنٹے کے بعد آموجود ہوتے ہیں یعنی رات میں اور دن میں دو دفعہ طلوع ہوتے ہیں اور دو دفعہ غروب،

میر انیسؔ نے ایسے دو چاند کہاں دیکھے تھے جن سے چار راتیں ہوتی ہیں :۔

"دو بدر شبیں چار، شش و پنج کی جا ہے"

ایک بُرج سے دو چاند برابر نکل آئے

دو چاند پہلوؤں میں ہیں اک آفتاب کے

میر انیسؔ نے دیگر سیاروں کی بہ نسبت مرّیخ کا ذکر سب سے زیادہ کیا ہے :۔

ع مرّیخ لرزتا ہے تو جو ھر سے اِسی کے

ع مرّیخ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے

ع مرّیخ کانپ جاتا تھا جن کے عتاب سے

خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے

ع رنگ رُخ جلادِ فلک ہو گیا تغیر

ع مریخ نے منہ اپنا چھپایا تھا خوف سے

ع دہشت سے تھر تھرا گیا مریخ آسماں

ع ہے اس کے ڈر سے زہرۂ مریخ آب آب

ع مریخ کے قبضے سے چھُٹی جاتی ہے شمشیر

ع نعرہ کروں تو زہرۂ مریخ آب ہو

زُحل :۔ فارسی میں "کیواں"، ہندی "سینچر" انگریزی (Saturn.) کہتے ہیں۔ زُحل کا فاصلہ سورج سے ساڑھے اٹھاسی کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہے۔ مُشتری کے بعد سب سے بڑا سیارہ یہی ہے۔ مُشتری کے بارہ چاند ہیں اس کے اٹھارہ چاند ہیں جن میں سے ایک تقریباً مریخ کے برابر بڑا ہے ان چاندوں سے

کہیں زیادہ نمایاں اور دلچسپ چیز زُحل کے سُنہرے حلقے یا چھلے (Ring Of Saturn.) ہیں جو تمام نظامِ شمسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، یہ روشنی کا ہالہ یا سُنہرے حلقے سائنس دانوں کی نظر میں لاکھوں ٹھوس ریزے یا ننھے ننھے ستارے ہیں جو زحل کے گرد چکر لگا رہے ہیں اور سورج کی روشنی میں دمک رہے ہیں، میرانیس کہتے ہیں :۔

ع "یہ سترہ تو چاند ہیں، باقی ستارے ہیں"

زُحل، سورج کے گرد اپنا چکر انتیس ۲۹ برس میں پورا کر لیتا ہے، زُحل آخری سیارہ ہے جو خالی آنکھ سے خاصہ چمکتا دکھائی دیتا ہے، رسمی نجوم کے مطابق سیاروں کی فہرست یہاں ختم ہو جاتی ہے کیونکہ زحل کے ساتھ میرانیسؔ نے ہم کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا ہے اور اُس سے آگے وہ فلک الافلاک ہے جس میں برج اور ستارے جڑے ہوئے ہیں۔ بُرج اور ستاروں کا تذکرہ اس کے بعد والے باب میں دیکھئے،

یہاں زُحل کو میرانیسؔ کی نظر میں دیکھئے

ع "دیکھو قِران ہوا زُحل و آفتاب کا"

پیکر زُحل کا مثل دو پیکر دو نیم ہو

لرزاں زحل تھا چرخ پہ بہرام گرمی سے[1]

ستارے

یہ ہزاروں روشن چمکتے ہوئے سُنہرے روپہلے ستارے جو رات کو دکھائی دیتے ہیں، دراصل ان کی تعداد لاکھوں، کروڑوں بلکہ عربوں اور کھربوں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ستارے دہکتے ہوئے سورج ہیں جن میں سے بہت سے ہمارے سورج سے کہیں بڑے اور روشن ہیں اور محض دُوری کی وجہ سے روشنی کے نقطے نظر آتے ہیں، میرانیسؔ ان سورجوں کی تعداد کے قائل ہیں گویا موجودہ سائنس کی تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں:۔

ع "خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ"

سائنس کہتی ہے کہ سورج بھی ایک روشن ستارہ ہے۔ میرانیسؔ بھی سورج کو ستارہ تسلیم کرتے ہیں:۔

ع "خورشید جہانتاب ستارہ نظر آیا"

---

[1] مریخ کو فارسی میں بہرام کہتے ہیں۔

سورج دنیا کے اتنا پاس ہے (فقط نو کروڑ میل سے کچھ اوپر دور ہے) کہ اس کی مسافت کا احساس ہوتا ہے وہ روزانہ مشرق سے مغرب کو چلتا دکھائی دیتا ہے، اسی لئے میر انیس نے کہا تھا۔

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کا رُخِ بے حجاب نے

نظامِ شمسی کے دائرے سے نکل کر کہکشاں پر ایک نظر ڈالیے، سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایک محتاط اندازے مطابق کائنات میں کوئی ایک ارب 1000,000,000 (گلیکسیز یعنی کہکشائیں Galaxies) موجود ہیں اور کہکشاں میں کوئی دس کروڑ 100,000,000 تا دس کھرب 1000,000,000,000 کے قریب ستارے موجود ہیں اور ہماری کہکشاں میں سورج کے جتنے بڑے ستارے تقریباً دس لاکھ کے قریب ہیں۔[1]

سیارے فلک پر اپنی جگہیں بدلتے رہتے ہیں لیکن ستارے اپنی جگہوں کو نہیں بدلتے، سیارے سورج کی روشنی سے روشن ہیں لیکن ستارے خود سورج کی طرح منبعِ نور ہیں اور اپنی ہی روشنی سے روشن ہیں، میر انیس حضرت امام حسین علیہ السلام کو آفتاب، حضرت عباسؑ کو قمر اور اصحاب و انصار کو ستاروں سے تشبیہ دیتے ہیں میر انیس نے روشن ستاروں کا ذکر بطور تشبیہ یا استعارہ جہاں بھی کیا ہے اُن کی بنائی تصویروں میں سُنہرے وزرد پیلے رنگ اُبھرنے لگتے ہیں اور یوں وہ تصویر دیگر رنگوں کے ساتھ سُنہرے وزرد پیلے رنگوں کی شمولیت کے سبب جگ مگ کرنے لگتی ہے، یہ تین بند ایک مرثیے سے دیکھئے ستاروں کی جگمگاہٹ سے ایک فضا قائم کی گئی ہے:۔

نکلے درِ دولت سے شہنشاہِ فلک جاہ — پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرت اللہ
اٹھارہ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ — جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقب ماہ

تھا فرش سے تا عرش سماں جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی دریچہ فلکِ نیلوفری کا

---

[1] کائنات اور اس کا انجام ص۲ مولف پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم مطبوعہ جنگ پبلشرز لاہور

شکّانِ سماوات یہ کرتے تھے اشارے — دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
آتی تھی صدا گرد ہیں یاں نورِ تمہارے — تارے یہ وہ تارے ہیں کہ جو ہیں ہمیں پیارے

یہ سب وہ بشر ہیں جو بنے نورِ خدا سے
ہے عرش بھی روشن انہیں تاروں کی ضیا سے

رُتبے ہیں زیادہ ملکِ نور سے ان کے — جلوے ہیں فزوں روشنیِ طور سے ان کے
کرتا ہے قمر کسبِ ضیا نور سے ان کے — عابد ہیں یہ نظارے کرو دور کر ان کے

اختر تو نکل آئیں گے سارے جو چھپیں گے
پھر ان کو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

میرانیسؔ نے ستاروں کے لئے عربی، فارسی اردو کے سبھی لفظ استعمال کئے ہیں۔ تارے، ستارے، کواکب، اختر، وغیرہ، ستاروں سے متعلق تراکیب و محاوروں کی چمک دمک سے افلاکِ انیسؔ کے سُنہرے وُرُو پہلے رنگ قابلِ دید ہیں:۔

اخترِ تابندہ، اخترِ تاباں، اخترِ دنبالہ دار (دُم دار ستارہ)، ستارہ دُنبالہ دار، اختر کی ضو، تارا ٹوٹنا، تارا جھلملانا، تارا سا چمکنا، تارا سی آنکھیں، تارا ہو جانا، تاروں بھری رات، تاروں کی چھاؤں، تارے اُتارنا، تارے توڑنا، تارے جڑنا، تارے جگمگانا، تارے جھڑنا، تارے چھٹکنا، تارے دکھانا، تارے دکھائی دینا، تارے نظر آنا، تارے نکلنا ستارہ اُبھرنا، ستارہ اچھا ہونا، ستارہ اوج پر ہونا، ستارہ اور ہونا، ستارہ بلند ہونا، ستارہ پیشانی، ستارہ ٹوٹنا، ستارہ جھلملانا، ستارہ چمکنا، ستارہ نکلنا، ستارۂ سحری، ستارۂ صبح، ستارے نکلنا، ستارے چھٹکے ہونا، ثابت (وہ ستارہ جو اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور گردش نہیں کرتا) شہابِ ثاقب، ثریّا (وہ چھ ستارے جو آسمان پر بالکل قریب قریب ہیں)

ستارہ اونچا ہونا:۔

اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا

تارے چمکنا:۔

تارے چمکتے تھے شبِ تاریک و تار میں

چار ستارے :۔

اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر

چھاؤں ستاروں کی :۔

وہ صبح اور چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور

تاروں کی چھاؤں میں :۔

لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ستارے چمکنا :۔

ذرّے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

نجوم بننا :۔

ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی

تاروں کی سیر :۔

جس طرح کریں سیر شبِ تار میں تارے

دو ستاروں کا ظہور :۔

یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور

ستارے کا زمین پر گرنا :۔

ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

حباب اور ستارے :۔

دریا تو آسماں ہے ستارے حباب ہیں

دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

ستارے جڑے ہونا :۔

خورشید کی تختی پہ ستارے یہ جڑے ہیں

زمین پہ ستارے چمکنا :۔

ذرّے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

اختر سے چمکنا :۔

اختر سے وہ چمکتے ہوئے کان کے گہر

ستارے نکلنا :۔

اے فلک دیکھ زمیں پہ بھی ستارے نکلے

تارے نظر آنا :۔

جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے

دریا سے گہرا ابر سے تارے نظر آئے

تارے اُتارنا :۔

تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر اُتارے

آفتاب جیسا ستارہ :۔

کیا اختر خورشید لقا ماہ سے چھوٹا

آسمان ستاروں سے بھرنا :۔

اک آسماں تھا کہ ستاروں سے بھر گیا

چار ستارے :۔

شب میں عیاں ہیں چار ستارے تو اک ہلال

ستارہ چمک پر ہونا :۔

خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر

دُر افشانیٔ انجم :۔

وہ نور قمر اور دُر افشانیٔ انجم

ستاروں کی بزم :۔

یہ بزم عزا آج ستاروں سے بھری ہے

چمکتے تارے :۔

بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

ستارے چھٹکنا :۔

چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں

انجم کی فوج :-

جاتی تھی یوں سواری سلطان بحر و بر
انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر

ستارے چھپنا اور نکلنا :-

گر، دن کو چھپے، شب کو نکلتے ہیں ستارے

پھر ان کو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

کہکشاں :-

کچھ کہکشاں سے بڑھ گئی تھی شان راہ کی

تارا ٹوٹنا :-

روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

ستارے زمین پر گرنا :-

ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

تھا خوف نجوم انکدرت بچرخ بریں کو

ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں

لے قرآن کی آیت ہے وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (سورۂ تکویر آیت ۲)

ترجمہ :- اور جس وقت ستارے ماند پڑ جائیں گے ۔

تارے اُتارنا:۔

تاروں کو فلک اُن پہ اُتارے تو بجا ہے

چاند ستارہ:۔

جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارہ

اگر دن کو تارے دیکھنے ہوں تو سورج گہن کا انتظار کیجئے اور سورج گہن بھی ایسا کہ سُورج کی پوری ٹکیا چھپ جائے۔ عاشور کو سورج گہن تھا۔

مشہور ستارے

ستارۂ سُہیل:۔

سہیل (Canopus.) تمام آسمان میں نہایت چمکدار، روشن اور مشہور ستارہ ہے جو ملکِ یمن میں طلوع ہوتا ہے اس لئے "سُہیلِ یمن" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سُہیل، سُورج کی روشنی سے کوئی اسّی ہزار گنا زیادہ روشن ہے۔

میر انیسؔ نے ستارۂ سُہیل کا ذکر تین مرتبہ کیا ہے:۔

ع جوہر کہیں فزوں تھے ضیا میں سہیل سے

ع تکمہ سُہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

ع جوہر چمک دکھاتے تھے سب صورتِ سہیل

عقدِ ثُریا:۔

بُرجِ ثور میں مشہور عقدِ ثریا (Pleiades.) ہے۔ اس کے چھ سات

ستارے جو دوربین سے سینکڑوں ہو جاتے ہیں اور ستاروں کے مقابلے میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں اور ایک ہی قافلے کے مسافر ہیں، ثریّا کے یہ ستارے سیاہ مخمل پر ہیرے سے ٹنکے جگ مگ کر رہے ہوتے ہیں، پاس پاس باریک تاروں کی سنہری افشاں سی خوب صورت معلوم ہوتی ہے، یہ سب ستاروں کے سنہرے جھرمٹ ہیں،

میر انیس نے "ثریّا کا ذکر پانچ[۵] مقامات پر کیا ہے :۔

گہہ تحت ثریٰ اوجِ ثریّا پہ کبھی ہیں
یاں ہیں کبھی اور طارمِ اعلیٰ پہ کبھی ہیں

رفعت نے اوج تابہ ثریّا دکھا دیا

اک زلزلہ تھا اوجِ ثریّا سے تا سمک

ایک ایک لڑی نظم ثریّا سے ہو عالی

نکلا ہے قمر عقدِ ثریّا کے برابر

ثریّا کو عام طور پر "جھمکا" اور سنسکرت میں "کرتکا" فارسی میں "پروین" کہتے ہیں، میر انیس نے ثریّا کا فارسی نام "پروین" بھی استعمال کیا ہے :۔

"کلغی ہے یا کہ خوشۂ پروین قریبِ سر"

سماک :۔

چھٹے برج "سنبلہ" جسے لاطینی میں ورگو (Virgo) کہتے ہیں، اسی برج کو عذرا بھی کہتے ہیں، برج سنبلہ میں سب سے روشن ستارہ "سماک الاعزل" ہے

اس کا لاطینی نام سپائیکا (Spica.) ہے۔

میر انیسؔ نے ایک جگہ "سماک ستارے" کا ذکر کیا ہے :۔

ع "گاہے سوئے سمک تو کبھی جانب سماک"

سُہا:۔

خزاں کا موسم نہیں تو قطب ستارے سے کچھ فاصلے پر "بنات النعش" کے سات ستارے دکھائی دے رہے ہوں گے اور یہ وہ ستارے ہیں جن سے اکثر لوگ آشنا ہیں۔ بنات النعش حصہ ہے ایک بڑے مجموعہ کا جو دبِ اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجموعہ کا سب سے چھوٹا اور باریک ننھا سا تارا جھلکتا نظر آتا ہے جسے الخوار (ضعیف) یا سُہا ستارہ کہتے ہیں۔

میر انیسؔ کی نظر میں یہ ننھا سا ستارہ بھی ہے :۔

ع "کیونکر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر"

فرقدین:۔

بنات النعش صغریٰ قطب تارا بھی ہے، اس میں بھی سات ستارے ہیں دو ستارے بہت روشن ہیں اور "فرقدین" کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور یہ دونوں ستارے سُنہرے چمک دار قطب کے گرد بغیر ڈوبے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ میر انیسؔ کی نگاہ میں "فرقدین" بھی ہیں :۔

ع کلغی سے سر کی صاف عیاں "فرِ فرقدین"

آسمانی بُرج

ستاروں کے درمیان سورج جس دائرہ میں درمیان سے سال بھر چلتا نظر آتا ہے اُسے "دائرۃ البروج" کہتے ہیں۔ آسمان پر دائرۃ البروج کے ساتھ ایک شاہراہ

ہے جس پر سورج چاند اور سیارے چلتے رہتے ہیں، اس شاہراہ کا نام منطقۃ البروج (Zodiacal Belt.) ہے۔ ہیئت دانوں نے منطقۃ البروج کو بارہ[12] حصّوں میں تقسیم کر رکھا ہے جو بُرج کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے نام الگ ہیں قرآن مجید میں ان برجوں کا ذکر آیا ہے :۔

والسّمآءِ ذاتِ البُروج (سورۂ برُوج آیت ۱)

قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔

ولقد جعلنا فی السّمآءِ بُروجاً وّ زیّنّٰہا للنّٰظرین (سورۂ حجر آیت ۱۶)

ہم نے آسمان میں بُرج قرار دیئے ہیں اور انہیں ناظرین کے لئے زینت عطا کی ہے

تبَارَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُروجاً (سورۂ فرقان آیت ۶۱)

"بابرکت ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے ہیں"

۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا ۴۔ سرطان ۵۔ اسد ۶۔ سُنبلہ ۷۔ میزان ۸۔ عقرب۔
۹۔ قوس ۱۰۔ جدی ۱۱۔ دلو ۱۲۔ حوت یہ سب بارہ[12] برج ہیں۔

میر انیس نے صرف چار برجوں کا ذکر کیا ہے :۔

ثور، اسد، سنبلہ، قوس۔

برجِ ثور :۔

ثور، بیل یا گائے کے جسم کے اگلے حصّے کی صورت ہے، اس برج میں تیس[30] ستارے ہیں، عقدِ ثریا بھی اسی میں شامل ہے،

میر انیس نے "برجِ ثور" کا ذکر دو جگہ کیا ہے :۔

ع تھرا رہا تھا ثورِ فلک وقتِ گیرودار

گھبرا کے ادھر ثور نے ماہی کو خبر کی

برج اسد :۔

یہ پانچواں برج شیر کی شکل ہے، اس برج میں ستائیس[27] ستارے ہیں۔

میر انیس نے برجِ اسد کا ذکر تین جگہ کیا ہے:۔

ع اٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیرِ آسماں

ع تھرا گیا دہشت سے بدن شیرِ فلک کا

ع تھرائے گرچہ برجِ اسد میں ہو آفتاب

برجِ سنبلہ:۔

سنبلہ چھٹا برج ہے، یہ ایک عورت ہے جو گیہوں کی بالی ہاتھ میں لئے ہے، اس میں چھبیس۲۶ ستارے ہیں،

میر انیس نے اس برجِ سنبلہ کا ذکر صرف ایک مرتبہ کیا ہے:۔

ع "ہے سنبلہ میں مہر کہ ہالے میں ماہ ہے"

برجِ قوس:۔

"قوس" نواں برج ہے، یہ دو۲ جسم ہیں، گردن سے نیچے کا جسم چارپایوں کا جیسا ہے اور اوپر کا جسم مرد کا ہے ایک کمان ہاتھ میں لئے کھینچ رہا ہے اور ایک تیر کمان میں جوڑے ہوئے ہے، اس میں اکیس۲۱ ستارے ہیں۔

میر انیس نے قوس کا ذکر چار جگہ کیا ہے:۔

ع "سہما ہوا منحنی شکم قوس میں ہے تیر"

ع "گویا کہ قوس میں تھا گزر آفتاب کا"

ع "یا شمسِ فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہو"

ع "یا قوس میں خورشیدِ جہاں تاب نہاں ہو"

قُطب ستارہ

زمین ایک وہمی خط کے گرد گھوم رہی ہے۔ زمین کے دونوں سرے جہاں زمین کی سطح پر ایک دوسرے کے مقابل نمودار ہوتے ہیں وہ دو مقام یا نقطے قطبین (Poles.) ہیں جن میں سے ایک قطب شمالی اور دوسرا قطب جنوبی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ قطبوں سے یکساں فاصلے پر دنیا کے گرد جو وہمی یا خیالی خط کھینچا جاتا ہے وہ خطِ استوا (Equator.) ہے۔ اس خطِ استوا پر کسی نقطے پر چوبیس ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر کاٹ لیتا ہے۔ دائرے کا نقطہ جتنا قطب شمالی یا جنوبی کے نزدیک اور خطِ استوا سے دُور ہوگا اتنا ہی اُس کا دائرہ چھوٹا ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اگر یہ نقطہ عین قطب پر واقع ہے تو دائرہ چھوٹا ہو کر بجائے خود ایک نقطہ بن کر رہ جاتا ہے۔ جب دُنیا گھومتی ہے تو قطب ستارہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ قطب شمالی کو "اُتر تارہ" بھی کہتے ہیں۔

میر انیسؔ نے اِسی قطب شمالی کے لئے کہا تھا

ع " عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی "۔

اس شمالی قطب کے مقابل میں ایک جنوبی قطب آسمان میں ہے مگر چوں کہ ہم دنیا کے شمالی نصف کُرہ میں رہتے ہیں اس لئے ہم اُسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔

ہر ایک ستارہ ایک دائرہ بناتا ہے اور اس دائرے کا مرکز قطب شمالی ہے، ستارے اپنے اوج پر تب آتے ہیں جب وہ قطب سے عین جنوب کی طرف ہوں نہ صرف ستارے بلکہ چاند سورج اور سیارے بھی اسی دائرہ قطب پر پہنچ کر اپنی پوری بلندی پر آتے ہیں۔ اسی دائرے کو دائرۂ نصف النہار کہتے ہیں۔

میر انیسؔ نے امام حسینؑ کی ثابت قدمی کو قطب اور دائرہ سے تشبیہ دی ہے۔ میر انیسؔ نے چمکتے ہوئے قطب کا منظر اور اس کا رنگ نہایت دلآویز طریقے سے پیش کر دیا ہے:-

سر کی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے
سچ ہے کہ قُطبِ دائرۂ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ اُمم ہٹیں

یہ قُطب آسماں و زمیں ہے کہاں ہٹے
زور اس سے آسماں کا بھی چلتا نہیں کبھی
نقطہ ہے دائرے سے نکلتا نہیں کبھی

شہابِ ثاقب:۔

وہ کروڑوں ذرّے جو سورج کے گرد فضا میں پھرتے ہیں اور زمین پر شہابِ ثاقب بن کر گرتے ہیں، انہی کی وجہ سے وہ پُراسرار روشنی (Zodiacal Light.) ہے جو کبھی کبھی افق پر صبح سے پہلے یا شام کے بعد سُنہری دکھائی دیتی ہے اور ایک چوڑی شعاع کی صورت میں اُٹھتی ہے اور منطقۃ البروج کے ساتھ ساتھ بلند ہو کر گاؤدُم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ وہی ذرّے ہیں جو سُورج کے نور سے منوّر ہیں، غالباً یہی روشنی صبح کاذب کہلاتی ہے۔

شہابِ ثاقب کا ذکر قرآن میں موجود ہے فاتبعہٗ شہابٌ ثاقبٌ (سورۂ صافات آیت ۱۰)

شہابِ ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں"۔

تاریک اور ستاروں بھری رات میں اکثر یہ آتشیں شعلے جو آسمان میں ایک لمبے خط کی صورت میں اُبھرتے ہیں اور زمین کی طرف دوڑتے ہیں اور زمین کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوا کے ساتھ تیزی اور شدت سے ٹکرانے کی وجہ سے شعلہ ور ہو جاتے ہیں، شہابِ ثاقب ستاروں کے مانند پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو فضا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

میر انیسؔ نے یہ بھری رنگ سُنہرے روپہلے روپ میں اپنی تصویروں میں نہایت

خوبصورتی سے بھر دیئے ہیں :-

عالم تھا ہر خدنگ پہ تیرِ شہاب کا

گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

ایسی سبک روی نہیں دیکھی شہاب میں

شہابِ ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر اڑتالیس ہزار کلومیٹر (۴۸۰۰۰ ہزار) فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کی طرف آتے ہیں جب وہ زمین کی فضا میں داخل ہوتے ہیں تو بخارات بن کر بکھر جاتے ہیں اور چھوٹے شہابیے اس زمین پر آتے ہیں اگر یہ پوری طاقت کے ساتھ زمین سے آکر ٹکراتے تو زمین پر زندگی کا نام و نشان تک مٹ جاتا

دُم دار تارے :-

سال میں پانچ چھ دم دار تارے ضرور نمودار ہوتے رہتے ہیں، دُم دار تارے سورج کے قریب آتے ہی شدت سے چمکنے دمکنے لگتے ہیں، اور اُن کی دم جو سُنہرے رنگ کی ہوتی ہے پھیل کر جھاڑو کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ دُم کی صورت میں جو مادہ تارے کے سر سے نکلتا ہے وہ واپس تارے میں آتا بلکہ فضا میں منتشر ہو جاتا ہے، شہاب یا ٹوٹنے والے تارے زیادہ تر یہی پتھر باریزے ہیں جو فضا میں سُنہری روشنی کی طرح بکھر جاتے ہیں۔

میرانیسؔ نے دم دار تاروں کا ذکر متعدد جگہ کیا ہے

ع "دُنبالہ دار گرتے تھے تارے اِدھر اُدھر

(ج)

روحانی سنہرے، روپہلے رنگ

"Henry Corbin, " ہنری کوربن نے اپنی کتاب۔ Temple And Contemplation, میں تحقیقی مقالہ کا موضوع "The Realism And Symbolism Of Colours In Shiite Cosmology" رکھا ہے۔ ہنری نے اس مقالے میں شیخ محمد کریم خاں کرمانی (المتوفی ۱۸۷۰ء) کے "رسالۂ یاقوتِ سُرخ" کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ہنری نے مقالے کا عنوان "کائناتِ شیعیت میں رنگوں کے حقائق اور رموز" چونکا دینے والا رکھا ہے۔ ہنری نے روحانی رنگوں پر بھی بحث کی ہے، اس کی بحث کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے:۔

نور اور رنگ دو الگ چیزیں ہیں، روشنی رنگوں کے ظہور کا ذریعہ ہے نہ کہ وجود کا اور رنگ کائنات کے ہر افق پر حیاتی اور ماورائے حیاتی حیثیت میں موجود ہوتے ہیں۔ روشنی اور رنگ کے ربط کے سلسلے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مختلف اجسام جو صفاتی اعتبار سے مختلف ہوں ایک جیسے رنگ کا مظاہرہ کر سکتے ہیں گو کہ رنگ کی شدت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے لیکن اجسام کا رنگ اپنے نمونۂ اصلی پر ہی ہوگا۔ روشنی رنگوں کا زاویۂ لطیف ہے یا یوں کہیئے کہ روشنی بذاتِ خود لطیف رنگ ہے، رنگ اور روشنی کا منبع ایک ہی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو دونوں ایک دوسرے کے لئے اثر انگیز نہ ہوتے اور روشنی میں رنگ کے جلووں کو جذب کرنے کی صلاحیت بھی نہ ہوتی اور نہ ہی رنگ، روشنی کے لئے باعثِ تقویت ہوتے، حقیقی نکتہ یہ ہے کہ روشنی میں رنگوں کے چھپے ہوئے راز موجود ہیں لیکن جب تک دو چیزیں ایک ہی میدان میں ہیں تو ایک چیز دوسری چیز پر اثر قائم نہیں کر سکتی، نظر اور منظر کے درمیان ایک الحاقی عنصر درکار ہوتا ہے اور یہی الحاقی عنصر کا تخیل ہمارے

مصنف شیخ محمد کریم خاں کرمانی کو دعویٰ قائم کرنے کا دوسرا طریقہ بتاتا ہے، وہ خبردار کرتے ہیں کہ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو مضبوطی سے گرہ میں باندھ لو کیونکہ یہ انتہائی باریک اور لطیف نکتہ ہے، اس کو تفصیل سے پڑھو تاکہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکو، خدا کو اور خدائی علم رکھنے والوں کو چھوڑ کر کوئی دوسرا فلسفی اور عاقل آدمی تمہاری آنکھیں نہیں کھول سکتا جو میں یہاں کہنے جا رہا ہوں ۔

"شیخ محمد کریم خاں کرمانی کہتے ہیں،" روشنی یا نور رنگوں کی روحانیت ہے (روحانی عنصر یا فرشتہ) یعنی رنگ کی روحانی حالت کو نور کہتے ہیں (رنگ روشنی کا جسم ہے) روشنی کی مادی حالت کو رنگ کہتے ہیں، رنگ اور نور اپنی نوع اور اکائی کے اعتبار سے دو مختلف چیزیں ہیں لیکن دوسرے نقطہ نگاہ سے ایک ہی چیز ہیں"۔

(عہد وسطی کے کیمیاگر جن میں سے ایک شیخ محمد کریم خاں کرمانی بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روح روشنی کی تحلیل شدہ یا پگھلی ہوئی حالت ہے اور جسم روشنی کی ٹھوس حالت ہے) روح اور جسم، رنگ اور نور ایک دوسرے پر امتیاز رکھتے ہیں جبکہ ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کے ظہور کا ذریعہ ہیں، روشنی رنگ سے جُڑی ہوئی ہے اور رنگ روشنی سے، اور یہ اس طرح جُڑتے ہیں کہ ہمیں نظر آنے لگتے ہیں۔ ہم اس الحاق کو رب اور مربوب کے الحاق سے ظاہر کر سکتے ہیں، مالک اور بندہ ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی دلیل بنے ہوئے ہیں۔ خدا کا عرش خدا کی فضیلت کا کائناتی تاج ہے، یہ عرش رنگین روشنیوں کے چار ستونوں پر استادہ ہے، ہماری دُنیا کے بنیادی رنگ سفید، پیلا (زرد)، سُرخ اور کالا (سیاہ) ہیں۔ رنگ روشنی کو ظاہر کرتا ہے اور روشنی رنگ کو ظاہر کرتی ہے۔ رنگ اور روشنی کا رشتہ ایسا ہی ہے جیسا روح اور جسم کا رشتہ ہے)۔

(۱) عقل و ذہانت کی دنیا کا رنگ سفید ہے (گویا روپہلا) (۲) روح کی دنیا کا رنگ زرد ہے (گویا سنہرا) (۳) نفس کی دُنیا کا رنگ سبز ہے (۴) فطرت کی

دُنیا کا رنگ سُرخ ہے (۵) مادہ کی دُنیا کا رنگ سرمئی ہے۔ (۶) تخیل کی دنیا کا رنگ گہرا سبز ہے (گویا کاہی) (۷) مادی جسم کی دنیا کا رنگ سیاہ (کالا) ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے ایک حدیث ہے " خدا نے عرش کو چار روشنیوں سے خلق کیا، سُرخ روشنی جہاں سے سُرخ رنگ سُرخ ہوا، سبز روشنی جہاں سے سبز رنگ سبز ہوا، زرد روشنی جہاں سے زرد رنگ زرد ہوا، سفید روشنی جہاں سے سفیدی حاصل ہوئی، سفید روشنی اوپر کے دائیں جانب کے ستون کو ظاہر کرتی ہے، یہ عالم عقل و ذہانت ہے یہ جبروت کی چوٹی ہے اور اسرافیل ملک کی نشانی ہے۔ زرد روشنی نیچے کے دائیں جانب کے ستونِ عرش کو ظاہر کرتی ہے، یہ عالمِ روح ہے اور میکائیل ملک سے منسوب ہے، سبز روشنی اوپر کے بائیں جانب کے ستونِ عرش کو ظاہر کرتی ہے یہ ملکوت کی چوٹی ہے اور عزرائیل ملک سے منسوب ہے"

(ماخوذ از "ٹمپل اینڈ کنٹمپلیشن" بائی ہنری کورین)

" حدیثِ قدسی میں ہے کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اور میں ظاہر ہو گیا" روشنی اپنی شدت اور تیزی کی وجہ سے جب تک مخفی رہتی ہے کہ جب تک اس پر رنگوں کا عکس نہ پڑے، پروردگار نے اپنے لئے چھپا ہوا کا لفظ استعمال کیا تو وہ کسی اندھیرے میں نہیں چھپا ہوا تھا بلکہ نور کی اتنی شدت تھی کہ وہ نور کے ارتفاع میں مخفی تھا لہٰذا اس نے تخلیق کا آغاز کیا اور جب تخلیق کا عکس اس نور پر پڑا تو اس نور کی شدت میں کمی ہوئی اور خدا ظاہر ہو گیا، اور یہ "نورِ محمدیؐ" تھا

حدیثِ قدسی اس بات کی دلیل ہے کہ کچھ رنگ و نور کے خزانے ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں، وہ وجود رکھتے ہیں لیکن ہم نہیں دیکھ سکتے، قرآن مجید میں یہ آیت بھی موجود ہے :۔

وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا (سورہ زُمر آیت ۶۹)

" اور زمین اپنے مُربّی کے نور سے چمک اُٹھے گی۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں :۔

"زمین کا مربی زمین کا امام ہے، پوچھا گیا کہ جب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اس وقت لوگوں کو سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی کی ضرورت نہ رہے گی امام کا نور ہی کافی ہوگا" (تفسیر قمی)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب امام مہدی علیہ السلام آجائیں گے تو اس وقت زمین اپنے مربی کے نور سے چمک اٹھے گی اور لوگ سورج کی روشنی سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اندھیرا جاتا رہے گا" (کتاب الارشاد)

شجرِ طور

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کے سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں کوہِ طور کی جانب سے ایک شعلۂ آتش نظر آیا، حضرت موسیٰؑ کو اپنے اہل خاندان کے لئے سردی کے سبب سے آگ کی تلاش تھی، جب حضرت موسیٰؑ طور کی اس وادی میں پہنچے جسے وادیٔ ایمن اور وادیٔ طویٰ کہتے ہیں، جب انہوں نے غور کیا تو دیکھا کہ درخت کی سبز شاخوں میں آگ چمک رہی ہے اور لحظہ بہ لحظہ اس کی تابش اور درخشندگی بڑھتی جاتی ہے۔ وہ آگ تو تھی مگر معمول کی آگ نہیں تھی بلکہ حرارت اور سوزش سے خالی، نور اور تابندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی آگ میں سنہرا اور روپہلا پن تھا گویا گنگا جمنی روشنی کا ایک مینار سا تھا جو درخت میں نظر آ رہا تھا، ناگہاں اس شعلے سے آواز آئی۔" اے موسیٰؑ میں ہوں تیرا رب"۔ حضرت موسیٰؑ کو وحی کی بشارت اسی شجرِ طور سے دی گئی"۔ قرآن مجید نے اس شجرِ نور کا تذکرہ سورۂ اعراف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء، سورۂ قصص، سورۂ نمل، سورۂ مریم میں کیا ہے۔

میر انیس نے شجرِ طور، نخلِ طور، وادیٔ ایمن کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے، میر انیس نے ماورائے حسیات رنگوں کو بہت آسانی سے تصویروں میں بھرا ہے یہ روحانی رنگ لطیف ہیں اور میر انیس نے کہیں پر بھی ان رنگوں کو کثیف نہیں ہونے دیا ہے۔

"میر انیس کی شاعری میں شجرِ طور کا جلوہ"

تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں　　تھا دُور دُور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں　　نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ "نخلِ طور" تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

خیمے سے برآمد ہوا ابنِ شہہ مرداں　　گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ میں گردان کے داماں
اک نورِ خدا پھیل گیا تا سرِ میداں　　ذرّاتِ زمیں ہو گئے خورشیدِ درخشاں
موسیٰؑ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوہ
ہر نخل میں تھا یاں "شجرِ طور" کا جلوہ

ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی　　گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

ذرّے چمک کے کہتے تھے ہم ہیں چراغِ طور

جب سے یہ نورِ عالمِ بالا تلک گیا
اپنا بھی اس علم سے ستارا چمک گیا

انبار خس و خاک بنا غیرتِ گلشن　　ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادئ ایمن

پنجہ سے نشاں آیۂ رحمت کا عیاں تھا　　اس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا

دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ　　روشن ہے زمیں وادئ ایمن سے زیادہ

ہنستے تھے روئے مہر پہ ذرّوں کا تھا یہ نور　　ہر سنگریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغِ طور

روشن تھیں فرشِ خاک پہ شمعیں جو دور دور جلتا تھا نور دیکھ کے اُن کا چراغِ طور

کوہِ طور پر تجلیِ الٰہی

بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰؑ سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ خواہش کی کہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ان کے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے ہمراہ کوہِ طور کی طرف لے گئے۔ حضرت موسیٰؑ سے اللہ نے باتیں کیں تو انہوں نے کہا۔

رب ارنی انظر الیک (سورۂ اعراف آیت ۱۴۳)

"اے رب مجھے جلوہ دکھا کہ میں تیرا دیدار دیکھوں"

ارشاد ہوا:۔

لن ترانی (اعراف آیت ۱۴۳)

"تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"

لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تب مجھے دیکھ سکو گے۔

جس وقت خدا نے پہاڑ پر جلوہ کیا تو اسے فنا کر دیا اور اسے زمین کے برابر کر دیا، پہاڑ کو اس تجلیِ طور نے اس طرح صاف اور نرم کر دیا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر صاف و ہموار زمین کی طرح ہو گیا۔ مختلف روایات کے مطابق وہ پہاڑ کئی حصوں میں تقسیم ہو کر مختلف جہات میں اُڑ گیا یا یہ کہ پورے کا پورا زمین کے اندر سما گیا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (سورۂ اعراف آیت ۱۴۳)

"جب پروردگار نے پہاڑ پر اپنا جلوہ کیا تو اسے زمین کے برابر کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر گئے"

آیت میں لفظ "صاعقہ" یعنی برق کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ میر انیس تجلی، صاعقہ، جلوہ، برق کے لفظ تلمیح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ع تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوہ

"میرانیس کی شاعری میں تجلیٔ طور"

"حضرت علی اکبرؑ"

قدسی درود پڑھتے تھے چہرے کے نور پر گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلی تھی طور پر

جلوہ دکھایا برقِ تجلیِ طور نے خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

آئی چمک کے تیغ جو اُس پُرغرور پر گویا کہ برق کوند گئی کوہِ طور پر

اک صاعقہ گرتے ہوئے جو دُور سے دیکھا موسیٰؑ نے اسی نور کو تھا طور سے دیکھا

"گھوڑا"

ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی

صاعقہ، بجلی، برق

صاعقہ کے معنی بجلی اور برق کے ہیں، یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے صاعقہ اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ بادل کے ٹکڑوں اور کرۂ زمین کے درمیان بجلی (Electricity.) کا تبادلہ ہوتا ہے، وہ بادل جن کے اندر مثبت بجلی ہوتی ہے جب زمین جس میں منفی بجلی مخفی ہے کے نزدیک پہنچتے ہیں تو ان کے درمیان یعنی سطحِ زمین کے نزدیک ایک سنہرا شعلہ نکلتا ہے جو بہت خطرناک اور ہلاکت آفرین ہوتا ہے لیکن "برق" اور "رعد" بادل کے دو ٹکڑوں کے درمیان الیکٹریسٹی کے تبادلے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ایک بادل میں مثبت اور دوسرے میں منفی الیکٹریسٹی ہوتی ہے۔ یہ ٹکراؤ بلندی پر ہوتا ہے اور بادلوں کی سیاہی میں سنہری

لکیر کوند جاتی ہے کبھی کبھی یہ بجلی زمین پر بھی گرتی ہے

میر انیسؔ نے "تجلیٔ طور" کے علاوہ عام صاعقہ، برق اور بجلی کا ذکر عام روشنی اور چمک، اُجالے اور نور کی تیزی و تڑپ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

"بجلی اور تیغ"

بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیر شرر بار　　افلاک سے اک بار وہ گرتی ہے یہ ہر بار

"برق اجل"

اک برقِ اجل فوجِ ستم گار پہ آئی　　تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی

"صاعقہ کردار"

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں　　کس ڈھال پہ شمشیر شرر بار کو روکیں

"برقِ جہندہ"

دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے　　اک برقِ جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

"برقِ درخشاں"

فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہ مرداں　　کفار پکارے کہ گری برقِ درخشاں

"برقِ جہاں سوز"

عالم کو دو عالم کا شہنشاہ بچائے　　اس برقِ جہاں سوز سے اللہ بچائے

"بجلی کا رنگ"

ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے　　کہنے کو تھی وہ تیغ یہ بجلی کے رنگ تھے

نازل ہوا تھا آیۂ برق اس کی شان میں

"برقِ قہرِ الٰہی"

آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

"پانی میں برق"

چار آئینے کے پار تھی اس آب و تاب کر
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

"برق کی چمک"

گھونگھٹ ہٹا تو برق سی چمکی لڑائی میں
نقدِ حیات لینے لگی رونمائی میں

"بجلی اور بادل"

گھوڑا جو پھاند کر صفِ اوّل سے مل گیا
تھا صاعقہ کہ شام کے بادل سے مل گیا

"بجلی کی چمک اور سیاہ رنگ"

آیا خدا کا قہر ہر اک روسیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

"بجلی گرنا"

بجلی گری پھرا جو ذرا دستِ حق پرست
غارت وہ مورچہ اِدھر آفت اُدھر آفت

"دو بجلیاں"

آفت تھی قیامت تھی اُسے یار سے روکیں
دو بجلیاں گرتی ہیں برابر کسے روکیں

"بجلی کی چمک"

عکسِ رُخِ شبیرؑ کی ضو دور تلک تھی
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

تلوار ؛ ــــــ

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال

ــــــ

بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں

ــــــ

بجلی غضب کی کوند رہی تھی میانِ فوج

ــــــ

آہن پہ بھی رکتی نہ تھی وہ صاعقہ کردار

ــــــ

حُر کا منہ سُرخ ہوا، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

ــــــ

برسے اُدھر سے تیر تو کوندی اِدھر کی برق
وہ برق چھپتی پھرتی تھی خود جس کے ڈر کی برق
چمکی وہ یوں کہ گر گئی سب کی نظر سے برق
روکیں کسے رُکی ہے کسی کی سپر کی برق

ــــــ

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
منھ زہر برش تیر بدن آگ زباں برق

ــــــ

جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی
تصویر نظر آ گئی بجلی کے تڑپ کی

ــــــ

یوں تیغ تیز کوند گئی اُس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

ــــــ

" برق کوندنا "

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا تو نہ جم جم مہ نو میں دیکھا

ــــــ

"بجلی کی کڑک اور چمک"

ہاتھ اُٹھتا تھا جب تا بہ فلک جاتی تھی بجلی گرتی تھی سروں پر تو کڑک جاتی تھی بجلی
جب بڑھتی تھی تلوار سرک جاتی تھی بجلی اس پار سے اُس پار چمک جاتی تھی بجلی

گرجے ہیں یہ اس طرح مسلسل نہیں گرجے
نعرے ہیں کہ ایسے کبھی بادل نہیں گرجے

"بجلی کی زرق برق"

چھپتی تھی برق اُس کی چمک دیکھ دیکھ کے رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
تھراتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے

جوھر میں پیچ وتاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی چم خم ھلال کا

"سنہرا روپہلا رنگ"

بجلی چمک کے چھپ گئی پارہ تڑپ گیا جنگل میں یوں اُڑا کہ چکارا تڑپ گیا

"برقِ نور"

وہ مشک دوش پر وہ لچکتا ہوا علم اک برق نور گرتی تھی موجوں پہ دم بدم

پھر یہ ہوا کہ .....
"اک سطح نور ہو گیا دریا کا آب سب"

"برق کی ضو"

شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعت علم پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بدم

میر انیس کی شاعری میں "امتیازی" رنگ

(CONTRAST)

رنگ اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ نبوت کے لئے دلیل بن جاتے ہیں، عبرانی زبان میں " عیسیٰ " کے معنی ہیں سرخ رنگ، حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے رنگوں کا گہرا رشتہ ہے بلکہ انہیں جب نبوت کو ظاہر کرنا ہوا تو رنگوں ہی کی زبان سے انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ مشہور واقعہ ہے ؛۔

" ایک رنگریز کے پاس جناب مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو کام سیکھنے کے لئے بٹھایا، رنگریز کے پاس رنگنے کے لئے بہت کپڑے جمع تھے اس کو ایک کام کے لئے جانا پڑ گیا اور وہ چلتے ہوئے جناب عیسیٰؑ سے کہہ گیا جس جس کپڑے کے ساتھ میں نے جس رنگ کا دھاگہ باندھا ہے وہ ہی رنگ اس کپڑے کو دینا میں ابھی تھوڑی دیر میں آجاؤں گا، اس کے جانے کے بعد ایک ہی رنگ کے برتن میں جناب عیسیٰؑ نے تمام کپڑے ڈال دیئے اور آرام سے بیٹھ گئے وہ رنگریز واپس آیا اور کپڑوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا فلاں برتن میں تمام کپڑے پڑے ہوئے ہیں. رنگریز یہ سُن کر غصے میں بولا تم نے تو بیڑا غرق کر دیا سب کپڑوں کو بے کار اور برباد کر دیا، جناب عیسیٰؑ نے فرمایا گھبراؤ نہیں ..... یہ کہہ کر آپ اُٹھے اور آ کر اس برتن میں سے تمام کپڑوں کو باہر نکال دیا، رنگریز سب کپڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہر ایک کپڑے پر وہ ہی رنگ چڑھا ہے جس طرح کے وہ رنگنا چاہتا تھا، رنگریز نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور سمجھ گیا یہ اللہ کا نبی ہے۔ رنگریز جناب عیسیٰؑ کی نبوت پر ایمان لے آیا، یہاں سے حضرت مریمؑ عیسیٰؑ کو لے کر شام میں تشریف لے گئیں وہاں ایک گاؤں میں قیام کیا، اس گاؤں کا نام " ناصرہ " ہے، عیسائی اُسی شہر کی نسبت سے اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، اِسی

واقعہ کے بعد جناب عیسیٰ نے مخلوق کو تبلیغ شروع کی اور لوگوں کو راہِ ھدایت کی دعوت دی"۔[1]

کائنات جو رنگ و نور کا مجموعہ ہے اُس میں قدرت نے لاکھوں رنگ خلق کئے ہیں، قدرت کے بنائے ہوئے رنگوں کا احاطہ کرنے کے لئے دنیا کی کسی زبان کے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ "لغت الوان" لکھی جاسکے۔ تاہم اردو زبان کو پہلی مرتبہ یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ میر انیس کی بدولت ہم نے رنگوں کی ایک لغت تیار کی تاکہ ہم رنگوں کی پہچان کرنے کے بعد میر انیس کے کمال کو سمجھنے کی کوشش کرسکیں، انسان نے رنگوں کی پہچان مختلف طریقے سے کی ہے، مثلاً قوموں اور نسلوں کے رنگ بھی خالقِ یکتا نے خلق کئے کسی مُلک میں مشکی، حبشی، زنگی، کالے، سیاہ چہرے، کچھ زرد کچھ چہرے سُرخ و سفید، کچھ چہرے سانولے سلونے کہیں رنگ صبیح اور رنگ ملیح ــــــ"

پھولوں میں دیکھئے، گلاب سے گلابی رنگ اور گلاب بھی، سرخ گلاب، گلابی گلاب سفید گلاب، نارنجی گلاب، نرگسی گلاب، کالا گلاب، اور ابھی حال میں برادرم ناصر رضا رضوی کاسنی گلاب خرید کر لائے تو میں کاسنی گلاب دیکھ کر حیران رہ گیا، میں نے پہلی مرتبہ کاسنی گلاب دیکھا، اُودے رنگ کو ہلکا کرتے جائیے تو کاسنی رنگ وجود میں آتا ہے۔

بنفشہ سے بنفشئی رنگ، کیسر سے کیسری رنگ، چمپا سے چمپئی رنگ، گُلِ عباس سے عباسی رنگ، کپاس کے پھول سے کپاسی رنگ، گُلِ انار سے گُلنار رنگ، نرگس کے پھولوں سے نرگسی رنگ، گُلِ نیلوفر سے نیلوفری رنگ، گُلِ ریحان سے ریحانی رنگ"

پھلوں سے اُردو نے جو رنگ لئے وہ انگور سے انگوری رنگ، سردے سے سردئی رنگ، عُنّاب سے عُنّابی رنگ، فالسے سے فالسئی رنگ،

سبزیوں میں دیکھئے، بیگن سے بیگنی رنگ، چقندر سے چقندری رنگ، شلجم سے شلجمی رنگ، پیاز سے پیازی رنگ، لہسن سے لہسنیا رنگ،

جواہرات میں دیکھئے، یاقوت سے یاقوتی رنگ، الماس سے الماسی رنگ، فیروزہ سے

---

[1] حیات القلوب، علامہ محمد باقر مجلسیؒ صہ ۱۵، حمایت اہلبیت وقف لاہور

فیروزی رنگ، زمرد سے زمردی رنگ، لاجورد سے لاجوردی رنگ،

میوے میں دیکھئے:۔

بادام سے بادامی رنگ، کشمش سے بنایا گیا کشمشی رنگ، پستہ سے پستئی رنگ

پرندوں میں دیکھئے:۔

توتے (طوطے) کے پروں کا رنگ، فاختئی رنگ، طاؤسی رنگ،

اناج میں دیکھئے:۔

گہواں یعنی گندمی رنگ، ماشی رنگ، مونگیا رنگ، مسور سے مسوری رنگ (عدسی رنگ، عربی میں مسور کی دال کو عدس کہتے ہیں)، دھان کی بالیوں سے دھانی رنگ،

دھاتوں میں دیکھئے:۔

سونے کا رنگ، چاندی کا رنگ، تانبے کا رنگ، پیتل کا رنگ، رانگے کا رنگ

مٹی میں دیکھئے:۔

خاکی رنگ، ملتانی مٹی کا رنگ، گیرو سے گیرا رنگ، سیندور سے سیندوری رنگ، خاکِ شفا کا رنگ،

"لغتِ اَلوَان" (اردو)۔

"الف"

آبی رنگ ۔ ہلکا ہلکا آسمانی رنگ

آبِ آتش رنگ ۔ سُرخ، شراب کا رنگ

آتشی گلابی ۔ سرخ کمخواب کا رنگ

آتش رنگ ۔ آگ کے رنگ کا، سُرخ بھبھوکا،

احمر ۔ سُرخ، زرد

ارغوانی ۔ سرخ، زرد

انگوری رنگ ۔ ہلکا سبز رنگ، لوکی کا رنگ

آسمانی رنگ ۔ نیلگوں، آبی، ہلکا نیلا، مثلِ آسمان
الماسی رنگ ۔ سفید چمک دار ہیرے کا رنگ
آبنوسی ۔ سیاہ رنگ
آبگوں ۔ پانی کے رنگ کا
آنولے کا رنگ ۔ گندھکی رنگ
ابیض ۔ سفید
ابیر ۔ ابرک کا رنگ
اشرفی رنگ ۔ زرد رنگ
اِشہبی رنگ ۔ سیاہی مائل سبز
اگرئی ۔ سیاہی مائل صندلی رنگ

"ب"

بادامی رنگ ۔ سرخی مائل زرد
بادلا ۔ گنگا جمنی رنگ، زربفت، سنہرے پلکے گوٹے کا رنگ،
بسنتی ۔ زرد، پیلا، سرسوں کے پھول کا رنگ
بنفشئی ۔ ارغوانی،

"پ"

پستئی ۔ سبز، عُنّابی مائل
پیازی ۔ ہلکا گلابی، پیاز کا رنگ
پیلا ۔ کیسری، زرد
پنچ رنگا ۔ سرخ، سبز، زرد، اُودا، سفید، (پٹا خا رنگ)

"ت"

توتے کے پروں کا رنگ ۔ گہرا دھانی، سبز

توُل کا رنگ ۔ گہرا سُرخ

توئی کا رنگ ۔ سہ رنگا، مثلاً بیچ میں سفید دھاری اِدھر اُدھر اُودی دھاری اس کے بعد گہری گلابی دھاری

تیلیا سرنگ ۔ سیاہی مائل سرخ

تیلیا کاکریزی ۔ گہرا اُودا رنگ

تیلیا کتھئی ۔ گہرا کتھئی

تیلیا مونگیا ۔ بہت سیاہی مائل سبز رنگ

"ج"

جوگیا رنگ ۔ زرد گہرا نارنجی مائل، گیروا رنگ

جوہی کا رنگ ۔ نرگسی مائل سفید

جامنی رنگ ۔ اُودا گہرا سیاہی مائل

"چ"

چمپئی رنگ ۔ چمپا کا سا سنہرا رنگ

چمپئی بنارسی رنگ ۔ ہلکا سنہرا رنگ

چنبیلی رنگ ۔ سفید اودا مائل

چقندری ۔ چقندر کا رنگ

"خ"

خربوزے کا رنگ ۔ سبز زردی مائل

خس کا رنگ ۔ بھورا سبزی مائل

خوبانی کا رنگ ۔ سبز انگوری مائل

خونیں رنگ ۔ سرخ ۔لال خون آلود

"د"

دھانی رنگ ۔ دھان کی بالیوں کا رنگ، سبز زردی مائل،

دھنک رنگ ۔ سات رنگ،

دھوپ چھاؤں رنگ ۔ ایک رنگ میں دو رنگ جھلکتے نظر آئیں ۔ مثلاً سبز اور سرخ
دھنیا رنگ ۔ دھنیا کی پتی کا رنگ
دُودھیا رنگ دُودھ جیسا سفید، مثلاً ٹیوب لائٹ
دُرِ نجف کا رنگ ۔ سفید و شفاف ، بلور دودھیا مائل ،

"ڈ"

ڈھاک رنگ ۔ سُرخ

"ر"

رانگ ۔ رانگے کا رنگ ، رُپہلا سیاہی مائل
رُپہلا ۔ روپے کے رنگ کا ، چاندی کے رنگ کا
رساؤل رنگ ۔ سیاہی مائل انگوری ،
ریحانی ۔ گُلِ ریحان کی طرح سبز رنگ

"ز"

زنگاری ۔ سبز نیلا مائل
زری کا رنگ ۔ کلابتوں کا تار ، بادلہ ، گوٹا ،
زعفرانی ۔ زرد سرخی مائل ، سرخ زردی مائل ، کیسری
زمردی ۔ سبز رنگ ، دھانی مائل
زیتونی رنگ ۔ سبز سنہری مائل
زنجاری رنگ ۔ مثل ہری مرچ کے
زبرجدی ۔ سبز رنگ دھانی مائل

"س"

سانولا رنگ ۔ سیاہی مائل ، نمکین ، سبزہ رنگ
سبز ۔ ہرا
سبزہ رنگ ۔ سبز مائل سانولا
سرخ ۔ لال ، احمر

سرخ وسفید ۔ گورے رنگت پر سرخی جھلکنا

سرسوں کے پھول کا رنگ ۔ بسنتی رنگ

سُرمئی ۔ سُرمے کے رنگ کا

سُرنگا ۔ سُرخ

سفید ۔ اُجلا ۔ گورا چِٹّا

سِندوریا ۔ سیندور کا سرخ رنگ

سردئی ۔ سردے کا رنگ ۔ زرد سبزی مائل

سوہا ۔ لال ، سرخ

سیاہ ۔ کالا

سوسنی رنگ ۔ نیلا

سنہرا رنگ ۔ سونے کا چمکدار رنگ

"ش"

شاہانہ رنگ ۔ سُرخ

شب رنگ ۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا

شب گوں ۔ کالا ۔

شربتی رنگ ۔ نارنجی رنگ ، زرد دھیما رنگ ، فالسئی دودھیا مائل

شفقی رنگ ۔ شام کو آسمان کی سرخی کا رنگ

شمعی رنگ ۔ سبز رنگ مائل بہ سیاہی جس کو تیلیا مونگیا کہتے ہیں ۔

شمع کی لو کا رنگ ۔ زرد ، نیلا ، سرخ و سبز دھاریوں سے بنایا جاتا ہے ۔ اس کی تین قسمیں ہیں آغازِ شب کا ، آدھی رات کا رنگ ، قریبِ صبح کا رنگ

شنگرفی رنگ ۔ سرخ رنگ

شہابی رنگ ۔ سرخ رنگ

شہابی مہندی ۔ شوخ نارنجی رنگ

"ص"

صابونی رنگ۔ خاکی مٹی کا رنگ

صندلی رنگ۔ زرد سرخی مائل،

صنوبری رنگ۔ سبز سیاہی مائل،

صبیح۔ گوراپن، گورا رنگ جو مائل بہ زردی ہو،

صبغۃ اللہ۔ اللہ کا رنگ،

صدف رنگ۔ رُپہلا، چمک دار سفید رنگ

صوفیانہ رنگ۔ سادے رنگ،

"ط"

طاؤسی رنگ۔ مور کے رنگ کا

طلائی رنگ۔ سنہرا رنگ

طائر رنگ۔ رنگ کا طائر سے استعارہ ہے۔

طوطا رنگ۔ توتے (طوطے) کے پروں کا سبز دھانی رنگ۔

"ع"

عباسی رنگ۔ گُل عباس کا رنگ، آتشی گُلابی سبزی مائل

عقیق رنگ۔ سُرخ۔ کلیجی کا رنگ

عُنابی رنگ۔ سیاہی مائل سُرخ

عنبریں۔ سیاہ عنبر کے رنگ کا۔

"غ"

غازہ رنگ۔ سُرخ پوڈر سفیدی مائل

"ف"

فاختئی رنگ۔ خاکستری، خاکی

فالسئی رنگ۔ اُودا، سیاہی مائل اُودا،

فیروزی رنگ۔ فیروزے کا رنگ، سبز اور نیلے کے درمیان کا رنگ شعراء نے آسمان کو سبز، زنگاری، اخضری، فیروزی کہا ہے۔

"ق"

قرمزی رنگ۔ سُرخ، قرمز ایک کیڑا ہے بیربہوٹی کی طرح سرخ جس سے سُرخ ریشم رنگتے ہیں۔

قلعی۔ قلعی کا رنگ۔

"ک"

کاسنی رنگ۔ ہلکا سفیدی مائل اودا، ہلکا بنفشئی،

کالا رنگ۔ سیاہ

کاہی رنگ۔ ہلکا سبز رنگ مائل بہ سیاہی، پھپھوندی کا رنگ

کبودی۔ نیلا رنگ، آسمانی رنگ، نیلگوں۔

کپاسی۔ ہلکا زرد مائل بہ سفیدی

کتھئی۔ کتھے کا رنگ۔

کرنجوا رنگ۔ بھورا رنگ زردی مائل

کیسری۔ زعفرانی زرد۔

کہربا۔ درخت کا گوند ہے جس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔

کریلی رنگ۔ دھانی اور سیاہ

کُسُم رنگ۔ کڑ کا کے پھول جس سے شہاب نکلتا ہے اور سُرخ کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

کِشمشی رنگ۔ کِشمش کا رنگ

کُندنی رنگ۔ سنہرا چمک دار، چمکتا زرد رنگ

کاہی۔ سبز سیاہی مائل

"گ"

گُلنار۔ سُرخ

گُل گوں۔ سرخ رنگ

گلابی۔ ہلکا گلابی

گہرا گلابی ۔ گلاب کا اصل رنگ
گیہواں رنگ۔ گندمی رنگ

"ل"

لاجوردی ۔ نیلا رنگ
لہسنیا۔ لہسن کا رنگ
لونگیا۔ گہرا براؤن رنگ
زنگی رنگ۔ لوہے کے زنگ کا رنگ

"م"

مہندی رنگ ۔ پسی مہندی کا رنگ ۔
مسوری رنگ ۔ مسور کی دال کا رنگ سُرخ اُودا سیاہی مائل
مونگیا۔ سیاہی مائل سبز، مونگ کا رنگ۔
ماشی۔ گہرا سیاہی مائل سبز ، دھانی کی جھلک ہوتی ہے ۔
مٹیالا۔ بھورا
مکھی پرا۔ مکھی کے پر کا رنگ

"ن"

نرگسی رنگ۔ مکھن کا رنگ ، ہلکا کپاسی
نقرئی۔ چاندی جیسا سفید رنگ ،سلور ، روپہلا رنگ
نیلا۔ نیلا ، نیل کا رنگ ،آبی ،آسمانی ،کبود ،زرق ،
نیلوفری۔ ہلکا نیلا
نمکوری ۔ نیم کے پھل کا رنگ
نیوی بلیو۔ گہرا نیلا

"ہ"

ہرا ۔ سبز ، دھانی
ہرا ۔ گہرا سبز

ہارسنگار۔ زرد رنگ نارنجی مائل
ہلدی رنگ۔ گہرا زرد ہلدی جیسا رنگ
" ی "

یاقوتی رنگ۔ سُرخ، گلابی،
یشبی رنگ۔ سبز مائل بہ دھانی

میں نے اپنے حافظے سے رنگوں کا یہ لغت لکھ دیا ہے ابھی بہت اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ رنگ کچھ تو لغت میں ہوں گے اور بہت سے رنگ ایسے ہیں جو اردو لغت میں نہیں ہیں، بہت سے رنگ ایسے ہیں جن کا نام ابھی تک نہیں رکھا جا سکا ہے؛ اردو شاعری میں مشہور رنگوں کا استعمال ہوا ہے لیکن جدید رنگ بہت کم استعمال ہوتے ہیں نادر و نایاب رنگوں میں "عباسی رنگ" میر حسن نے استعمال کیا ہے:۔

اُس نے خلعت پہن کے عباسی
کتنے ہی سیدوں کا خون کیا

"سانولے رنگ" کا استعمال بھی میر حسن نے بہت خوبصورتی سے کیا ہے:۔

سانولے رنگ سے بھاگو حسن کیا اس میں تمہارا جاتا ہے
ایسے دُھندھلکے بیچ مسافر مُفت میں مارا جاتا ہے

مشہور رنگوں میں سُرخ، سبز، زرد اور نیلا اردو شاعروں کے کلام میں مشہور و معروف ہیں۔ صرف جوشؔ ملیح آبادی نے چند رنگوں کا اضافہ کیا ہے:۔

گردوں ادھر طلائی تو، اس سمت نُقرئی لیہ پارہ سُرمئی ہے تو وہ پارہ سُرمئی
اک گوشہ کتھئی ہے تو اک گوشہ پستئی مغرب جو اگرئی ہے تو مشرق ہے چمپئی

کانٹے پہ دل بری کے فضا ئیں تلی ہوئی
تا دور زلف و رخ کی دکانیں کھلی ہوئی

اِن رنگوں پر پھر جوشؔ ملیح آبادی اضافہ نہیں کر سکے بلکہ اِنہی رنگوں کی تکرار ملتی ہے

بادل کی چادروں میں جو اُلجھے تو کتھئی — کرنوں کی زد پر آکے جو دمکے تو چمپئی
موجوں کے مدّ و جزر سے اُبھرے تو سرمئی — لکّوں کی ظلمتوں میں جو ڈوبے تو اگرئی

گرجے جو ابر میں تو فلک چہچہا اُٹھے
انگڑائی لے تو سر پہ دھنک چہچہا اُٹھے

جوشؔ ملیح آبادی نے رنگوں کے استعمال میں امتیازی رنگ (Contrast.) کا خاص خیال رکھا ہے، طلائی (سُنہرے) کا امتیازی رنگ نقرئی (رُوپہلا) ہے، سرمئی کا امتیازی رنگ سُرمئی ہے، کتھئی کا امتیازی رنگ پستئی ہے، اگرئی کا امتیازی رنگ چمپئی ہے اور یہ رنگوں کا شعوری تناسب جوشؔ ملیح آبادی نے میر انیسؔ سے سیکھا ہے،

اردو شاعری میں میر انیسؔ کو رنگوں کی جتنی معرفت ہے وہ بہت کم شاعروں کو نصیب ہو سکی ہے، میر انیسؔ نے رنگوں کے استعمال میں امتیازی رنگ یعنی (Contrast.) کا خاص خیال رکھا ہے۔

امریکہ اور یورپ میں انگریزی رنگوں میں (Contrast) کے فن سے ابھی واقفیت نہیں ہو سکی ہے۔ یورپین اور امریکن فنکار خصوصاً آرٹسٹ (Colour Combination) اور (Contrast Colour.) میں فرق نہیں جانتے وہ اس علم سے ناواقف ہیں، ہمارا اردو شاعر تو سو سال پہلے بھی اس علم سے اچھی طرح واقف تھا۔

دو رنگ ایک خاندان کے، قریب قریب اچھے نہیں معلوم ہوتے، بھدّے معلوم ہوتے ہیں، ایک طرح کے دو رنگ کبھی نہیں کھلتے، مثلاً پستئی اور دھانی رنگ، سبز رنگ کے خاندان کے دو الگ الگ رنگ ہیں، یہ دونوں رنگ ایک جگہ پھیکے اور بھدّے معلوم ہوں گے۔

معروف کا شعر ہے:۔

سبزہ رنگ اس تیرے خط رکھنے سے نادانی کھُلی
پستئ چادر پہ کب سنجاف ہے دھانی کھُلی

سُرخ اور نیلے رنگ میں (Contrast.) بہت حُسن پیدا کرتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے امتیازی رنگ ہیں۔ دونوں رنگ ایک ساتھ کھِلتے ہیں۔

ارغوانی سُرخ اور آسمانی رنگ کا قدیم لکھنوی کے اس شعر میں خوبصورت (Contrast.) ہے:۔

وہ لال لال بھبھوکا سے ارغوانی پھول
نظر کا زور بڑھاتے تھے آسمانی پھول

میر انیس کی شاعری میں امتیازی رنگوں (Contrast Color.) کا سلیقہ قابلِ دید ہے، اُن کی بنائی تصویروں میں خالص ہندوستانی آرٹ کے نمونے نظر آتے ہیں، رنگوں کے استعمال میں میر انیسؔ بہت زیادہ حسّاس ہیں وہ پھیکے اور بھدّے پن کا مظاہرہ نہیں کرتے، میر انیسؔ نے امتیازی رنگ (Contrast. Colour) تصویروں میں مندرجہ ذیل طریقے سے بھرے ہیں:۔

۱۔ سبز	اور	سُرخ
۲۔ زرد	اور	اُودا
۳۔ سُرخ	اور	زرد
۴۔ نیلا	اور	سُرخ
۵۔ گلابی	اور	زرد
۶۔ سفید	اور	سیاہ
۷۔ سُرخ	اور	فیروزی
۸۔ آسمانی	اور	سُرخ
۹۔ سُرخ	اور	نقرئی
۱۰۔ طلائی	اور	سبز

سبز اور سرخ

میر انیسؔ کی تصویروں میں سبز اور سُرخ رنگ کا امتیاز (Contrast) کا تناسب آپ پچھلے صفحات پر دیکھ چکے ہیں، چند تصادیر اور دیکھئے، وہ اپنے ممدوح کے چہرے کی تصویر میں رنگ بھرتے ہیں تو اپنے فن کا کمال دکھاتے ہیں، وہ خود کہتے ہیں :-

کس حُسن سے تشکل شہ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورقِ نور پہ تصویر کھنچی ہے

جدید آرٹ ٹیکنک (Technic.) میں انسانی چہرے میں رنگ بھرنے کیلئے سُرخ، زرد اور نیلا رنگ استعمال ہوتا ہے، سُرخ اور زرد سے چہرے نارنجی، شربتی اور گلابی نظر آتے ہیں نیلے اور زرد سے سبزی اور سیاہی کا امتزاج ہوتا ہے اور سر کے بالوں اور سبزۂ خط سے تصویر نمایاں ہو جاتی ہے۔ آنکھوں کے لئے سفیدی اور سیاہی کا التزام ہوتا ہے اور ہلکی ہلکی زردی اور گلابی پن سے آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ میر انیسؔ اپنے ممدوح کی آنکھوں کی تصویر کشی میں فن کا کمال دکھاتے ہیں :-

"امام حسینؑ کی آنکھیں"

اک شاخ پہ بادام کے دو پھول کھلے ہیں
چھانے ہیں چمن تب گُلِ مضموں یہ ملے ہیں

میر انیسؔ، سُرخ اور سبز کے امتیاز (Contrast) سے چہرے کی عکاسی میں فن کا کمال دکھاتے ہیں :-

"امام حسینؑ کا چہرۂ مبارک"

رخسار ہیں شگفتہ گُلِ ارغوانِ باغ
سبزے ہیں پھول ہوتے ہیں اکثر میانِ باغ

کیا خوش نُما ہے خط رخِ جانِ بتولؑ پہ
دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

اردو شاعری بلیک (Black) اینڈ (And) وائٹ (White.) تھی،
میرانیسؔ نے اس میں رنگ بھرے، اور اتنے سلیقے سے یہ رنگ بھرے گئے ہیں کہ
ذہنِ انسانی دنگ ہو کر رہ جاتا ہے، میرانیسؔ انسانی چہروں میں رنگ بھرتے ہیں
لیکن اُن کے ممدوح پاکیزہ و اطہر ہیں اس لئے ان کو رنگ بھی پاک صاف استعمال
کرتے ہیں، میرانیسؔ سبز رنگ کے لئے حضرت خضرؑ کو استعارہ بناتے ہیں:

قرآن پاک میں اللہ نے انسانوں کو سبز درختوں سے تشبیہ دی ہے۔

واللہ انبتکم من الارض نباتاً (سورہ نوح آیت ۱۷)

"اور اللہ نے تم کو اُگایا زمین سے سبزے کی طرح"

میرانیسؔ بھی اپنے ممدوح کے قد کے لئے سرو، شمشاد جیسے حسین درخت کا
انتخاب کرتے ہیں، انجیل مقدس کی تفسیر میں ہے کہ:-

"سرو (شمشاد) ایک مشہور درخت ہے وہ مخروطی شکل کا قد آور
درخت ہوتا ہے اسی لئے یہ شرافت اور اعلیٰ خاندان کی علامت ہے"
(قاموس الکتاب)

میرانیسؔ نے اس کی خوشنمائی کی وجہ سے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کے قد کو اس
درخت سے تشبیہ دی ہے۔

قرآن میں پاکیزہ زمین اور پاکیزہ سبزے کا ذکر کیا گیا ہے:-

والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ (سورۂ اعراف آیت ۵۸)

"جو زمین پاکیزہ ہے اس میں سے سبزہ بھی اللہ کے حکم سے نفیس ہی نکلتا ہے"۔

میرانیسؔ اپنے ممدوح کے "سبزۂ خط" کو قرآنی آیات کی روشنی میں خضرؑ
سے تشبیہ دے کر اور زیادہ پاکیزہ تر بنا دیتے ہیں۔

"حضرت علی اکبرؑ کا چہرۂ مبارک"

بھیگی ہیں مسیں سبزۂ خط بھی ہے نمودار
گویا کہ خضرؑ آبِ بقا کے ہیں طلب گار

وہ فصل شباب اور وہ رنگِ گُلِ رخسار
دنداں وہ سب الماس سے وہ لعلِ گہر بار

یہاں میر انیس سبز اور سُرخ کے امتیازی رنگوں میں یعنی (Contrast.) میں آب دار سفید رنگ کا اضافہ کر دیتے ہیں تاکہ تصویر کچھ اور دلآویز ہو جائے۔

سیب بھی جنّت کا پھل ہے، اس میں بھی پاکیزگی ہے اور سبز اور سرخ کا (Contrast.) اس پھل میں موجود ہے......

ہے جوشِ جوانی پہ بہارِ گُلِ رخسار — کہتی ہے نزاکت کہ نثارِ گُلِ رخسار
ہے نگہت فردوس غبارِ گُلِ رخسار — اور طوطی خط آئینہ دار گُلِ رخسار

محفوظ بہر رنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
دو ٹکڑے کف حور پہ ہیں سیب جناں کے

حضرت علی اکبرؑ:-

وہ نور ہے اس چہرۂ پر نور کے اوپر — موسیٰؑ نے بھی دیکھا نہ کبھی طور کے اوپر

ہر ایک کو گماں تھا تجلّیٔ طور کا — جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا

سرخ اور سبز کے (Contrast.) میں میر انیس نے سیاہ کا اضافہ کیا، دونوں رنگوں کے ساتھ سیاہ بھی بھلا معلوم ہوتا ہے،

"حضرت عباسؑ کا چہرۂ مبارک"

قربان رونق خطِ رخسار سرخ فام .... (سرخ اور سبز)
یہ صبح ہے حلب کی تو گیسوختن کی شام .... (سیاہ زلفیں)
واللیل گرد سورۂ والشمس ہے تمام .... (سیاہ زلفیں سرخ چہرہ)
گویا جناب خضر کا ظلمات ہے مقام ...... (سبز)

(سبز) ..... تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
(سرخ، سیاہ) .... دیکھو ہجوم مور سلیماںؑ کے گرد ہے

سبز اور سرخ کا یہ (Contrast.)، رنگوں کی یہ ہنرمندی میر انیسؔ تلوار کے جوہر میں بھی پیش کرتے ہیں:۔

"تلوار میں سبز اور سُرخ رنگ"

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
جم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ لب سُرخ دہن صاف بدن گُل ہرا رنگ

تھا شور کہ چل پھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو! اسے تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

میر انیسؔ جوہر کا رنگ سبز بتاتے ہیں، خون کے قطروں کی سُرخی بھی ہے، سیب میں سبزی اور سُرخی کا (Contrast) موجود ہے، پھولوں کا گہنا موتیا پھولوں سے بنایا جاتا ہے۔ موتیا کی سفیدی میں ہلکی ہلکی سبزی ہوتی ہے، موتیا کی لڑیوں کے بیچ چند پھول سُرخ گلاب کے ہوتے ہیں، دیکھئے تو سہی میر انیسؔ تصویروں میں رنگ بھرنے کے لئے رنگ لاتے کہاں کہاں سے ہیں:۔

زیبا تھا دم جنگ پری وش اُسے کہنا معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا

سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

"علم میں سبز اور سُرخ رنگ"

علم کا پھریرا سبز ہے، میر انیسؔ کو یہاں پر سُرخ رنگ کی تلاش ہے، وہ اس تصویر میں سبز کا امتیازی رنگ سُرخ بہت سلیقے سے تلاش کر لیتے ہیں:۔

دامن جو کھُلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سبزی حسنؑ سرخی رنگ شہؑ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرّد کی زمیں تھی

علم کا پھریرا سبز ہے، حضرت عباسؑ کے چہرے کی سُرخی سے سبز رنگ نکھر گیا ہے، اور سبز پھریرے کا سبز رنگ عقب میں ہے اس لئے سُرخ چہرہ اور زیادہ نمایاں ہو گیا ہے :-

تھا حاملِ علم بھی دعا پر تُلا ہوا
چہرہ تھا سُرخ سبز پھریرا کھُلا ہوا

"مناظرِ فطرت میں سبز اور سُرخ رنگ"

طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت آسمان پر ہلکی ہلکی سبزی نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب نیلے آسمان کو سبز آسمان کہتے ہیں، میر انیسؔ نے آسمان کا رنگ نیلا ہی رکھا ہے لیکن وقتِ صبح آسمان کا رنگ سبز بتلاتے ہیں، "چرخِ اخضری" پر آفتاب کی سُرخی، سبز اور سُرخ کا (Contrast) پیش کر رہی ہے :-

تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

سبزہ زار اور لالہ زار میں سبز اور سُرخ کا (Contrast) دیکھئے :-

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

پھولوں سے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

سبز رنگ کے ساتھ زرد رنگ اچھا نہیں معلوم ہوتا، لیکن سُرخ اور زرد کا (Contrast) خوشنما ہے، سبز اور سُرخ کے ساتھ تیسرا رنگ زرد بھی ہے زرد کو سُرخ سے قریب رکھنے سے تصویر میں خوبصورتی آجاتی ہے اور شوخی پیدا

ہو جاتی ہے، میر انیس نے رنگ کی ترتیب میں کہیں بھی عیب پیدا نہیں ہونے دیا، پہلے مصرع میں سُرخ اور نیلے کا Contrast. ہے اور دوسرے مصرع میں سبز، سُرخ اور زرد کی ترتیب قابلِ داد ہے:۔

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیا وہ گل سبز و سرخ و زرد

خوش سلیقہ مصوّری

میر انیس کی بنائی تصویروں میں دو رنگوں کا (Contrast.) ایک نظر میں دیکھئے اور اُن کی خوش سلیقگی کی داد دیجئے:۔

"نیلا اور زرد"

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخِ لاجورد — مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد

ہے چرخ چار میں یہ رخِ آفتاب زرد — ڈر ہے گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد

گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ بے آس — رخ زرد تھا نیلے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس

نیلے تھے لب سُرخ ہو مثلِ گُلِ سوسن — روتے تھے لہو زرد تھا شہ کا رُخِ روشن

فاقوں سے رنگ زرد تو لب پیاس سے کبود

امام حسینؑ کی جنگ کے وقت:۔

حیراں زمیں کے نور سے ہے چرخِ لاجورد
مانند کہربا ہے رُخِ آفتاب زرد

"سُرخ اور زرد"

خوں سے عبا تھی سُرخ جراحت میں درد تھا — مانند زعفران رخِ پُرنور زرد تھا

وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی — جنگل میں گلوں کی کہیں سُرخی کہیں زردی

"نیلا اور سُرخ"

دیکھو نشانِ سجدہ جبینِ جناب پر — غنچہ ہے نیلوفر کا گُلِ آفتاب پر

نیلم ہیں گو کہ فرطِ عطش سے عقیقِ لب — نسبت بھلا ہے لعلِ بدخشاں سے اُن کو کب

"زرد اور اُودا"

شاہد الم فاقہ سے ہے زردیٔ رخسار — بے آبی سے اُودے تھے لب لعل گہربار

"گلابی اور زرد"

وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ — تعریف میں خود جس کی سرافگندہ ہے خامہ

وہ زرد عبا نور کی وہ نور کا جامہ — برسوں جو لکھیں ختم نہ ہو مدح کا نامہ

کپڑے تنِ گل رنگ کی خوشبو سے بسے تھے

ٹوٹی کمر اُمت کی شفاعت پہ کسے تھے

"سُرخ اور فیروزی"

دُرِّ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب — فیروزی ہیں پیاس کی شدت سے لعلِ لب

"سفید اور سیاہ"

گہہ شام مصیبت ہے گہے صبح طرب ہے — رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے

وہ نور خدا دیکھتے ہیں شام و سحر میں — دنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

"سُرخ اور آسمانی"

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں — تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں

"سیاہ، سفید اور سبز" (زعفر جن کا لشکر)

تولے ہوئے نیزوں کو لڑائی پہ تُلے تھے — رہوار تو ابلق تھے علم سبز کُھلے تھے

"سُرخ اور نقرئی"

ایسے گہر نہیں کہیں بحر عمیق میں — گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

"زرد، سیاہ، سبز، لال"

رخ زرد تھے ڈر سے بد سیہ کاروں کا تھا حال — تھا شور کہ سر سبز ہوا فاطمہؑ کا لال

"سُرخ اور سفید"

حیرت ہے صفا دیکھ کے اُن دانتوں کی صف کی — دو لعلوں میں تسبیح ہے اک دُرِ نجف کی

"کالا اور سُنہرا"

خورشید چھپا گرد اُڑی زلزلہ آیا — اک ابر سیہ دشت پُر آشوب میں چھایا

پھیلی تھی جہاں دھوپ وہاں ہو گیا سایا — بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا

جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے

گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

برہم نے حُسنِ زلفِ چلیپا دکھا دیا

"سیاہی اور سفیدی"

آنکھوں سے خجل آہوئے چینی و خطائی — دونوں نے یہ چیتون یہ سیاہی نہیں پائی
مردم کے لئے فخر ہے یہ ناصیہ سائی — شیروں کو تپ آتی ہے دم چشم نمائی

یاں کچھ گُل بادام حقیقت نہیں رکھتا
نرگس وہ کہے کیا جو بصارت نہیں رکھتا

"سبز اور سُرخ"

کُرتا وہ نرم جسم میں وہ پھول سا بدن — خوشبو کو جس کے پہونچے نہ یوسف کا پیرہن
وہ لعلِ لب کہ جس پہ فدا برگِ یاسمن — عمامہ سر پہ سبز قبا سرخ زیبِ تن

یعنی پسر ہوں بادشہِ مشرقین کا
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا

"سیاہ اور سُرخ"

لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا — مارے خوشی کے تیغ کا منھ لال ہو گیا

"نیلا اور لال" (تلوار)

سرسبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اس کا — تھا جسم کبود اور دہن لال تھا اس کا

"سبز اور نُقرئی"

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزا ہرا ہوا — تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

"سُرخ اور نقرئی"

یہ اوجِ تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا — گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

"سبز اور سُنہرا"

ناگہ نظر آیا علم دیں کا پھریرا پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سُنہرا

پنجہ وہ سُنہرا نظر آتا ہے علم کا دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

(سجدے کا نشان)

گویا ورقِ ماہ پہ ہے مہر کا مُہرہ دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زُہرا

"سُرخ اور الماسی رنگ"

باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے رنگ ہیں

"سیاہ اور سُنہرا"

دیکھو خطِ ریحان ورقِ زر پہ رقم ہے

نرگس کہیں آنکھوں کو بھلا کیا اُولی الابصار وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلع انوار
یہ سبزۂ نوخیز یہ مہتاب سے رخسار گویا ورقِ زر پہ رقم ہے خطِ گلزار
لب پر ہیں مسیں حُسنِ شباب اُن سے عیاں ہے
لو آتشِ یاقوت کا دیکھو یہ دھواں ہے

"سبز اور سُرخ"

کھُلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگِ حسنؑ ہے

"سُرخ اور زرد"

آلودۂ عرق رُخِ پُرگرد ہو گیا آنکھیں تو سُرخ ہو گئیں منھ زرد ہو گیا

یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ — سُرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخِ انور

فرما کے یہ اس بن سے چلا فاطمہؑ کا لال — تھے زرد مگر صدمۂ مسلمؑ سے رُخِ آل

"سبز اور لال"

دکھلاتے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا — اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

"سُرخ اور اشہبی (مہندی کی پتی کا رنگ)"

تھے سینہ قلب مگر خون سے تن لال تھے سب — سرعتِ اشہبِ چالاک کے پامال تھے سب

"سُرخ اور موتی کا سفید رنگ"

یاقوت جو وہ لب ہیں تو دنداں دُرِ شہوار — جس طرح شفق وقت سحر ہوئے نمودار

یوں صاف نمایاں ہیں رگیں ہونٹوں پہ دو چار — گویا ہے عقیقِ یمنی بر خطِ گلزار

اے جوہری یہ رنگ ہیں مرجاں سے ملا لو

بہتر ہیں یہ لب لعلِ بدخشاں سے ملا لو

اس بند میں میر انیس نے سرخ نگینوں میں یاقوت، عقیق یمنی، مرجان لعل کے ساتھ شفق کا ذکر کیا ہے، سُرخ نگینوں اور شفق کے (Contrast) میں سفید آب دار موتیوں کا رنگ رکھا ہے، عقیق پہ جو نقش و نگار بنانے ہیں وہ بھی سفید موتیوں کا رنگ ہوتا ہے، سفید موتی اور سُرخ نگینے کا (Contrast) بہت دلآویز، جاذبِ نظر ہوتا ہے۔ یہ رنگ دُلہن کی نتھ میں اور جڑاؤ زیورات میں آج بھی مقبول ہے۔

"گورا اور سانولا رنگ"

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح — شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح

"سیاہ اور سُرخ"

ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآب کے کہتا ہے حُسن خود کہ نثار اس شباب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکّے سحاب کے رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے

دونوں سے نور ہیں مہ و خورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کا چاند ہیں

گلزارِ حُسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ اُڑتا ہے غنچہ دہن و یاسمن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہی سخن کا رنگ

بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

میر انیس کی شاعری میں لباس اور اُن کے رنگ

علامہ مجلسی نے اسلامی لباس کے رنگوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے :۔

"کپڑے کا سب سے بہتر رنگ سفید ہے پھر زرد پھر سبز پھر ہلکا سُرخ (گلابی)، نیلا اور عدسی (مسور کی دال کا رنگ)۔"

"سفید لباس"

حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث ہے :۔

"سفید کپڑے پہنو کہ یہ رنگ سب سے عمدہ اور پاکیزہ ہے اور اپنے مُردوں کو بھی اسی رنگ کا کفن دو۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے :۔

"حضرت علی علیہ السّلام اکثر اوقات سفید کپڑے پہنا کرتے تھے۔"

میر انیس نے کربلا کے غازیوں کی عبا اور قبا کا رنگ سفید بتایا ہے :۔

سینوں سے ان کے تیروں کی سریاں نکل گئیں
اُجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں

کربلا کے غازیوں کے عمامے بھی سفید تھے :۔

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور

حضرت امام حسین علیہ السلام نے صبح کے وقت سفید عبا پہنی تھی :۔

"مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا"

تھا زیبِ سر عمامۂ محبوبِ کبریا — مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
پہنے قمیصِ حضرت یوسف تہہ قبا — باندھے ہوئے کمر میں کمر بندِ مرتضیٰؑ

میر انیس نے فرشتوں کا لباس بھی سفید بتایا ہے :۔

نورانی عبائیں ہیں، سفید اُن کی ہے پوشاک
اور حسن میں مہتاب سے روشن ہیں رُخِ پاک

سبز عمامہ

حضرت امام حسنؑ کا لباس سبز تھا، اِسی نسبت سے میر انیس نے کربلا میں حضرت قاسمؑ کے سر پر سبز رنگ کا عمامہ دیکھا ہے :۔

باندھا ہے کمر بند شہ عقدہ کشاؑ کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

جرات نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

حضرت علی اصغرؑ کے چھوٹے سے عمامے کا رنگ بھی میر انیس نے سبز بتایا ہے :۔

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا زیب سر
ماتھا جھنڈولے بالوں میں ہالے میں جوں قمر

حضرت قاسمؑ دولھا ہیں اس لئے قبا اُن کی شہانی (گلابی) رنگ کی تھی :۔

ہر عکس سے ملبوس گلابی بدن ایسا
غل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پیرہن ایسا

کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں

تن میں کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

قبا کے تکمے اور گریبان کا حسن :۔

نہ بدر میں یہ نور نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو ستارہ ہے گریباں مہ نو ہے

حضرت عبداللہ ابن حسنؑ کا عمامہ بھی سبز ہے اور قبا سرخ رنگ کی ہے، شہزادے کے لباس میں میر انیس نے حسنی و حسینی کا امتزاج دکھایا ہے :۔

کرتا وہ نرم جسم میں وہ پھول سا بدن   خوشبو کو جس کی پہنچے نہ یوسف کا پیرہن
وہ لعلِ لب کہ جس پہ فدا برگ یاسمن   عمامہ سر پہ سبز، قبا سرخ زیبِ تن
یعنی پسر ہوں بادشہ مشرقین کا
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا

"سیاہ لباس"

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ عمامہ اور سیاہ عبا پہنتے تھے۔

میر انیس نے حضورؐ کے لباس کا رنگ سیاہ بتایا ہے:۔

اوڑھے سیہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

میر انیس نے حضرت مسلمؑ ابن عقیل کے دو کم سن بچوں کا لباس سیاہ بتایا ہے، یہ دونوں بچے بہت دن قید میں رہے پھر شہید کر دیئے گئے:۔

کیا حضرتِ مسلمؑ کے یتیموں کا کہوں حال ۔۔۔ نہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال ۔۔۔ پوشاکِ سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
وہ چاند سے رُخ گردِ یتیمی سے اٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

حضرت زینبؑ بنتِ علیؑ سلام اللہ علیہا کی چادر کا بھی میر انیس سیاہ رنگ بتاتے ہیں:۔

لکھا ہے، یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ ۔۔۔ فریادِ واحسینؑ سے ہلتی تھی قتل گاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ ۔۔۔ رُخ پر نقاب، پاؤں میں موزے، عبا سیاہ
حُسنِ رسولؐ و شانِ علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ نشیں پر جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب ۔۔۔ تھامی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب ۔۔۔ بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
جس کا یہ ذکر ہے، وہ نواسی نبیؐ کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی، بیٹی علیؑ کی تھی

حضرت امام حسینؑ کا گلابی عمامہ اور زرد عبا:۔

میر انیس نے روزِ عاشورہ امام حسینؑ کے لباس میں خصوصی اہتمام کیا ہے۔

وقتِ نمازِ صبح حضرت امام حسینؑ کے دوش پر سفید عبا تھی اور سفید عمامہ تھا۔ بعدِ نماز آپ خیمے میں تشریف لائے اور حضرت رسولِ خدا کے تبرکات منگوائے جس میں رسولِ خدا کا وہ لباس بھی موجود تھا جو آپ نے شبِ معراج پہنا تھا، اب امام حسینؑ نے دوسرا لباس زیبِ جسم کیا:۔

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس — کشتی میں لائیں زینبؑ اسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس — پہنی قبائے پاکِ رسولؐ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا، عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو سِرے جو چُھٹے تھے بہ صد وقار — ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار — جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں، تو ہیچ ہیں!
سنبل پہ کیا کھلیں گے، یہ گیسو کے پیچ ہیں!

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولؐ زمن کی بُو — دولھا نے سونگھی ہو گی نہ ایسی دُلہن کی بُو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی، حسینؑ و حسنؑ کی بُو — پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتنؑ کی بُو
لُٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں!
گُل جُھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

اِن اشعار سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ لباس حضرت رسولِ خدا کا لباس ہے، حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں پہنچتے ہیں، لشکرِ یزید کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے لباس کا ذکر بھی فرماتے ہیں:۔

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ، یہ کس کی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ فگار

میر انیسؔ نے مختلف مرثیوں میں امام حسینؑ کے لباس کا ذکر کیا ہے:۔

آنکھیں ہیں سرخ بحرِ شجاعت ہے جوش پر — شملہ چُھٹا ہوا ہے عمامے کا دوش پر

اللہ رے نبیؐ کی عبا و قبا کا نور — پردے میں جس کے جلوہ نما ہے خدا کا نور

حیراں لباسِ نور پہ سب حُلّہ پوش ہیں — ادریسؑ ہیں حواس نہ موسیٰؑ میں ہوش ہیں

پیدا تھی سراپا سے مگر شوکتِ حیدرؑ — احمدؐ کا عمامہ تھا عجب شان سے سر پر

تھا نیچے قمیصِ عربی اس پہ قبا تھی — اور دوشِ مبارک پہ محمدؐ کی عبا تھی

میر انیس کے مندرجہ بالا اشعار میں رنگ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اب دیکھئے وہ عمامہ کا رنگ گلابی اور عبا کا رنگ زرد بناتے ہیں۔

وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ — تعریف میں خود جس کی سرافگندہ ہے خامہ
کپڑے تنِ گل رنگ کی خوشبو سے بسے تھے
ٹوٹی کمر امّت کی شفاعت پہ کسے تھے

معراج میں پہنے تھے جسے سیدِ لولاک — اس روز بھی زیبِ تنِ اطہر وہی پوشاک
لکھا ہے گلابی تھا عمامہ بہ سرِ پاک — فرزند کے ماتم میں گریباں تھا مگر چاک
جیسا تنِ پُرنور تھا ویسی ہی عبا تھی!
پیراہنِ یوسف پہ محمدؐ کی قبا تھی!

بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

اس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی
نظارے میں قرآں سے نہ کم روئے کتابی

گلابی رنگ

علامہ مجلسیؒ نے ایک طویل حدیث "تہذیب اسلام" میں نقل کی ہے :-

" حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا :- کہ جبریل امین نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے روز مجھ کو دو لباس خدائے تعالیٰ پہنائے گا ایک سبز اور دوسرا گلابی، اور اے علیؑ دو لباس اسی قسم کے سبز اور گلابی تمہیں پہنائے جائیں گے، راوی نے عرض کیا کہ لوگ گلابی رنگ کو مکروہ جانتے ہیں، حضرت رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر بلایا تو اُن کو گلابی رنگ کا لباس پہنایا گیا تھا۔"

" خاندانِ رسالت میں گلابی رنگ مقبول تھا، حسن ابن زائدؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو گلابی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا " (تہذیبِ اسلام)

میر مونسؔ نے بھی امام حسینؑ کے عمامہ کا رنگ گلابی لکھا ہے :-

معراج میں نبیؐ نے جو پہنا وہ جامہ تھا

خاکستری عبا تھی گلابی عمامہؔ تھا

میر انیسؔ نے امام حسین علیہ السلام کی عبا کا رنگ زرد بتایا ہے۔ میر مونسؔ کے شعر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زرد کا کون سا شیڈ (Shade.) تھا۔ خاکستری زرد رنگ کی عبا تھی، عام طور سے ایران و عراق میں اس رنگ کی عبائیں اب بھی استعمال کی جاتی ہیں۔

وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ

تعریف میں خود جس کی سرافکندہ ہے خامہ

وقتِ شہادت امام حسینؑ کا یہ گلابی عمامہ خون سے سُرخ ہوگیا :-

تیغوں سے پیچ سُرخ عمامے کے کٹ گئے

گردن سے ذوالجناح کی جُھک کر لپٹ گئے

لہ عِمامہ ہے لیکن عمامہ بولتے ہیں صحیح ہے، کبھی کبھی عمامہ بھی کہتے ہیں یہ بھی درست ہے۔

میر انیسؔ کی شاعری میں "اُودا" رنگ

اُودے رنگ میں مختلف (Shade.) پائے جاتے ہیں، مثلاً بیگنی اُودا، فالسئی اُودا، جامنی اُودا، مُرغ کیس کے پھُول میں بہت زیادہ اُودا ہٹ ہوتی ہے، اُردو کے شعرا نے کثرت سے اِس رنگ کا ذکر کیا ہے،

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

"یہ وہ رنگ ہے جس کو تمام ہندوستان والے پہچانتے ہیں۔"

(مہذب اللغات جلد اوّل ص۲۷)

امام باڑوں میں اگر کی بتیّوں کو سلگانے کے بعد جو راکھ باقی بچتی ہے وہ اُودے رنگ کی ہوتی ہے اس لئے اُسے "اُودی" کہتے ہیں۔ اس راکھ کو یہ اعتقاد رکھتے ہوئے استعمال کیا جاتا ہے کہ شفا ہوتی ہے خصوصاً بچوں کو زیادہ تر کھلائی جاتی ہے یہ شیعوں کی خاص اصطلاح ہے۔

میر انیسؔ کی شاعری میں اُودا رنگ غم و اندوہ کی علامت ہے، پیاس، درد و غم، مصیبت و بلا میں انسان کے ہونٹ اُودے ہو جاتے ہیں۔ بعض حالتوں میں نیلا رنگ نمایاں ہوتا ہے اور کبھی کبھی اُودا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔

پیاس کی شدت کو میر انیسؔ نے اُودے رنگ سے ظاہر کیا ہے:-

شاہد الم فاقہ سے ہے زردئ رخسار　　بے آبی سے اُودے تھے لبِ لعلِ گہر بار

اُودے ہیں لب لعل یہ ہے تشنہ دہانی　　ملتا ہے تو بی بی کے لئے لاتے ہیں پانی

ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے ۔۔۔ اودے تھے لب لعل سکینہ کے عطش سے

لب اُن کے اُودے اُودے ہیں منہ گورے گورے ہیں ۔۔۔ آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم ۔۔۔ اودے تھے لب، زباں میں کانٹے، کمر میں خم

نرگسی رنگ

نرگس کے پھول کا رنگ، شعراء آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں، عربی میں "نرجس" فارسی اُردو میں "نرگس" انگریزی میں "نارسِس سس" (Narcissus.) کہتے ہیں، نرگس اصل میں یونانی لفظ ہے۔

میر انیس نے نرگسی آنکھیں، نرگسِ بیمار، نرگسِ شہلا، نرگسِ جادو، نرگسِ فردوس، نرگس کے پھول، دیدۂ نرگس، کی تراکیب مرثیوں میں استعمال کی ہیں۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"نرگس ایک قسم کے درخت اور اُس کے پھول کا نام، ایک قسم کا اندر سے زرد باہر سے سفید پھول جو آنکھ سے بہت مشابہ ہے، صاحبِ "فرہنگِ آصفیہ" لکھتے ہیں:۔ ہندوستان میں جو نرگس ہوتی ہے اُس کا کٹورا زرد یا سفید ہوتا ہے اور جو ایران کابل یا کشمیر میں ہوتی ہے اُس کا کاسہ سیاہ ہوتا ہے۔" نرگس شہلا، بعض لوگ نرگس سفید مائل بہ سیاہی کو کہتے ہیں۔" (مہذب اللغات صفحہ ۱۹۵، صفحہ ۱۹۶)

نسیم امروہوی لکھتے ہیں:۔

نرگس ایک پھول کا نام جو انسان کی آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے، مگر اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔" (فرہنگِ اقبال فارسی صفحہ ۸۳۶)، ایک قسم کا پھول جو آنکھ سے مشابہ اور زرد یا سیاہ ہوتا ہے، جس کی آنکھیں سیاہ مائل بہ سُرخی ہوں نیز ایک قسم کی نرگس جس کا پھول سیاہ ہوتا

ہے اور آنکھ کو اسی پھول سے تشبیہ دیتے ہیں (فرہنگِ اقبالؔ اُردو صفحہ ۹۶)۔ نرگس شہلا:۔
نرگس کا پھول جو آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے، شہلا وہ نرگس کا پھول جس کی آنکھ نیلگوں یا سیاہی مائل ہو، نرگس کا اعلیٰ قسم کا پھول (فرہنگِ اقبالؔ فارسی صفحہ ۸۳۶)

ہندی شبد ساگر اور فرہنگِ آصفیہ میں لکھا ہے:۔

"نرگس ایک قسم کا اندر سے زرد اور باہر سے سفید پھول جس میں گول کالا داغ ہوتا ہے یہ آنکھ سے بہت مشابہ ہوتا ہے اس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے اور اس کا پیڑ پیاز کے پیڑ کی طرح ہوتا ہے۔"

عام لغت نویسوں نے نرگس کے پھول کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے:۔

"نرگس اندر سے زرد اور باہر سے سفید رنگ کا پھول جو آنکھ کی شکل کا ہوتا ہے، نرگس کے پھول سے محبوب کی آنکھ کو تشبیہ دیتے ہیں۔"

میر تقی میرؔ نے نرگسِ بیمار کی ترکیب استعمال کی ہے چشمِ مخمور، چشمِ مست کے معنی میں۔
غالبؔ نے "نظارۂ نرگس" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

میر انیسؔ کا یہ مصرع بہت مشہور ہے:۔

"سُرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لئے"

ہمارے لغت نویسوں نے مفروضوں سے کام لیا ہے، مشاہدہ نہیں کیا ہے، نرگس کے پھول کا صحیح رنگ کسی نے دریافت نہیں کیا ہے۔ اگر صرف "زرد" کہہ دیا جائے تو زرد کا جو رنگ نظر میں آتا ہے وہ گیندے کا پھول، سرسوں کے پھول کا زرد رنگ ہے اور اگر آنکھ اس رنگ کی ہوگی تو وہ یرقان زدہ آنکھ ہوگی، زرد کا شیڈ (Shade.) لکھنا لازمی ہے یہ زرد رنگ دراصل آف وہائٹ کلر (Off Whitecolour.) یا کریم کلر (Creamcolour.) ہوتا ہے۔ انگلش نرگس کا پھول بھونپو کی شکل کا ہوتا ہے اور ہندوستانی نرگس کی شکل بادام سے مشابہ ہوتی ہے، اندر کا دیدہ سیاہ اُودا گہرا ہوتا ہے۔

میر انیسؔ نے آنکھوں کی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے اس تشبیہ اور اس رنگ کو استعمال کیا ہے بڑی بڑی آب دار خوبصورت آنکھوں کو جن میں دیدہ سیاہ رنگ کے ہوں،

میر انیسؔ نرگسِ شہلا کہتے ہیں۔

حضرت عونؑ و محمدؑ کی آنکھیں

آفت ہیں غزالوں کو گرفتار کیا تھا		نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رُخ بھولے بھالے ہیں		نذروں کے منتوں کے مرادوں کے پالے ہیں

وہ ابروؤں کے خم، کہ ہلالِ فلک کٹے		آنکھیں وہ نرگسی، کہ نہ جن سے نظر ہٹے

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگسِ شہلا		یہ عین شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا

ہاشمی شہزادے

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار		حیدرؑ کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار

حضرت عباسؑ کی آنکھیں

آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے		یاں دیدۂ نرگس کا بھی مضموں نظری ہے

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو		اس کے تو بصارت نہیں اس کے نہیں بازو

حضرت عبداللہ ابن حسنؑ کی آنکھیں

چشمِ سیاہ نرگسِ شہلا پہ طعنہ زن		نازک وہ لب کہ جس سے خجل برگِ یاسمن

حضرت علی اصغرؑ کی آنکھیں

جُنبش بھویں وہ جن پہ تصدّق دلِ پدر		آنکھیں تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

حضرت قاسمؑ، جناب فاطمہؑ کبریٰ سے فرماتے ہیں :-

آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں، رقّت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور

حضرت علی اکبرؑ کی آنکھیں

آنکھیں وہ نرگسی جنہیں دیکھے سے ہو سُرور   روشن میانِ کعبہ ہیں یا دو چراغ طور

روئے ہیں فرقتِ شہؑ عالی جناب میں   نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

نرگس کہیں آنکھوں کو بھلا کیا اولوالابصار   وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلع انوار

روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب   آنکھیں ایسی کہ رہا نرگس شہلا کو حجاب

یاں کچھ گُلِ بادام حقیقت نہیں رکھتا   نرگس وہ کہے کیا جو بصارت نہیں رکھتا

حضرت امام حسینؑ کی آنکھیں

آنکھیں وہ نرگسی کہ غزال آنکھ کو چُرائے   ہنگامِ غیظ شیر یہ چتون کہاں سے لائے

ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گُلِ شاداب   لب غیرتِ یاقوت ہیں دنداں دُرِ خوش آب

ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا   دیکھا جو اُسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

ہے عینِ خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار   آنکھوں کو چُراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار

ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب　　آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس کو حجاب

نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور　　مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دُور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور　　یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عائد یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ ہے یہ ادنیٰ کا شرف ہے

انسانی چہروں کے رنگ

انسانی چہروں کی رنگتوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے:۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ

(سورہ روم آیت ۲۲)

"اُس کی قدرت کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے، یقیناً اس میں واقف کاروں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں"

یہی گفتگو قرآن مجید میں دوسری آیت میں بھی ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (سورۂ فاطر آیت ۲۸)

"اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کی بھی رنگتیں طرح طرح کی ہیں، اور علماء ان نشانیوں کو سمجھتے ہیں اور خوف خدا کرتے ہیں"

میرانیس باخبر، جاننے والے یعنی قرآنی مفہوم میں علماء میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تعبیر پر عمل کرتے ہوئے مرثیے میں سراپا نگاری کو بھی شامل کیا انسانی چہروں کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے گویا قرآنی آیت لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۂ التین آیت ۴) "بے شک ہم نے انسان کو خوبصورت انداز میں خلق کیا۔" کی تفسیر کر دی:۔

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

بشر کو چاہیئے دنیا میں اُس کے حُسن سے عشق
کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

بجا ہے اس لئے اکبرؑ سے تھا حسینؑ کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

"اللہ جمیلٌ و یحبُّ الجمال" یعنی اللہ حَسِین ہے اور حُسن کو دوست رکھتا ہے"۔ میر انیس نے اس قول کی طرف بعض اشعار میں اشارے کئے ہیں۔

صاف ہر رنگ سے ہو قدرتِ صانع کا ظہور

اُردو زبان کا بھونڈا ترین تنقید نگار کلیم الدین احمد جو تنقید نگاری کم اور سطحی مناظرہ زیادہ کرتا ہے، میر انیس کی سراپا نگاری پر طعنہ زن ہے، کلیم الدین احمد کا جواب یاس یگانہ چنگیزی کی زبان میں بس اسی قدر دیا جاسکتا ہے :۔

جوابِ اہلِ حسد زہرِ خندِ مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو ان موذیوں کو ڈستا جا

دو کتابیں لکھ کر کلیم الدین احمد اپنے کو بہت بڑا تنقید نگار سمجھنے لگا تھا، ایسے افراد کے لئے یاسؔ یگانہ کہتے ہیں :۔

دلِ نامحرم فردا، خدا کی مار ہو تجھ پر
ابھی سے نت نئے حُسنِ عمل میں چور ہو جانا

کلیم الدین احمد نے میر انیس پر جو تنقیدی کتاب لکھی ہے اُس کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ میر انیسؔ سے بہت زیادہ جلتا تھا اور اُس کا جواب بھی یگانہ چنگیزی کی زبانی سُنیئے :۔

ارے او جلنے والے کاش جلنا ہی تجھے آتا
یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جائے دھواں ہو کر

اچھے بھلے مضمون میں کسی پاگل فلسفی کا ذکر آجائے تو "رنگ میں بھنگ" ہوجاتا ہے، بقول یگانہ:

کام کیا فلسفی کا رندوں میں
کیوں ہو بیٹھے بٹھائے رنگ میں بھنگ

اُردو کے بعض تنقید نگار انگریزی کی گھٹیا کتابیں پڑھ کر اُردو شاعری کی عظمت کو پرکھتے ہیں کلیم الدین احمد بھی اُن میں سے ایک تھا جس کے لئے یگانہ کے یہ دونوں شعر صادق آتے ہیں:۔

میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں — کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو
کچھ ہوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں تولئے — آغازِ پُرفریب سے انجامِ کار کو

کلیم الدین احمد کے اعتراضات:۔

"انیس زلف و رخسار و دندان و مژگاں کی بھی بات کرجاتے ہیں اور اس سلسلے میں ظاہری جمال کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں لیکن گھوم پھر کر اسی نقطے پر پہنچتے ہیں کہ ان اوصاف کا حقیقی سرچشمہ ذاتِ احدیت یا ذاتِ نبوی ہے"۔ (میر انیس ص۱۰۶)

"یہ عجیب سی چیز معلوم ہوگی کہ بہادرانِ کربلا کے اوصاف البتہ قابلِ ذکر تھے جن میں اُن کی بے مثل بہادری، اُن کی پُراسرار ہمت، ان کا بخوشی اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا، اُن کا صبر و شکر، ان سب اوصاف کی جتنی بھی تعریف ہوتی کم تھی لیکن عاشق معشوق نما کی طرح ان کا سراپا پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا Compelling Necessity. تھی کہ جس نے انیس کو اس حد تک مجبور سراپا نگاری کیا کہ امام حسینؑ کے عمر رسیدہ رفیق حبیب ابن مظاہر کا سراپا انہوں نے پیش کردیا"۔

(میر انیس ص۱۰۹)

"جزئیات وہی ہیں جو روایتی سراپا میں ملتے ہیں اور تشبیہیں بھی کم و بیش روایتی قسم کی ہیں۔" (میر انیس ص ۱۱۶)

سراپا نگاری کی روایت سے انیس اس قدر مسحور و مجبور ہیں کہ بہادروں کو حسیناؤں کے بھیس میں پیش کرتے ہیں، یہ اُن کے فن کی کجی ہے اور ان کی فطرت کی بھی کجی ہے۔ اُن کے شعور میں کوئی گرہ ہے جس سے وہ مجبور ہیں اور ایسی بہت سی گرہیں ہیں۔" (میر انیس ص ۱۲۲)

انیس نے جتنی تشبیہیں جمع کر رکھی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ انہیں سب کا سب خرچ کر کے ثوابِ دارین حاصل کریں، اسی لئے تشبیہوں کی زیادتی ہے جو فنی نقطۂ نظر سے ایک بدنما دھبّا ہے۔" (میر انیس ص ۱۲۶)

"بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک جانباز جان دینے کو نکلتا ہے، مرنے مارنے کو نکلتا ہے اور جناب شاعر اس مردِ جانباز کو عاشق معشوق نما کے بھیس میں پیش کرتے ہیں اور جب تک وہ تلوار کھینچے کھڑا ہے اور دشمن بھی منتظر ہیں کہ جناب شاعر ذرا سراپا ختم کریں تو اُن کی شاعری کی داد دے کر اس جوان مرد کا خاتمہ کیا جائے"۔ (میر انیس ص ۱۲۹)

کلیم الدین احمد کی علمی معلومات ناقص تھیں، قرآن، تفسیر، حدیث اور تاریخ میں سراپا نگاری ایک خاص موضوع ہے اور دُنیا کی ہر قوم و مذہب کا پسندیدہ موضوع ہے یہ تاریخی سراپا نگاری کا کمال ہے کہ جب ہم رام چندر، کرشن جی، مہاتما بدھ، حضرت عیسیٰ کا ذکر پڑھتے ہیں تو ہماری نگاہوں میں اُن کا سراپا آجاتا ہے اور بہت واضح تصاویر ہماری نگاہوں میں اُبھرنے لگتی ہیں۔ ہر شخصیت کی تصویر الگ الگ بنتی ہے ایسا تو نہیں ہوتا کہ ایک ہی تصویر سب پر منطبق ہو جائے

میر انیسؔ نے اگر اپنے ممدوحین حضرت رسولِ خدا، حضرت علیؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ، حضرت عونؑ و محمدؑ، حضرت علی اصغرؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت حبیب ابنِ مظاہرؓ، حضرت حرؓ وغیرہ کی تصاویر سراپا نگاری کے آئینے میں تیار کی ہیں تو کلیم الدین احمد کو کیوں موت آ گئی۔ ہو سکتا ہے یہ اُن کا احساسِ کمتری ہو تاریخ میں انبیائے کرام اور خاندانِ انبیاء کے افراد کے سراپے محفوظ ہیں اور دشمنانِ انبیاء اور دشمنانِ خاندانِ انبیاء کے سراپے بھی محفوظ ہیں۔ تاریخ نے اگر حضرت ابراہیمؑ کے حسن کا تذکرہ کیا تو نمرود کی بدصورتی کا بھی ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے جلال و جمال کا ذکر ہے تو فرعون کی بدہیئتی کا تذکرہ بھی ہے، حضرت صالحؑ پیغمبر کے حُسن کا چرچا ہے تو ناقۂ صالح کے قاتل کی منحوس شکل کا تذکرہ بھی ہے، اُس کا نام "قُدار" تھا۔

"قُدار پستہ قد تھا، آنکھیں اُس کی بھوری تھیں اور رنگ سُرخ تھا"[1]

قرآن میں سراپا نگاری

قرآن میں خشک و تر موجود ہے، اس لئے سراپا نگاری کے تمام جزئیات۔ پیشانی، آنکھیں، ناک، کان، دانت، رخسار، ذقن، زلفیں، گردن، سینہ، ساعد، بازو، ہاتھ ہر چیز کا تذکرہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔

سفید اور سیاہ چہرے قیامت میں :-

"جس دن بعض لوگوں کے منہ سفید دگورے، ہوں گے، اور بعض کے منہ سیاہ، جو لوگ روسیاہ ہوں گے اُن سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے اب اس کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو ——— اور جو لوگ سفید رو ہوں گے وہ اللہ کی رحمت یعنی بہشت میں ہوں گے، اور وہ اُسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۶/ ۱۰۷)

---

[1] تاریخ اسلام ص۱۹۳ نجم الحسن کراروی۔ امامیہ کتب خانہ لاہور

بیٹی کو زندہ دفن کرنے والوں کے کالے چہرے :۔

" اور جب اِن میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے تو مارے رنج
کے اُس کا مُنہ کالا پڑ جاتا ہے اور زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے "۔ (سورۂ نحل آیت ۵۸)

" جب اُن کو بیٹی کے ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کی تہمت رحمان پر
رکھتا ہے اور مارے غصّے کے اندر ہی اندر تاؤ کھا کر اُس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے۔

(سورۂ زخرف آیت ۱۷)

قیامت میں منہ کالا ہوگا :۔

" اے پیغمبرؐ تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہے اُن
کے منہ کالے ہوں گے، کیا تکبّر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنّم میں نہیں ہے۔"

(سورۂ زمر آیت ۶۰)

گوری رنگتوں والی حوریں :۔

" اُن کی گوری گوری رنگتوں میں ہلکی ہلکی زردی ایسی جھلکتی ہوگی کہ گویا وہ شتر مرغ کے
انڈے ہیں جو احتیاط سے پردوں میں رکھے ہوئے ہیں "۔ (سورۂ صافات آیت ۴۹)

بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں :۔

" ایسا ہی ہوگا اور ہم اُن کی تزویج بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کریں گے "۔

(سورۂ دُخان آیت ۵۴)

" اور ہم اُنہیں بڑی بڑی آنکھوں والی حُوروں سے بیاہ دیں گے "۔

(سورۂ طور آیت ۲۰)

" اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی "۔

(سورۂ صافات آیت ۴۸)

میرانیسؔ نے ان حُوروں کی تعریف ان آیات کی روشنی میں کی ہے :۔

سودا ہو پری دیکھ لے گر حُور کی آنکھیں
سُورج کی چمک چاند کا منہ نور کی آنکھیں

وہ نرگسی آنکھیں وہ ان آنکھوں کے اشارے
اٹھ سایۂ طوبیٰ سے چل اب گھر میں ہمارے

پیغمبروں کا حُسن و جمال

"حضرت آدمؑ"

چونکہ آدمؑ کا رنگ گندمی تھا اس لحاظ سے یہ نام رکھا گیا، لغت میں آدم کے معنی سُنہرا مٹیالا، گندمی، گندم گوں، گیہواں رنگ درج ہے۔ "قاموس الکتاب" میں لکھا ہے کہ آدم کے معنی سُرخ رنگ یا مٹی کے رنگ کے ہیں۔

حضرت آدمؑ کا پُتلا بنانے کے لیۓ عزرائیل کو زمین پر بھیجا گیا کہ وہ مختلف جگہ سے مٹی لے کر آئیں اور اس کا بھی حکم باری کے مطابق خیال رکھا کہ مٹی مختلف رنگ کی ہو، چنانچہ سُرخ، سبز، سیاہ، نیم سُرخ (گلابی)، سفید، کبود (نیلا رنگ)، گندمی رنگ کی مٹی حاصل کی اور جب مختلف رنگ کی مٹی لا چکے تو خداوند عالم نے جمعہ کی اوّل ساعت میں جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ ساتویں آسمان سے لے کر آسمان اوّل تک کی مٹی سے ایک ایک مٹھی مٹی لاؤ اور پھر سب کو ملا دو۔ چنانچہ جبرئیلؑ نے ایسا ہی کیا، یہ مٹی جو آسمانوں سے لائی گئی تھی، خدا نے اس سے رسُول، نبی، آئمہ، اوصیا، صدیقین، شہدا، صالحین، مومنین خصوصی، سعادت مند لوگوں کی پیدائش کی بنیاد قائم کی اور اس مخصوص قسم کی مٹی سے جو زمین کے مخصوص طبقے سے لائی گئی کچھ خاص قسم کے بنی آدم پیدا کرنے کا بندوبست کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ مختلف قسم کی مٹی اور مختلف رنگ کی مٹی سے آدمؑ کی تعمیر ہی کا نتیجہ ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف رنگ کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔" [1]

---

[1] تاریخ اسلام صفحہ نجم الحسن کراروی۔ امامیہ کتب خانہ۔ لاہور۔

"حضرت نوحؑ کا سراپا"

حضرت نوحؑ کا رنگ گندمی، چہرہ تنگ، سر بڑا تھا اور اُن کی آنکھیں بڑی، پنڈلیاں پتلی، رانیں موٹی، ناف بڑی اور داڑھی گھنی اور لمبی تھی، وہ بلند قامت، تنومند اور غصہ ور تھے آپ بالوں کا لباس پہنتے تھے" [۲]

"حضرت ہودؑ کا سراپا"

حضرت ہودؑ نہایت خوبصورت تھے، آپ کے چہرے پر بڑی ملاحت تھی اور آپ کے جسم پر بال تھے، آپ دوہرے جسم کے مالک تھے، تنومند اور قد آور تھے" [۳]

"حضرت صالحؑ کا سراپا"

"حضرت صالحؑ نہایت خوبصورت تھے، اُن کا چہرہ سُرخ و سفید تھا۔ اُن کے بال بالکل سیاہ تھے، قد نہایت مناسب تھا، اُن کا سینہ چوڑا تھا، ڈاڑھی مناسب تھی اور بدن دوہرا تھا، ایک روایت میں ہے کہ تمام انبیاء اسی شکل و شباہت، صُورت و شمائل کے ہوتے تھے"۔ [۴]

"حضرت ابراہیمؑ کا سراپا"

"حضرت ابراہیمؑ سُرخ و سفید یعنی گورے رنگ کے تھے، اُن کا قد و قامت نہایت مناسب تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں تھیں، سینہ چوڑا تھا۔

"حضرت یوسفؑ کا سراپا"

روضۃ الصفا میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے سر میں گھونگھر والے بال تھے۔ رنگ سفید تھا یعنی گورے رنگ کے تھے۔ قد و قامت نہایت مناسب تھا۔ جسم سڈول تھا آنکھیں بڑی اور کشیلی تھیں۔ جب مسکراتے تھے تو دانتوں سے نور چمکتا تھا۔ جب باتیں کرتے تھے تو دہن سے نور برستا تھا۔

---

[۲] تاریخ اسلام صفحہ ۱۲۶ انجم الحسن کراروی۔ امامیہ کتب خانہ، لاہور۔

[۳] روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۷۔

[۴] تاریخ اسلام صفحہ ۱۸۶ انجم الحسن کراروی امامیہ کتب خانہ لاہور

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا سراپا"

روضۃ الصفا میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اگرچہ خود کافی طویل القامت تھے لیکن حضرت ہارونؑ اُن سے بھی زیادہ بلند قامت تھے۔ حضرت موسیٰؑ کا رنگ گندمی تھا لیکن حضرت ہارونؑ نہایت گورے چٹے اور خوبصورت تھے۔ آپ ضخیم البدن اور عظیم الجثہ تھے۔ یعنی لمبے چوڑے قد و قامت کے مالک تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی طبیعت میں غصہ تھا لیکن حضرت ہارونؑ بڑے صبور اور متحمل المزاج تھے۔

"حضرت سلیمانؑ کا سراپا"

امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ گورے رنگ اور دُہرے بدن کے تھے۔ حسین و جمیل تھے اُن کے بدن پر کافی بال تھے، سفید لباس پہنتے تھے، بڑے خضوع و خشوع والے تھے۔

"حضرت عیسیٰؑ کا سراپا"

امام ثعلبی لکھتے ہیں حضرت عیسیٰؑ سُرخ و سفید رنگ کے تھے۔ "عیسیٰؑ کے معنی سُرخ رنگ کے ہیں"۔ سر مناسب تھا اس میں کبھی تیل نہیں لگایا۔ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہا کرتے تھے۔ بال اُن کے سر کے ہمیشہ بکھرے رہتے تھے۔ کتابی چہرہ تھا۔ حضرت رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰؑ کو شبِ معراج دیکھا ہے وہ میانہ قد ہیں اور اُن کے سر کے بال گھونگروالے ہیں اور اُن کا رنگ سُرخ و سفید ہے"۔[1]

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سراپا"

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ وَ اِذَا ضَحِکَ تَیَلَأْلَأَ فِی الْجِدَارِ۔ راوی نے کہا میں نے کوئی چیز حضرت رسول اللہ سے زیادہ اچھی یا خوبصورت نہیں دیکھی گویا آفتاب آپ کے چہرۂ مبارک میں سیر کرتا تھا جب آپ ہنستے دیواریں چمک اُٹھتیں، حضرت جابر نے بیان کیا کہ میں نے حضور اکرمؐ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا کبھی میں حضور کو دیکھتا تھا

---

[1] تاریخ اسلام ص۔۔ نجم الحسن کراروی امامیہ کتب خانہ لاہور

اور کبھی چاند کو، اُس وقت حضور اکرمؐ سُرخ رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ میری آنکھوں میں حضور اکرمؐ چاند سے بہتر تھے۔ بعض راویوں نے کالقمر لیلۃ البدر یعنی مثل چودھویں رات کے چاند کے کہا، پورے چاند کی تشبیہ سے آپ کے چہرۂ مبارک کی گولائی بیان کی گئی ہے لیکن تمام راوی متفق ہیں کہ آپ کا چہرہ کتابی مائل بہ گولائی تھا، حدیثِ کسار میں آپؐ کی اکلوتی بیٹی حضرتِ فاطمہ زہرہؓ فرماتی ہیں:۔

وَصِرتُ اَنظُرُ اِلَیہِ وَ اِذَا وَجھُہٗ یتلالا نورًا کَانَّہُ البَدرُ فِی لَیلَۃِ تَمَامِہٖ وَکَمَالِہٖ۔

"اور میں آنحضرتؐ کو دیکھ رہی تھی کہ یکایک چہرۂ مبارک نورانی اور روشن ہوکر چمکنے لگا مثل چودھویں رات کے چاند کے"

صحابۂ کرام نے ایک دن حضور اکرمؐ سے پوچھا کہ حضرت یوسفؑ اور جمالِ محمدیؐ میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا:۔

اَنَا اَملَحُ وَ اَخِی یُوسُفُ اَصبَحُ ہمارا حُسن ملیح ہے اور ہمارے بھائی یوسفؑ صبیح تھے"

صباحت ایسی سفیدی ہے جو بے نمک ہے جس میں مطلق سُرخی اور نمکینی نہ ہو وہ زیادہ دلکشی نہیں رکھتی، ملاحت وہ رنگ ہے جس میں سفیدی اور سُرخی گندمی ہو رنگ میں نمکینی ہو یہ حسن نہایت دلکشی رکھتا ہے۔

بہت سے لوگ حضورِ اکرم کا حُسن دیکھ کر ایمان لے آئے تھے، حضرت ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں:۔

لَوَامِی زُلَیخَا لَو رَاَینَ جَبِینَا، لَاٰثَرنَ تقطیعَ القُلُوبَ عَلَی یَدًا

جن عورتوں نے زلیخا کے کہنے سے حضرت یوسفؑ کے نظارۂ جمال کے وقت اپنے ہاتھ ترنج کے بدلے کاٹ ڈالے تھے، اگر میرے محبوب محمد مصطفٰےؐ کو ایک نظر دیکھ پاتیں ہاتھوں کی جگہ دل کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔ [1]

---

[1] سکینہ فی اخبار سلطان المدینہ ص۲۶، ۲۲ مولفہ غلام شبّر صدیقی حنفی قادری۔ اقبال پریس بدایوں

قرآن مجید میں حضور اکرمؐ کو سراجِ منیر، شمس، ضحیٰ، کوکب دُرّی، کہا گیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے سراپا پر ابھی گفتگو مکمل نہیں ہوئی مناسب ہے کہ اسی مقام پر یہ عرض کیا جائے کہ امام حسنؑ، امام حسینؑ، اور حضرت علی اکبرؑ اپنے جد رسولِ خدا کی مکمل شبیہ تھے،

میر انیسؔ اس تاریخی حقیقت سے کس طرح منہ موڑ لیتے انہوں نے جو کچھ لکھا خوب لکھا۔

یوسفؑ تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار — کیف و کم ثمن ہے کتابوں سے آشکار
یوسفؑ سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار — عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار
یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی فوت تھی
زہراؑ کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب — سر کاٹے چہرۂ علی اکبرؑ سے پھر نقاب
گر دیکھ لیں وہ حُسنِ ملیح اور وہ شباب — حوریں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں رہے نہ تاب
پریاں تو اُن کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جنابِ زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فیہ حُسن میں یوسفؑ تھے بے مثال — لیکن نہ تھی ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
مثلِ نبیؐ ملیح تھے یہ سب نکوخصال — گستاخیاں معاف، ادب کا بھی ہے خیال
شور آج تک ہے خوبیٔ یوسفؑ میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حُسن کہ جس میں نمک نہیں

صنعتِ صانع

صُنعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ (سورۂ نمل آیت ۸۸)

" یہ اللہ کی صنعت کاری ہے جس نے ہر چیز کو نہایت مہارت سے محکم طور پر بنایا۔"

میر انیسؔ نے "صنعتِ صانع" کی مدح سرائی میں "حمدِ الٰہی" کے موضوع کو تقویت بخشی ہے، رجز ہو یا سراپا، میر انیسؔ شرک کے پہلو سے اپنے کلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، دیکھئے حضرت عباسؑ کے ابرو کی تعریف میں "حمدِ الٰہی"۔

ابرو نہیں ہے چشمِ مروّت نہاد پر
نوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر

(سورۂ نون والقلم اور سورۂ ص کی تلمیح بھی داد طلب ہے)۔

حضرت عباسؑ کے دہنِ مبارک کی مدح:۔

اسرارِ کردگار میں جائے سخن نہیں

اور پھر "حمدِ الٰہی":۔

صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

حضرت عباسؑ کے "خطِ مبارک" کی تعریف:۔

یہ خط نہیں ہے، دفترِ قدرت نگار ہے

حضرت عباسؑ کے سینۂ مبارک کی تعریف:۔

لاریب سینہ مصحفِ پروردگار ہے

حضرت علی اکبرؑ کے سراپا میں میر انیس حمدیہ اور نعتیہ دونوں پہلو تلاش کر لیتے ہیں:۔

تصویر سر سے تابہ قدم مصطفےٰ کی ہے
اس حُسن کے بشر بھی ہیں، قدرت خدا کی ہے

ہم شکل ہیں جنابِ رسالتمآبؐ کے

اور پھر یہ پہلو بھی مدِّنظر ہے:۔

دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسینؑ سے

حضرت علی اکبرؑ کی آنکھیں گویا رسول اللہؐ کی آنکھیں ہیں، یہاں بھی صنعتِ صانع کی مدح موجود ہے:۔

آنکھوں کو عینِ کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بندوبست

حضرت علی اکبرؑ میدانِ جنگ میں تشریف لائے ہیں:۔

آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسیں

کلیم الدین احمد کو لفظ "غل" پر سخت اعتراض ہے، میرا ایک سوال ہے کیا میدانِ جنگ میں فوجیں گونگی ہوتی تھیں، کیا سب گونگے کا گڑ کھا کر لڑتے تھے، کیا شور و غل بالکل ہی نہیں ہوتا تھا؟

گفتگو تھی پیغمبرِ اسلام کے سراپا کی ......

ہزاروں کتابوں میں آپ کا سراپا اور اس کے جزئیات پر گفتگو ہے، ذقن شریف یعنی تھوڑی چھوٹی اور روشن تھی، رخسار ہموار اور چمکتے ہوئے، جب جبیں بہ جبیں ہوتے چہرہ اور چمک اُٹھتا، حضرت علیؑ فرماتے ہیں حضورؐ بڑی آنکھوں والے اور بڑی پلکوں والے تھے، سپیدی اور سیاہی آنکھوں کی تیز اور روشن تھی، سپیدی میں سُرخی کے ڈورے پڑے ہوئے تھے، گوشۂ چشم باریک تھے، تاریکی میں بھی مثل روشنی کے دیکھتے۔ ابرو خمدار بالکل ملے ہوئے نہ بہت جدا، جلال کے عالم میں دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ نمودار ہوتی تھی جس سے دونوں ابرو ملے ہوئے معلوم ہوتے تھے ورنہ حقیقت میں ملے ہوئے نہیں تھے۔

بینی مبارک دناک، باریک اور لانبی، دہانہ مبارک نہ زیادہ کُشادہ اور نہ زیادہ چھوٹا نہایت خوشنما، مُسکرانے میں دندانِ مبارک کُھل جاتے تو درودیوار چمک اُٹھتے یہاں تک کہ اندھیرا دُور ہو جاتا۔ نہایت نرم بال سینے سے ناف تک اُگے ہوئے تھے جیسے ایک چاندی کی لکیر، گردن درخشندگی میں چاندی کی مثل تھی، سینہ اور پیٹ ایک دوسرے کے برابر تھے، کلائیاں چوڑی اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، نچلے ہونٹ کے قریب ایک خال تھا۔ ریش مبارک گھنی اور سیاہ، گیسو جب لمبے ہو جاتے تو بیچ میں سے مانگ نکال لیا کرتے تھے اور سر کے دونوں طرف بالوں کو ڈال لیا کرتے تھے، اُوپر کی طرف سیدھے دوش کے قریب گھونگر والے، تفصیل لکھنا ناممکن ہے، آپ کے سراپا پر پوری کتابیں موجود ہیں، مختصر مختصر بیان تحریر کر دیا گیا ہے، تاکہ ایک اندازہ ہو جائے کہ میر انیسؔ سراپا لکھنے میں حق بہ جانب تھے انہوں نے جو کچھ کتابوں میں دیکھا وہی لکھا، نہ مبالغہ ہے اور نہ لفظوں کا کھیل، میر انیسؔ نے جس طرح حضور

کا سراپا لکھ دیا ہے وہ ادب کا شاہکار ہے :۔

گیسو تھے وہ مفسّرِ واللیل اذا سجیٰ — رُخ سے عیاں تھے معنیٔ والشّمس والضحیٰ
وہ ریشِ پاک اور رُخِ سردارِ انبیاء — گویا دھرا تھا رحل پہ قرآں کھُلا ہوا
اوڑھے سیہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

آدم کو کیا فوجِ ملائک نے جو سجدہ — یہ نورِ محمدؐ کا فقط پاسِ ادب تھا
ہے یوسفؑ و یعقوبؑ کے جو حُسن کا شہرہ — تھا وہ بھی فقط نورِ محمدؐ ہی کا جلوہ
اک صاعقہ گرتے ہوئے جو دور سے دیکھا
موسیٰؑ نے اسی نور کو تھا طور سے دیکھا

ملاحت اور صباحت

حضورؐ کا قول ہے کہ میں ملیح ہوں اور یوسفؑ صبیح تھے۔ میر انیسؔ نے ملاحت یعنی "سُرخ سفید رنگ میں نمکینی" کے موضوع پر خوبصورت اشعار اُردو زبان کو عطا کئے ہیں اس طرح انہوں نے انسانی چہروں کے رنگ قرآنی آیات اور حدیثوں کی روشنی میں محفوظ کر دیئے ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ کا سراپا لکھتے ہوئے کہتے ہیں :۔

یوسفؑ کے حُسن سے اُنہیں گر دیجئے مثال — وہ مہتاب اور یہ خورشید بے مثال
سرسبز ہر طرح ہے رسولِؐ خدا کی آل — ہے شہرۂ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
یوسفؑ سا مہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
پر کیا مزہ جو حُسن میں اُن کے نمک نہ تھا

کیا کہیئے بجز صلِّ علیٰ اور زباں سے — یوسف یہ تجمّل یہ نمک لائے کہاں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمی و مطلبی کی — اس میں تو ملاحت ہے رسولِؐ عربی کی

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ کا رنگ سُرخ و سفید تھا جس میں ملاحت ونمکینی بھی تھی حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ بھی اپنے نانا کی شبیہ تھے اور انہیں کی طرح حسین اور خوبصورت تھے۔ اگر میر انیسؔ نے "حُسینِ حَسیں لکھ دیا تو کلیم الدین کو کیوں موت آگئی:۔

سر جھک گیا فلک کا یہ اوج زمیں ہوا
خورشید محوِ حُسنِ حسینؑ حَسیں ہوا

میر انیسؔ اگر سراپا میں حَسین، مہ جبین، کے لفظ استعمال کرتے ہیں تو شجاعت کے پہلو بھی اُن کے پیشِ نظر رہتے ہیں دیکھئے یہ حضرت قاسمؑ کے سراپا کا ایک شعر ہے:

نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسد اللہ یہ جواں ہے

حضرت علیؑ کی بہادری ضرب المثل ہے، سُورج کی طرح تاریخ میں روشن شجاعت، یادگارِ زمانہ ذہن میں علیؑ کا تصور آتے ہی ایک بہادر کا پیکر ذہن میں آتا ہے، کلیم الدین احمد کے ذہن میں حسیناؤں کا تصور آتا ہے۔

پاکیزگی کے بیان میں سفلانہ تصور آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلیم الدین احمد کسی اسفل ترین نسل سے تھا یعنی نیچ ذات سے تعلق رکھتا تھا یا پھر اس کی ولادت میں کوئی کجی تھی وہی کجی جو یزید، ابن زیاد، شمر اور حجاج وغیرہ کی پیدائش میں تاریخ میں درج ہے

بنی ہاشم کا حُسن و جمال

تاریخ نے ہر دور میں ہاشمی گھرانے کی مخصوص وجاہت اور اس کے نمایاں افراد کے حُسن و جمال کا اعتراف کیا ہے اور قمر (چاند) سے تشبیہ اس خاندان کا طُرّۂ امتیاز رہی ہے۔ حضرت ہاشمؑ شکل و صورت میں بدرِ مُنیر، تمکنت و وجاہت میں بے نظیر، رعب و وقار، ہیبت و حشمت میں کوہِ گراں اور فیاضی، سخاوت، سیر چشمی میں بحرِ بیکراں

تھے، پیکرِ حُسن و جمال، نیک سیرت و خوش خصال تھے۔

حضرت ہاشمؑ کے والد گرامی عبدِ مناف بڑے حسین و جمیل آدمی تھے، چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا اور خوبصورتی میں کوئی اُن سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ حُسن و جمال کی چمک دمک ایسی تھی کہ سب لوگ انہیں "قمر البطحا" یعنی مکّے کا چاند کہتے تھے۔[۱]

حضرت ہاشمؑ کے فرزند عبد المطلب بلند و بالا قد کے مالک تھے، بھاری بھر کم جسم گورے چِٹّے دونوں بھوئیں ایک دوسرے سے پیوست، لمبی پلکیں، گھونگر والے بال، ستواں ناک تھی اور رخسار بہت بھرے بھرے نہ تھے اور سب سے اعلیٰ خاندان کے سب سے اعلیٰ شخص تھے۔ اُن کے عہد کا ہر بادشاہ ان کی تعظیم و تکریم کو فرض جانتا تھا۔[۲]

حضرت عبد المطلبؑ کے فرزند اور حضورِ اکرمؐ کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ کے حُسن و جمال کا شہرہ دُور دُور تھا، زہری کہتے ہیں کہ وہ تمام قریشیوں میں سب سے زیادہ حسین جوان تھے اُن کی پیشانی پر ایسا معلوم ہوتا کہ چاند تارا چمکتا ہے۔ یورپین مصنف باڈلے نے لکھا ہے کہ وہ مکّے کے حسین ترین نوجوان تھے اور بے حد مقبول اور قابلِ احترام تھے جب ان کی نسبت حضرت بی بی آمنہؑ سے ہوگئی تو مکّے کی بہت سی کنواریوں کے دل ٹوٹ گئے۔ حضرت عبداللہ کی آنکھوں کے بیچ میں ایک نور ایسا روشن تھا جس کی چمک آسمان تک پہنچی تھی، شائستہ، خوش خلق، خوش اطوار، رحم دل، خدا ترس اور توحید پرست انسان تھے، آپ کو عرب والے "قمرِ حرم" کہتے تھے۔

پیغمبرؐ اسلام کے حسن کے بارے میں حدیثِ کسا رہیں جناب فاطمہ زہراؑ نے حسن کی تعریف میں کہا ہے "کانہ القمر فی لیلۃ تمامہ وکمالہ"

حضرت علیؑ کے حسن کی تعریف میں قرآن حکیم کا یہ اعلان ہے "والقمر اذا تلاھا"

امام حسینؑ کے بارے میں مؤرخِ کربلا کا بیان "راس قمری زھری" سرِ امام حسینؑ

---

[۱] "تاج دارِ دو عالمؐ کے والدین" صفحہ ۲۳ محمد رحیم دہلوی۔ شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی ۱۹۸۱ء

[۲] "سوانح عبد المطلبؑ" صفحہ ۲ محمد رحیم دہلوی۔ مکتبہ رضیہ لارنس روڈ کراچی ۱۹۸۱ء

نوکِ نیزہ پر اس طرح چمک رہا تھا جیسے پورا چاند"
حضرت عباسؑ کے لئے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے " قمر بنی ہاشم "

حضرت قاسمؑ میدانِ جنگ میں آئے تو مورخ نے جمالِ مبارک کی عکاسی اس انداز سے کی "کفلقۃ القمر" خاندانِ رسالتؐ کے شہزادوں میں جسے دیکھئے ماہتابِ درخشاں و تابندہ ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کے حُسن و جمال کی تعریف میں مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ سرتا پا پیغمبرؐ اسلام کی شبیہ تھے۔ جب بھی علی اکبرؑ راستے سے گذرتے تھے تو دوکاندار اپنی دوکانیں چھوڑ کر حسن و جمال میں کھو جاتے تھے، لوگ اپنے ہوش و حواس سنبھالتے ہوئے کہہ اٹھتے یہ یہ انسان سراپا حُسن ہی حُسن ہے، وہ حُسنِ یوسفؑ تھا جن کے لئے مصر میں "غل" مچ گیا تھا کہ
مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (سورۂ یوسف آیت ۳۱)

" یہ بشر نہیں ہے بلکہ کوئی عظمت والا فرشتہ ہے"[1]
اور حضرت علی اکبرؑ کے حُسن کو دیکھ کر فرشتے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کا "غُل مچاتے" تھے۔[2]

پہنچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں	کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِؐ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں	غُل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسفؑ سے بھی حسیں

تصویر سر سے تابہ قدم مصطفےٰؐ کی ہے
اس حُسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

کلیم الدین احمد کو "غل تھا" پر سخت اعتراض ہے، یہ غل کون مچا رہا تھا؟، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد کے پاس شاعری کو سمجھنے کے لئے جس عقلِ سلیم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُس کے پاس تھی بھی یا نہیں یا صرف مُلّا قسم کا ایک غبی تھا۔

---

[1] "تاجدارِ دو عالم کے والدین" ص۳۰ محمد رحیم دہلوی، شیخ شوکت علی پبلشرز کراچی ۱۹۸۱ء
[2] "شہزادۂ جنت" ص۲۹ ایم ابراہیم فطرت مرحوم۔ احباب پبلشرز، لکھنؤ ۱۹۷۷ء

سُرخ وسفید رنگ مائل بہ ملاحت

میر انیس نے کربلا کے مجاہدوں خصوصاً بنی ہاشم کے افراد کے چہروں کا رنگ سُرخ وسفید بتایا ہے وہ زیادہ تر گورے رنگ کا ذکر کرتے ہیں جس میں سُرخی بھی ہے اور ملاحت بھی ہے:۔

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ

جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح
شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح

گر دیکھ لیں وہ حُسنِ ملیح اور وہ شباب
حوریں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں رہے نہ تاب

مثلِ نبیؐ ملیح تھے یہ سب نکو خصال

شور آج تک ہے خوبیٔ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حُسن کہ جس میں نمک نہیں

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
یہ چہرہ کسی کا غیرتِ گُل کوئی سبزہ رنگ

حضرت عبداللہ ابن حسنؑ

وہ گورے گورے گال وہ چہرے پہ بھولا پن گویا کہ دُرجِ لعل تھا غنچہ سا وہ دہن

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا بچپن

وہ گورے گورے چہروں پہ زُلفیں اِدھر اُدھر کُرتے گلوں میں نورِ بدن جن سے جلوہ گر

تو منہ تو کھول اے مرے شبیرؑ خوش خصال تر ہوگئے ہیں آنسوؤں سے گورے گورے گال

حضرت عونؑ و محمدؑ

چہرے وہ سُرخ سُرخ وہ جرأت کے ولولے حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے

وہ چاند سے منہ اور وہ گورے بدن اُن کے شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن اُن کے

گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہے نورِ حق سُرخی نہیں یہ مہرِ منوّر پہ ہے شفق

حضرت علی اصغرؑ

مہکی ہوئی تھی دشت میں گُل سے بدن کی بو ان گورے گورے گالوں میں تھی یاسمن کی بو

رنگ سونلانا

ایک دن سروجنی نائیڈو، سرسلطان سے کہنے لگیں کہ میرانیس کے مرثیے

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

کا انگریزی ترجمہ ہوجاتا تو بہتر تھا، سرسلطان نے کچھ بند ترجمہ کرنے کے بعد اُن سے کہا "سونلا گیا تھا رنگ" کا کیا ترجمہ کردوں، انگریزی میں "سونلانے" کا ترجمہ نہیں ہوسکتا

"رنگ سونلانا"

ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت　　سونلا گئے ہیں رنگ جوانانِ نیک بخت

سونلائے ہوئے دھوپ میں گُل پیرہن آئے　　فوجوں میں ہوا شور کہ وہ صف شکن آئے

میرانیسؔ حضرت امام حسینؑ کے لئے کہتے ہیں:۔

عالم سیاہ ہے مری چشم پُر آب میں　　سونلا گیا ہے چاند مرا آفتاب میں

وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا　　سونلا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

اللہ رے لڑائی میں شوکت جناب کی　　سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی

لغت نویسوں نے "سانولا رنگ" اور "سونلانا" کے معنی میں فرق نہیں کیا، فرہنگ آصفیہ، نوراللغات، مہذب اللغات میں دونوں کے معنی رنگ کا تیرہ پڑنا، کالا ہو جانا، سیاہی مائل رنگ ہونا لکھ دیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔

سانولا رنگ:۔ نمکین سیاہی مائل ہو سکتا ہے، لیکن گورے رنگ کی نمکینی الگ ہے۔ گندمی رنگ کی نمکینی الگ، کالے رنگ میں بھی نمک پایا جاتا ہے یہ رنگ بالکل مختلف ہے۔

سونلانا:۔ یہ رنگ دھوپ کی تیزی سے پیدا ہوتا ہے لیکن مستقل نہیں ہوتا ہے، دُھوپ میں کُملا جانے کو میرانیسؔ نے "سونلانا" کہا ہے۔ ایک گلابی سُرخ دیسی گلاب کو دھوپ کی شدت میں دیکھئے کُملانے کے بعد اُس کا رنگ گہرا اُودا ہو جاتا ہے، یعنی اُس کا اپنا رنگ گہرا ہو جاتا ہے، یہی کیفیت سونلانے میں ہے، گورا رنگ دھوپ میں کالا، سیاہ نہیں ہو سکتا بلکہ اصل رنگ سے کچھ زیادہ گہرا ہو جائے گا، گورا گندمی ہو جائے گا، گندمی گہرا صندلی ہو جائے گا، سانولا، سیاہ ہو جائے گا۔

ایک حبشی کالے رنگ کا ہوتا ہے اور دھوپ میں گورا رنگ سونلا ہو جائے تو اس کا رنگ بھی کالا کہا جائے گا، دونوں کا فرق مشاہدے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے، ہمارے لغت نویس تقلیدی اور روائیتی معنی لکھتے ہیں، مشاہدہ برائے نام ہوتا ہے، آنے والی صدی میں کوئی نہ کوئی ادارہ اُردو کی عظیم لغت لکھے گا یہ کام ابھی باقی ہے میر انیس کے چار مصرع ایک ہی مرثیے سے ملاحظہ ہوں اور اُن کا انگریزی ترجمہ بھی دیکھئے

وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز (صدر شعبۂ اُردو لندن یونیورسٹی) نے ترجمہ کیا ہے:۔

His Blessed Countenance
Was Burnt And Black,
The Blazing Sun Beat Down Upon His
Back,

بند ۱۲۴ انگریزی

سونلانے کا ترجمہ بلیک (کالا) کیا گیا ہے۔

اب یہ شعر دیکھئے:۔

وہ لُو، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب وتب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب

ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز نے یہاں بھی لفظ "سیاہ" Black, رکھا ہے:۔

The Black Of Day Was Burnt And
Black As Night,

بند ۱۱۵ انگریزی

ذوالفقار کی آنچ کی تعریف:۔

رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز نے "سیاہ" کا ترجمہ Black. کیا ہے:۔

/بند۱۴۰ انگریزی The Stead Fast Men Could Not Brook Its Attack

Its Flaming Fire Turned All There Faces Black

تودہ بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد

کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیٔ نبرد

ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز نے یہاں بھی "سیاہ و تار کا ترجمہ "Black." "سیاہ" کیا ہے:۔

The Dark Blue Sky Became A Dusty Cup

And Blackness Spread O'er Valley,

/بند۱۵۱ انگریزی Hill And Pass

اور اسی مرثیے میں پھر "سونلائے رنگ"، پر میر انیسؔ کا ایک شعر دیکھئے :۔

اللہ رے لڑائی میں شوکت جناب کی

سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی

یہاں میر انیسؔ نے سونلانے کے معنی ظاہر کر دیئے ہیں، امام حسینؑ کا گورا سفید و سُرخ رنگ دھوپ کی شدت سے سنہرا ہو گیا تھا، اپنے اصل رنگ میں رنگ نے گہرا پن ( ) پیدا کر لیا تھا،

ڈاکٹر میتھیوز نے یہاں سونلانے کا ترجمہ Black. یعنی سیاہ رنگ نہیں کیا بلکہ، سونلانے کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔

The Prowess Of The Lord Against His Foes

With Sunlight On His Swarthy Face He Strode

اُردو لغت نویس شب کی سیاہی کو بھی سیاہ کہتے ہیں، روسیاہ کو بھی سیاہ کہتے ہیں، حبشی کو بھی سیاہ کہتے ہیں، سیاہ آندھی کو بھی سیاہ کہتے ہیں اور سونلانے کو بھی سیاہ کہتے ہیں ان تمام رنگوں میں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہوتا، ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز کی تو مجبوری ہے کہ انگریزی زبان اُردو کی طرح وسیع ترین زبان نہیں ہے۔ یہ اُردو کے دانشوروں کو کیا ہوا

کہ سونلانے کے معنی سیاہ لکھ گئے۔

اگر لغت نویس میرانیس کے مرثیوں میں "سونلانے" کے معنی تلاش کرتے تو مل جاتے:۔

سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی

کون سا دنیا کا عقلمند انسان اس مصرع میں سونلانے کے معنی سیاہی مائل رنگ لکھ سکتا ہے۔

سنہرے ذرّے

"ذرّوں کی چمک"

میرانیس نے دعویٰ کیا کہ:-

"ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملادوں"

یہ حرفِ تعلّی نہیں تھی، انہوں نے ایسا کرکے دکھادیا، اور یہ مبالغہ بھی نہیں ہے، ذرّے چمک میں آفتاب بن جاتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (سورۂ نبا آیت ۲۰)

"پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر چمکیلے ذرّات میں تبدیل ہوجائیں گے"۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا (سورۂ مزمل آیت ۱۴)

"اور پہاڑ ریت کے چمکدار ذرّوں کے ٹیلے ہوجائیں گے"

المُهل: معدنی جواہر، یعنی چاندی یا تانبے کی پگھلی ہوئی دھاتیں۔ **الهال**: سراب **الھَالَہ**: چاند کا ہالہ **التهاویل**: سُرخ، زرد، سبز مختلف قسم کے رنگ یا موسم بہار کے مختلف رنگ کے پھول۔ **ھَیُولیٰ**: چمکدار غبار کا گرداب، ذرّات جو روشندان میں دھوپ پڑتے وقت معلوم ہوں، اِن ذرّات میں مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔

(دیکھئے "مصباح اللغات")

"انجیلِ مقدّس" میں بھی چمکدار ذرّوں کا ذکر ہے:-

"جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ پر یہ ظاہر کرنا چاہا کہ اُن کی اولاد لاتعداد ہو گی تو وہ اُنہیں باہر لے گیا اور ان گنت ستاروں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ تمہاری اولاد بھی ایسی ہی ہوگی (پیدائش ۱۵:۵) بعد میں اس وعدہ کو دُہراتے ہوئے کہا کہ "تمہاری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کردوں گا۔

(پیدائش ۲۲:۱۷)

"بہت عرصے تک کلامِ مقدّس کے پڑھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آسمان

کے تاروں کے شمار اور سمندر کے کنارے کی ریت کے ذرّوں میں کیا مناسبت ہے، فلکی دُوربین کی ایجاد سے پہلے یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی تھی لیکن اب سائنس داں مانتے ہیں کہ یہ مقابلہ بہت موزوں تھا۔" (قاموس الکتاب صنہ۲)

آیئے اب دیکھتے ہیں میر انیسؔ ذرّوں کی چمک مہرِ منوّر سے کیسے ملاتے ہیں:۔

شب چراغ:۔ جگنو، رات کو چمکنے والا ہیرا۔

ذرّوں کا اس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
ہر سنگ ریزہ رشک دہِ شب چراغ تھا

خاکِ شفا:۔

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زرد مٹّی کی حقیقت کیا طِلا کے سامنے

ذرّوں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا مٹّی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

زندے الم سے بچتے ہیں مُردے فشار سے آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

طالع ہوا خورشیدِ عجب جلوہ گری سے ذرّے بھی سرفراز ہوئے تاجِ زری سے

جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے ذرّے زمیں پہ اختر تابندہ ہو گئے

بنتے تھے روئے مہر پہ ذرّوں کا نقابِ نور ہر سنگریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغِ طور

اختر نثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

میدانِ شہادت کی زمیں ہے کہ فلک ہے
یہ ذرّے ہیں خورشیدِ درخشاں کی چمک ہے

روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر
ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر

ذرّوں سے آفتاب کی ضَو آشکار تھی
سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی

پھیلا جو نورِ مہرِ امامت دمِ زوال
ذرّوں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا مُحال

چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

رشک آتا تھا خورشید کو ذرّے کی چمک پر
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پر

اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر، لعل سنگ سے
صحرا زمرّدی تھا پھریرے کے رنگ سے

خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جلوے سے راہ دشتِ بلا کہکشاں بنی
ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی

ذرّوں سے اس کے اشرفیِ مہر زرد ہے
مٹّی طلا ہے، نسخۂ اکسیر گرد ہے

ذرّے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

غُل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو　　ذرّوں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو

دشتِ دغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے　　ذرّوں پہ روشنیٔ تجلّیٔ طور ہے

حیرت سے حاملانِ فلک اُن کو تکتے ہیں　　ذرّے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی　　ہر ذرّہ سے آتی تھی صدا صَلِّ علا کی

ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں　　نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں!

خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے　　دن کو ذرّوں میں شب کو پروانوں میں

روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر　　ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر

گردوں پہ ننھے مہر کو یہ تاب نہیں تھی　　ذرّے ننھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی

یہ فیض ہے رُخِ خلفِ بوترابؑ سے　　ذرّے زمیں کے بن گئے رشکِ چراغ طور

یہ ذکر تھا کہ نُورِ خدا کا ہوا ظہور　　ذرّے زمیں کے بن گئے رشکِ چراغ طور

عکسِ رُخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں　　ذرّے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

کتابیات

ہماری اس کتاب "میرانیس کی شاعری میں رنگوں کا استعمال" کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مختصر مختصر اقتباسات درج کئے گئے ورنہ یہ موضوع اُردو زبان کے لئے Original ہے۔ اس موضوع پر اُردو زبان میں کوئی کتاب موجود نہیں ہے ہماری کتاب کو اوّلیت حاصل ہے۔ پدم شری علی جواد زیدی نے فرمایا اس طرح کی کتابیں اُردو زبان کو عالمی زبانوں کا ہم رُتبہ بنائیں گی۔ ایسی کتابوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ القرآن الحکیم — ترجمہ وتفسیر مولانا فرمان علی — چاند کمپنی۔ لاہور

۲۔ القرآن المبین — ترجمہ وتفسیر مولانا امداد حسین کاظمی — انصاف پریس لاہور

۳۔ القرآن العظیم — ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی — تاج کمپنی کراچی۔

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	مطبع	سنہ
۱۔	آبِ حیات	محمد حسین آزاد	غلام علی سنز لاہور	۱۹۵۴ء
۲۔	اُردو ادب کی تاریخ	ٹی گراہم بیلی	تاج پرنٹرس دہلی	۱۹۹۴ء
۳۔	اُردو، دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲۲		زیر اہتمام دانش گاہِ پنجاب لاہور	۱۹۸۹ء
۴۔	اُردو شاعری پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور	۱۹۶۵ء
۵۔	اُردو غزل اور کربلا	ضمیر اختر نقوی	مرکز علوم اسلامیہ۔ کراچی	۱۹۸۸ء
۶۔	اُردو مرثیہ پاکستان میں	ضمیر اختر نقوی	آفسٹ پرنٹرز کراچی	۱۹۸۲ء

۷۔	اسلام اور نئی منزلیں	ذکراللہ احمدی	ادارہ منہاج الحسین لاہور	۱۹۹۱ء
۸۔	اصول کافی جلد اول	علامہ شیخ یعقوب کلینی	شمیم بک ڈپو۔ کراچی	۱۹۷۸ء
۹۔	اصول نفسیات	ٹی، ایم یوسف	علمی کتب خانہ لاہور	۱۹۹۳ء
۱۰۔	اقبال اور حبِ اہلبیتؑ	سید محبوب علی زیدی	غلام علی سنز لاہور	۱۹۶۵ء
۱۱۔	البدایۃ النہایہ جلد ۵	علامہ ابن کثیر	مطبع السعادت۔ مصر	۱۳۵۸ھ
۱۲۔	الحسنؑ	مولانا سید آغا مہدی لکھنوی	جمعیت خدام عزا کراچی	۱۳۹۳ھ
۱۳۔	الخصائص الحسینیہ	شیخ جعفر شستری	مکتب اہل بیت کراچی	۱۹۹۷ء
۱۴۔	العقد الفرید جلد ۳	ابن عبد ربہ	مطبع الجمالیۃ۔ مصر	۱۳۳۱ھ
۱۵۔	انیس کا نظریہ فن	علی جواد زیدی	(مطبوعہ "انیس شناسی") دہلی	۱۹۸۱ء
۱۶۔	اُردو شاعری میں منظر نگاری	ڈاکٹر سلام سندیلوی	نسیم بکڈپو لکھنؤ	۱۹۶۸ء
۱۷۔	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	حافظ ابن حجر	مطبع مصطفیٰ محمد مصر	۱۹۳۹ء

"ب"

۱۸۔	بزم انیس	ڈاکٹر نیر مسعود	پیکجز لمیٹڈ لاہور	——
۱۹۔	بحار الانوار (عربی) ۱۲۰ جلدیں	علامہ محمد باقر مجلسیؒ	موسسۃ الوفاء بیروت لبنان	۱۹۸۳ء
۲۰۔	بنیادی نفسیات	پروفیسر عالم صحرائی	اے ون پبلشرز۔ لاہور	——
۲۱۔	بیانِ غالبؔ	آغا محمد باقر	شیخ مبارک علی لاہور	۱۹۵۳ء

"پ"

۲۲۔	پارچہ بانی اور لباس	مس اختر محی الدین	سید اینڈ سید کراچی	۱۹۸۱ء
۲۳۔	پتھروں کے سحری خواص	کاشف البرنی	اوراق پبلشرز کراچی	۱۹۸۰ء
۲۴۔	پھلوں اور پھولوں سے علاج	حکیم نور محمد چوہان	مکتبہ رفیق روزگار لاہور	——

"ت"

۲۵۔	تاریخ ارض القرآن	علامہ سلیمان ندوی	دارالاشاعت کراچی	۱۹۹۶ء
۲۶۔	تاریخ ابن اثیر جلد ۲	ابن اثیر	——	——

۲۷۔ تاریخ طبری جلد ۱۳	ابن جریر طبری	ادارۃ الطباعۃ، مصر	۱۳۵۶ھ
۲۸۔ تاریخ مکۃ المکرمہ جلد ۲	محمد عبد المعبود	مکتبۃ الحبیب راولپنڈی	۱۹۸۵ء
۲۹۔ تذکرہ ریاض الفصحا	غلام ہمدانی مصحفی	یوپی اُردو اکادمی لکھنؤ	۱۹۶۸ء
۳۰۔ توحید الائمہ	مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری	احمد بکڈپو کراچی۔	۱۹۸۵ء
۳۱۔ تہذیب الاسلام	علامہ محمد باقر مجلسیؒ	افتخار بکڈپو لاہور	——

"ج"

۳۲۔ جوش ملیح آبادی کے مرثیے	مرتبہ: ضمیر اختر نقوی	ادارۂ فیض ادب کراچی	۱۹۸۰ء

"چ"

۳۳۔ چودہ ستارے	مولانا نجم الحسن کراروی	انصاف پریس لاہور	۱۳۹۳ھ

"ح"

۳۴۔ حیات القلوب	علامہ محمد باقر مجلسیؒ	امامیہ کتب خانہ لاہور	۱۹۶۶ء
۳۵۔ حضرت امام علی نقیؑ	علی محمد دخیل	مصباح الہدیٰ۔ لاہور	۱۳۰۹ھ

"خ"

۳۶۔ خاندانِ میر انیس کے نامور شعراء	ضمیر اختر نقوی	مرکزِ علوم اسلامیہ کراچی	۱۹۹۴ء

"د"

۳۷۔ دو ادبی اسکول	پدم شری علی جواد زیدی	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۸۸ء
۳۸۔ دفتر ماتم ۱۳ جلدیں	مرزا دبیرؔ		
۳۹۔ دیوانِ غالبؔ	مرزا غالبؔ	غالبؔ انسٹی ٹیوٹ دہلی	۱۹۹۷ء
۴۰۔ دیوان میر حسنؔ	میر حسنؔ	نولکشور لکھنؤ	۱۹۱۲ء

"ر"

۴۱۔ رنگ اور روشنی سے علاج	خواجہ شمس الدین عظیمی	مکتبۂ تاج کراچی	۱۹۷۸ء
۴۲۔ رنگوں کے ذریعے علاج	روحانی دُنیا	——	مئی ۱۹۸۰ء
۴۳۔ رنگین لباس	مسز منیر الزماں	برقی پریس حیدرآباد دکن	۱۳۵۱ف

۴۴۔ روح الحیات — علامہ محمد باقر مجلسیؒ — محفوظ بک ایجنسی کراچی — ——

۴۵۔ روضۃ الشہداء — ملا حسین واعظ کاشفی — المتوفی سنہ ۹۰۱ھ — ——

۴۶۔ رنگ برنگے الفاظ — سید حامد حسین — ایوانِ اُردو دہلی — اگست سنہ ۱۹۹۷ء

"س"

۴۷۔ سبز پتے کی کہانی — ہنری ای آرمسٹرانگ — (مشمولہ: The great design) — ——

۴۸۔ سیرِ افلاک — مرزا محمد رشید — انجمن ترقی اُردو کراچی — سنہ ۱۹۵۲ء

"ش"

۴۹۔ شعرائے اُردو اور عشقِ علیؑ — ضمیر اختر نقوی — مرکزِ علوم اسلامیہ کراچی — سنہ ۱۹۹۳ء

۵۰۔ شواہد النبوۃ — ملا عبد الرحمان جامی — مکتبۂ نبویہ۔ لاہور — سنہ ۱۹۸۹ء

"ص"

۵۱۔ صحیح مسلم (تفسیر سورۂ دخان) — مسلم ابن حجاج — المتوفی سنہ ۲۵۶ھ — ——

"ط"

۵۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ — محمد ابن سعد واقدی — المتوفی سنہ ۲۳۰ھ

"ع"

۵۳۔ عظیم کائنات کا عظیم خدا — غلام جیلانی برق — بختیار پرنٹرز لاہور — سنہ ۱۹۷۷ء

۵۴۔ علل الشرائع — علامہ شیخ صدوقؒ — الکسا پبلشرز نارتھ کراچی — سنہ ۱۹۹۳ء

۵۵۔ علوم القرآن — مولوی سید محمد ہارون — مطبع یوسفی دہلی — سنہ ۱۹۱۳ء

"ف"

۵۶۔ فائز دہلوی اور دیوانِ فائز — مسعود حسن ادیب — نظامی پریس لکھنؤ — سنہ ۱۹۶۵ء

۵۷۔ فرہنگِ انیس — نائب حسین نقوی — جمال پرنٹنگ پریس دہلی — سنہ ۱۹۷۵ء

۵۸۔ فلسفۂ جمال اور اُردو شاعری — نور الحسن نقوی — ایجوکیشنل ہاؤس علی گڑھ — ——

"ق"

۵۹۔ قاموس الکتاب — ایف ایس خیر اللہ — مسیحی اشاعت خانہ لاہور

۶۰۔ قدیم مصوری میں سُرخ اور نیلا رنگ — زبیر احمد مدنی — مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی — ۱۸ جنوری ۱۹۹۵ء

"ک"

۶۱۔ کائنات اور اُس کا انجام — ڈاکٹر فضل کریم — جنگ پبلشرز لاہور — ۱۹۹۵ء

۶۲۔ کشف المحجوب — صُوفی مخدوم علی ہجویریؒ — ——

۶۳۔ کتاب مقدس — بائبل مقدس — پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۶۴۔ کتاب دلیل سامرا — سید جعفر بحر العلوم

۶۵۔ کرشمۂ قدرت — ھمایوں مرزا لکھنوی — ناشر ایم اخلاق حسین — آٹھواں ایڈیشن

۶۶۔ کلیاتِ سودا — مرزا محمد رفیع سودا — نولکشور پریس لکھنؤ — ۱۹۳۲ء

۶۷۔ کلیاتِ میر — میر تقی میر — نولکشور پریس لکھنؤ — ۱۹۳۱ء

۶۸۔ کلیاتِ نظیر اکبر آبادی — نظیر اکبر آبادی — تیج کمار بکڈپو لکھنؤ — ۱۹۵۱ء

۶۹۔ کلیاتِ قلی قطب شاہ — محمد قلی قطب شاہ — ترقی اُردو بیورو دہلی — ۱۹۸۵ء

۷۰۔ کلیاتِ ولی دکنی — ولی دکنی — انجمن ترقی اُردو کراچی — ۱۹۵۲ء

۷۱۔ کلیاتِ انشاء — انشاء اللہ خاں انشا — نولکشور پریس لکھنؤ — ——

"ل"

۷۲۔ لغات القرآن — مولانا عبدالرشید نعمانی — دارالاشاعت کراچی — ۱۹۸۶ء

"م"

۷۳۔ مجموعہ مراثی میر ضمیر "قلمی" — کتب خانہ ضمیر اختر نقوی — ——

۷۴۔ مجموعہ مراثی میر خلیق "قلمی" — 〃 〃 〃 — ——

۷۵۔ مجموعہ مراثی دلگیر "قلمی" — کتب خانہ ضمیر اختر نقوی — —— — ——

۷۶۔ مجموعہ مراثی مرزا فصیح "قلمی" — 〃 〃 〃 — —— — ——

۷۷۔ مہذب اللغات (دس جلدیں) — پدم شری مہذب لکھنوی — محافظ اردو لکھنؤ — ——

۷۸۔	مراثی انیس (۳ جلدیں)	مرتبہ: نظم طباطبائی	نظامی پریس بدایوں	۱۹۲۳ء
۷۹۔	مراثی انیس (۴ جلدیں)	مرتبہ: نائب حسین نقوی	غلام علی سنز لاہور	۱۹۵۹ء
۸۰۔	مراثی انیس (جلد ۵ اور ۶)	مرتبہ: مرزا احمد عباس	بک لینڈ۔ کراچی	۱۹۶۱ء
۸۱۔	مصباح اللغات	مولانا عبدالحفیظ	دارالاشاعت کراچی	۱۹۸۹ء
۸۲۔	مفردات القرآن	امام راغب اصفہانی	اسلامی اکادمی لاہور۔	۱۹۸۷ء
۸۳۔	مقالات گارساں دتاسی جلد ۲	گارساں دتاسی	انجمن ترقی اردو	۱۹۷۵ء
۸۴۔	میر انیس	کلیم الدین احمد	بہار اردو اکادمی پٹنہ	۱۹۸۸ء
۸۵۔	معالی السبطین	علامہ محمد مہدی مازندرانی	ولی العصر ٹرسٹ جھنگ	۱۹۸۹ء
۸۶۔	معالی السبطین	خواجہ محمد لطیف انصاری	مکتبۂ لطیف سرگودھا	۱۳۹۹ھ
۸۷۔	موتی کیسے بنتے ہیں؟	سید مصطفیٰ احسن رضوی	ماہنامہ نیادور لکھنؤ	مارچ ۱۹۷۹ء
۸۸۔	مراثی انیس کا تجزیاتی مطالعہ	سخی حسن نقوی	سخی اکیڈمی کراچی	۱۹۹۱ء

"ن"

۸۹۔	نوریات	ایف ڈبلیو میرس	ترقی اردو بیورو دہلی	۱۹۸۱ء
۹۰۔	نہج البلاغہ جلد ۲	ترجمہ: مولانا مفتی جعفر حسین	ادارہ علمیہ پاکستان لاہور	——
۹۱۔	نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر	سنگ میل پبلیکیشنز	۱۹۸۹ء

1. Colour Graphic Design
   By Andre Jute B.T. Batsford Limited-1993.

2. Colour Choices
   By Stephen Quiller Watson-Guptill Publications
   Newyork - 1989

3. Exploring Colour
   By Nita Leland North Light Publishers 1985

4. The Giant All Colour Dictionary
   By Staurt A. Courtis And Garnette Watters Octopus
   Publishing Group-1990

5. Temple And Contemplation
   By Henry Corbin Islamic Publications London-1986

6. Water Colour Paints By Michael Wilcox
   Imago Productions Singapore - 1991.

7. Literary Criticism In The Renaissance
   By J.E. Spingarn.

ممتاز ادیب اور خطیب

سیّد ضمیر اختر نقوی کی دوسری کتابیں

(۱) ـــــــــ جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیے

(۲) ـــــــــ اُردو مرثیہ پاکستان میں

(۳) ـــــــــ اُردو غزل اور کربلا

(۴) ـــــــــ شعرائے اُردو اور عشقِ علیؑ

(۵) ـــــــــ تلامذۂ ناسخؔ

(۶) ـــــــــ خاندانِ انیسؔ کے عظیم مرثیہ نگار

(۷) ـــــــــ تاریخ مرثیہ نگاری

(۸) ـــــــــ میر انیسؔ، زندگی اور شاعری

(۹) ـــــــــ اقبال کا فلسفۂ عشق

(۱۰) ـــــــــ ہزار برس (خود نوشت)